Bagh o bahar

سلسلۂ انجمن ترقی اردو نمبر ۱۵

باغ و بہار

یعنے

(قصۂ چہار درویش)

مؤلفہ

میر امّن دہلوی

مع

مقدمہ و فرہنگ

مرتّبۂ

مولوی عبدالحق صاحب بی، اے۔ آنریری سکریٹری انجمن ترقی اردو

مطبوعہ

مطبع انتظامی کانپور

سنہ ۱۹۳۱ء

قیمت
مجلد عہ/

قیمت
غیر مجلد عا/

عرضی میر امّن دِلّی والے کی

جو

مدرسے کے مختار کار صاحبوں کے حضور میں دیگئی

صاحبانِ والاشان نجیبوں کے قدر دانوں کو خدا سلامت رکھے۔

اِس بے وطن نے حکم اشتہار کا سُنکر چار درویش کے قصّے کو ہزار جدّ و کدّ سے اُردوے معلّا کی زبان میں باغ و بہار بنایا۔ فضلِ الٰہی سے سب صاحبوں کے سیر کرنے کے باعث سرسبز ہوا۔ اب امیدوار ہوں کہ اِس کا پھل مجھے بھی ملے، تو میرا غنچۂ دل مانند گل کے کِھلے۔ بقول حکیم فردوسی کے کہ شاہنامے میں کہا ہے،

بسے رنج بُردم دریں سال سی   عجم زندہ کردم بہ ایں پارسی

سوا اُردو کی آراستہ کر زباں   کیا مَیں نے بنگالا ہندوستاں

خاوند آپ قدردان ہیں، حاجت عرض کرنے کی نہیں۔ الٰہی تارا اقبال کا چمکتا رہے۔

مقدّمہ

باغ وبہار

(قصّہ چہار درویش)

میر امّن کا قصّہ چہار درویش فی الحقیقت باغ وبہار ہے یہ اُردو نثر کی اُن چند کتابوں میں سے ہے جو ہمیشہ زندہ رہنے والی ہیں اور شوق سے پڑھی جائیں گی۔ اِس کی مقبولیت کا بہت بڑا راز اس کی فصاحت اور سلاست میں ہے۔

جیسا کہ خود میر امّن نے اپنی کتاب کے دیباچے میں لکھا ہے "یہ قصہ چار درویش کا ابتدا میں امیر خسرو دہلوی نے اِس تقریب سے کہا کہ حضرت نظام الدین اولیا زری زربخش جو اُن کے پیر تھے اور درگاہ اُن کی دلّی میں قلعے سے تین کوس لال دروازے کے باہر مٹیا دروازے سے آگے لال بنگلے کے پاس ہے، اُن کی طبیعت ماندی ہوئی۔ تب مرشد کے دل بہلانے کے واسطے امیر خسرو یہ قصہ ہمیشہ کہتے اور

بیمار داری میں حاضر رہتے۔ اللہ نے چند روز میں شفا دی، تب اُنھوں نے غسلِ صحت کے دن یہ دعا دی کہ جو کوئی اِس قصّے کو سُنے گا، خدا کے فضل سے تندرست رہے گا، جب سے یہ قصہ فارسی میں مروج ہوا۔"

مشہور یہی چلا آتا ہے کہ فارسی قصۂ چار درویش امیر خسرو کا لکھا ہوا ہے لیکن نہ تو اُن کی تصانیف میں کہیں اِس کا ذکر ہے اور نہ اِس (فارسی) قصے میں کہیں اس کا پتہ لگتا ہے۔ فارسی نسخے کے شروع میں جو منظوم حمد ہے اُس کے مقطع میں "صفی" تخلص ہے۔

"صفی" راز زیرِ بارِ منتِ بالِ ہما مفگن
زمشکیں طرۂ بختِ سیاہش چترِ شاہی دہ

خسرو جیسے زبردست اور پُرگو شاعر سے یہ توقع نہیں ہو سکتی کہ وہ کسی دوسرے غیر معروف شاعر کی نظم حمد میں نقل کرتے، یہ اُنکی طبیعت سے بعید معلوم ہوتا ہے۔ اِس سے یہ شبہ اور قوی ہوتا ہے کہ یہ قصہ امیر خسرو کا لکھا ہوا نہیں ہے، یہ ممکن ہے کہ اُنھوں نے حضرت سلطان الاولیا کو بیماری کے زمانے میں یہ قصے سنائے ہوں، اُنھوں نے دعا دی ہو اور اس سے یہ اُن کی طرف منسوب کر دیا گیا ہو۔ میر امّن کے آخری فقرے سے بھی کہ "جب سے یہ قصہ فارسی میں مروج ہوا" صاف صاف نہیں معلوم ہوتا کہ یہ فارسی قصہ جو تحریر میں آیا، امیر خسرو کی تصنیف ہے

بہر حال یہ امر تحقیق طلب ہے۔

میر امّن کی باغ و بہار اسی کتاب کا ترجمہ کہی جاتی ہے اور وہ خود بھی یہی کہتے ہیں۔ فارسی قصّے کے ذکر کے بعد لکھتے ہیں:۔

"اب خداوندِ نعمت صاحبِ مروت نجیبوں کے قدر دان جان گلکرسٹ صاحب نے (کہ ہمیشہ اقبال اُن کا زیادہ رہے، جب تلک گنگا جمنا بہے) لطف سے فرمایا کہ اس قصے کو ٹھیٹ ہندوستانی گفتگو میں جو اُردو کے لوگ ہندو مسلمان، عورت مرد، لڑکے بالے، خاص وعام آپس میں بولتے چالتے ہیں، ترجمہ کرو۔"

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ فارسی کتاب کا ترجمہ نہیں۔ قصہ وہی ہے مگر اس کا ماخذ بجائے فارسی کے اُردو کی کتاب "نوطرزِ مرصع" ہے۔ اِس کے مولف میر محمد حسین عطا خاں متخلص بہ تحسین اٹاوے کے رہنے والے تھے۔ اُن کو فارسی اردو نظم و نثر دونوں پر قدرت تھی۔ وہ بہت اچھے خوشنویس بھی تھے اور اسی بنا پر اُن کا خطاب "مرصع رقم" تھا۔ علاوہ اِس کتاب کے وہ انشائے تحسین، ضوابط انگریزی اور تواریخ فارسی وغیرہ کے مؤلف ہیں۔ یہ سب کتابیں فارسی زبان میں ہیں۔ نوطرزِ مرصع کی تالیف کا سبب اُنھوں نے یوں بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ نواب مبارز الملک افتخار الدولہ جنرل اسمتھ بہادر صولت جنگ سالار فوج انگریزی کی ہمراہی

میں بجرے پر کلکتے کا سفر درپیش آیا۔ خالی بیٹھے بیٹھے دل گھٹنے لگا تو ایک عزیز نے جو ہمراہ تھا، یہ قصّہ سنانا شروع کیا۔ بہت پسند آیا اور اُسی وقت سے "زبان ہندی" میں لکھنے کی دھن لگ گئی۔ "کیونکہ سلف میں کوئی شخص موجد اس ایجاد تازہ کا نہ ہوا۔" چنانچہ اسی خیال سے لکھنا شروع کیا۔

جنرل سمتھ چلتے وقت انھیں صوبۂ عظیم آباد کی بعض خدمات پر متعین کر گئے۔ وہاں فرصت نہ ملی۔ پھر انقلابات ایسے واقع ہوئے کہ وہاں سے دست بردار ہونا پڑا اور وزیر الممالک نواب برہان الملک شجاع الدولہ ابو المنصور خاں صفدر جنگ (نواب اودھ) کی سرکار میں پہنچے اور اور اُن کے سایۂ عاطفت میں اس قصے کو پورا کیا۔ لکھتے ہیں کہ "ایک روز تقریبًا دو چار فقرے اس داستان کے کہ اول ذکر اس بیان کا کر گیا ہوں، بیچ سمع مبارک حضرت ولی نعمت کے پہنچے، ازبسکہ شاہد رعنا اس حکایت دلفریب کا جلوہ گری کے عالم میں شوخ و شنگ ہے، توجہ دل سے مقبول خاطر و منظور نظر اشرف کے کر کے فرمایا کہ "از سر تا پا اس محبوب پسندیدۂ دلہا کے تئیں زیور عبارت سے آراستہ کر"، اس قلیل البضاعت نے حسب الحکم جلیل القدر کے درخور حوصلہ اپنے اس داستان کی معشوق کو حلی بند زیب و زینت کا کر کے چاہتا تھا کہ اس نازنین کے تئیں

نظر مبارک سے گزرانوں کہ اس عرصے میں زمانے نے اور ہی رنگ دکھایا۔"

غرض نواب شجاع الدولہ کی وفات کے بعد انھوں نے یہ کتاب نواب آصف الدولہ کے نام سے معنون کی، نواب آصف الدولہ کی تخت نشینی ۱۷۷۵ء میں ہوئی۔ اس وقت یہ کتاب ختم ہو چکی تھی، یعنی اس کی تالیف باغ و بہار سے تخمیناً ۲۹، ۳۰ برس پہلے ہوئی۔

فارسی اور نوطرز مرصع کے مطالعے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ باغ و بہار فارسی کتاب کا ترجمہ نہیں بلکہ اس کا ماخذ نوطرز مرصع ہے تعجب اس بات کا ہے کہ میر امّن نے فارسی کتاب اور اس کے ترجمہ کا تو ذکر کیا مگر نوطرز مرصع کا ذکر صاف اڑا گئے۔ اَب میں تینوں کتابوں سے بعض مقامات کا مقابلہ کر کے دکھاتا ہوں جس سے میرے بیان کی پوری تصدیق ہوگی۔

اصل یہ ہے کہ ترجمہ ان دو میں سے کوئی بھی نہیں، فارسی قصے کو اپنی اپنی زبان میں بیان کر دیا ہے، لیکن جہاں کہیں نوطرز مرصع اور فارسی کتاب میں اختلاف ہے، باغ و بہار میں نوطرز مرصع کا اتباع کیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ باغ و بہار جیسا کہ عام طور پر مشہور ہے، فارسی قصے کا ترجمہ نہیں، بلکہ اس کا ماخذ نوطرز مرصع ہے۔ بعض مقامات

پر تو الفاظ اور جملے کے جملے وہی لکھ دیے ہیں جو نوطرزِ مرصع میں ہیں۔
اب چند مقامات ملاحظہ ہوں۔

بادشاہ آزاد بخت راتوں کو قبور کی زیارت کرنے جاتا تھا ایک روز اِس سیر میں اس کی چار درویشوں سے مٹھ بھیڑ ہو جاتی ہے۔ اِسی کا ذکر فارسی کتاب میں اس طرح ہے کہ دُور سے روشنی دکھائی دی، بادشاہ نے دل میں کہا کہ کوئی آوارہ وطن غریب یا ستم رسیدہ بیکس یا صاحب دل درویش ہوگا، ورنہ ایسے مکان میں بسر کرنا کسی دوسرے کا کام نہیں*۔

اب نوطرزِ مرصع کا یہی مقام ملاحظہ کیجئے:۔

"اس عرصے میں فرخندہ سیر کے تئیں دور سے بفاصلہ فرسنگ کے ایک چراغ نظر آیا لیکن باوصف استبداد بادِ صرصر کے زنہار اشتعالۂ چراغ کے تئیں سر مو حرکت نہ تھی۔ بادشاہ نے اول خیال کیا کہ طلسم شیشہ نمائی کا ہوگا، یعنی اگر پھٹکری کو گرد فتیلۂ چراغ کے چھڑک دیجئے تو کیسی ہی

---

* اصل فارسی عبارت یہ ہے:۔
"تا درمیان قبرستان نظرش بر چار طاقے افتاد کہ روشنیِ چراغ دُور می نمود۔ بادشاہ باخود گفت کہ البتہ دراں مکان غریبے از وطن آوارہ یا بیکسے ستم رسیدہ، یا بیچارہ از حادثات فلکی بجان آمدہ، یا درویش از خلق کنار گرفتہ یا صاحب دلے بہ ارواح اہل قبور کسے یافتہ خواہد بود۔ والا درچنیں مکان بسر بردن کار دیگرے نیست"

ہوا چلے، چراغ گل نہ ہو۔"

میر امن اسی مقام کو یوں لکھتے ہیں:۔

"ایک بارگی بادشاہ کو دُور سے ایک شعلہ سا نظر آیا کہ مانند صبح کے ستارے کے روشن ہے۔ دل میں اپنے خیال کیا کہ اس آندھی اور اندھیرے میں یہ روشنی خالی از حکمت نہیں، یا یہ طلسم ہے کہ اگر پھٹکری اور گندھک کو چراغ میں بتی کے آس پاس چھڑک دیجے تو کیسی ہی ہوا چلے چراغ گل نہ ہوگا۔"

اِن تینوں عبارتوں کا مقابلہ کیجئے، فارسی اور اُردو میں خاصا اختلاف ہے، لیکن نوطرزِ مرصع اور باغ و بہار کی عبارتیں کس قدر ملتی جلتی ہیں۔ دونوں کی آخری سطریں دیکھیئے، ایک ہی بات ہے اور ایک ہی سے لفظ ہیں، گویا ایک نے دوسرے کی کتاب سامنے رکھ کر لکھی ہے۔

پہلا درویش اپنی واردات سناتا ہے اور جب وہ اُس مقام پر پہنچتا ہے کہ نازنین کے علاج کے لئے بازار میں مضطرب پھر رہا تھا تو بیان کرتا ہے کہ ایک جراح کی دکان نظر پڑی کہ ایک سفید ریش شخص بیٹھا ہے اور چند نفر شاگرد اس کی خدمت میں مرہم بنانے میں مشغول ہیں* (فارسی کتاب)

* اصل فارسی عبارت یہ ہے:۔

"از سرا بیروں آمدہ در بازار مضطربانہ می گردیدم، بدرگاہ رب العزت حیات آں سرمایۂ

نوطرز مرصع میں یہ مقام یوں بیان کیا گیا ہے :-

"اور معتمدان ہمراہ کے تئیں بیچ خدمت گزاری اس نازنین کے تعین کر کے آپ واسطے تحقیقات مکان جراح کے حویلی سے باہر آیا، چنانچہ زبانی ایک شخص کے معلوم ہوا کہ عیسیٰ نامی جراح بکمال کسب طبابت و جراحی کے کہ اگر مردے کے تئیں چاہے تو عنایات و فضل الٰہی سے زندہ کرے، فلانے محلے میں رہتا ہے۔ فقیر اس گلبانگ بشارت اندوز سے بسان گل کے شگفتہ و خنداں ہو کر پوچھتے پوچھتے اوپر دروازے جراح کے کہ مثال دل بیدار دلوں کے کشادہ تھا، جا پہنچا۔ دیکھتا کیا ہوں کہ وہ متبرک ذات خضر صفات بیچ دہلیز گھر کے رونق افروز ہے"۔

باغ و بہار میں یہ مقام اس طرح ادا کیا گیا ہے :-

"اور آدمی اعتباری وہاں چھوڑ کر فقیر جراح کی تلاش میں نکلا۔ ہر ایک سے پوچھتا پھرتا تھا کہ اس شہر میں جراح کاریگر کون ہے؟ ایک شخص نے کہا ایک حجام جراحی کے کسب اور حکیمی کے فن میں پکا ہے، اگر مردے کو اس پاس لے جاؤ، خدا کے حکم سے ایسی تدبیر کرے، کہ ایک بار وہ بھی جی اٹھے، وہ اس محلے میں رہتا ہے اور عیسیٰ نام ہے۔ میں یہ مژدہ سنکر بے اختیار

(بقیہ صفحہ ۔) حیات جاودانی مسئلت می نمودم کہ دکان جراحے بنظرم درآمد، مرد محاسن سفید ریش نشستہ و چند شاگرد در خدمتِ او مشغول مرہم ساختن"۔

چلا۔ تلاش کرتے کرتے اُس کے دروازے پر پہنچا، ایک مرد سفید ریش کو دہلیز پر بیٹھا دیکھا۔"

فارسی نسخے میں جرّاح کا نام نہیں دیا، نوطرزِ مرصع اور باغ و بہار میں ایک ہی نام ہے اور ایک ہی بیان ہے۔

اِس کے بعد اِسی بیان میں فارسی اور اُردو قصّے میں ایک بہت بڑا اختلاف ہے۔ فارسی کتاب میں لکھا ہے کہ "میرے کہنے سننے اور التجا پر وہ شخص (جراح) دکان سے اُٹھ کر میرے ہمراہ ہو لیا اور کارواں میں پہنچ کر جب حجرے میں داخل ہوا اور اُس سرو گل اندام کا ملاحظہ کیا تو بہت متفکر ہوا اور ایک لحظے کے بعد میری طرف منہ پھیرا اور اُس زور سے ایک طمانچہ میری کنپٹی پر مارا کہ آج تک نہیں بھولا ہوں*"۔ جرّاح کی خفگی اس بات پر تھی کہ تو نے اِس نازنین پر یہ آفت ڈھائی ہے۔ درویش اس کے قدموں پر گر کر کہتا ہے کہ میں اس کا باعث نہیں ہوں، یہ مجروح میری ہمشیرہ ہے میں یمن کا رہنے والا ہوں اور اس سفر میں ماں باپ، بھائی بہن،

* اصل فارسی عبارت،
"آن مرد گفت، منت دارم، از دکان برخاستہ با من رواں کارواں سرا گردید چوں داخل حجرہ شد و ملاحظۂ احوال آں سرو گل اندام کرد و متفکر گردید و بعد از لحظہ رو بجانب من کرد و یک طپانچہ از روئے قہر و قدرت و قوت تمام انچناں بر بناگوشش من زد کہ ہنوز اورا فراموش نکردہ ام۔"

رفیق سب میرے ہمراہ تھے کہ ڈاکوؤں نے ڈاکہ مارا، سب کچھ لوٹ لیا اور عزیزوں کو ہلاک کر دیا، صرف یہی ایک زخمی بچی جس میں کچھ جان باقی ہے۔

نوطرز مرصع اور باغ و بہار میں وہ پہلے ہی جراح سے بیان کر دیتا ہے کہ اِس شہر کے نزدیک ڈاکہ پڑا، مال و اسباب لٹ گیا اور اس بی بی (نوطرز مرصع میں معشوقہ) کو گھائل کیا، طمانچے کے مارنے کا کہیں ذکر نہیں۔

پھر فارسی کتاب میں لکھا ہے کہ جرّاح نے دیکھ بھال کے بعد کہا کہ پچاس تومان دیتے ہو تو علاج کرتا ہوں اور یہ کہہ حجرے سے نکلکر چل دیا۔ اُردو کی دونوں کتابوں میں یہ ذکر نہیں یہاں بھی میر امّن نے نوطرز مرصع کا اتباع کیا ہے۔

اچھے ہونے کے کچھ دنوں بعد یہ واردات گزرتی ہے۔

"ازبسکہ غرور حسن و ریاست کا پیچ دماغ کے رکھتی تھی، میری طرف بہ نظر الفت شاہدانہ کے رخ توجہ کا فرماتی اور اکثر اظہار کرتی کہ اگر تیرے تئیں دلداری ہماری منظور ہے تو زنہار بیچ حرکات و سکنات ہماری کے دخل تفتیش کا نہ کرنا، خبر شرط ہے۔"

باغ و بہار میں اِس بیان کو یوں لکھا ہے "وہ اپنے حسن کے غرور اور سرداری کے دماغ میں جو میری طرف کبھو دیکھتی تو فرماتی۔ خبردار! اگر

تجھے ہماری خاطر منظور ہے تو ہرگز ہماری بات میں دم نہ ماریو، جو ہم کہیں بلا عذر کیے جائیو۔ اپنا کسی بات میں دخل نہ کریو، نہیں تو پچتاویگا۔" فارسی میں اس کا کہیں ذکر نہیں۔ دونوں عبارتوں کو دیکھیے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایک نے دوسرے سے استفادہ کیا ہے۔

فارسی قصے میں لکھا ہے کہ ایک روز اس نازنین نے ایک خاص کھانے کی فرمایش کی، اتفاق سے درویش کے پاس اس روز ایک دینا بھی نہ تھا سب کچھ اس معشوقہ کے علاج اور خاطر تواضع میں خرچ کر چکا تھا، فرمایش کا سننا تھا کہ چہرے کا رنگ فق ہو گیا اور وہ حالت ہوئی کہ خدا کسی دشمن کو نصیب نہ کرے۔ نوطرزِ مرصع میں قصہ یوں نہیں ہے بلکہ اس میں یہ لکھا ہے کہ "جو کچھ پاس تھا سب خرچ کر چکا اور کچھ نہ رہا تو فکر سے میری حالت نزار ہونے لگی اور کھانا پینا سونا حرام ہو گیا۔ وہ نازنین فراست سے تاڑ گئی کہ معاملہ کیا ہے۔" باغ و بہار نے بھی ہو بہو یہی لکھا ہے، فارسی کی تقلید نہیں کی ہے۔

فارسی قصے میں یوسف سوداگر کی معشوقہ نہایت حسین پری پیکر عورت ہے، اس کے برخلاف نوطرزِ مرصع میں کریہ منظر بدہیئت چڑیل صورت ہے، باغ و بہار میں بھی بالکل یہی ہے۔

اسی طرح جب ملکہ اس جوان کی خاطر جس پر وہ عاشق تھی (یعنی

یوسف سوداگر) باغ اور کنیز خریدتی ہے تو اُسے نوطرزِ مرصع میں اِس طرح بیان کیا ہے۔ "ایک باغ خوش تعمیر نہایت شگفتگی وطراوت میں روح افزا متصل محل سرا اُس جوان کے اور اُس کے شامل ایک مغنیہ کہ علم موسیقی میں کم و بیش دستگاہ رکھتی ہے، اس طرح جیسے اونٹ کے ساتھ بلّی"۔

باغ و بہار میں اسے یوں ادا کیا ہے کہ "ایک باغ نہایت سرسبز اور عمارت عالی، حوض، تالاب کوُے پختہ سمیت غلام کی حویلی کے نزدیک نافِ شہر میں بکاؤ ہے اور اس باغ کے ساتھ ایک لونڈی بھی گائن کہ علم موسیقی میں خوب سلیقہ رکھتی ہے، لیکن یہ دونوں باہم بکتے ہیں نہ اکیلا باغ، جیسے اونٹ کے گلے میں بلّی"۔

فارسی کتاب میں یہ واقعہ یوں نہیں ہے بلکہ اُس نے پہلے باغ کی فرمائش کی ہے اور کچھ دنوں بعد کنیز کی۔ اونٹ کے گلے میں بلّی کا محاورہ نوطرزِ مرصع سے لیا گیا ہے۔ فارسی کتاب میں اس کا مطلق ذکر نہیں۔

جب پہلے درویش نے ملکہ سے دریافت کیا کہ یہ کیا بات تھی کہ تمہارے ذرا سے کاغذ کے پُرزے پر اس شخص نے اتنی ساری اشرفیاں دیدیں، وہ کون شخص تھا؟ تو ملکہ نے جواب دیا کہ وہ میرا خزانچی سیدی بہار تھا۔ نوطرزِ مرصع اور باغ و بہار دونوں میں یہی ہے۔ فارسی کتاب میں

بجائے سیدی بہار کے کوکنار فروش ہے جسے ملکہ نے بہت کچھ مال دولت سے سرفراز کیا تھا۔

نوطرز مرصع میں اثنائے بیان میں دو ہندی کبت بھی آگئے ہیں میر امن نے دونوں کبتوں کو بعینہ نقل کر دیا ہے۔ایک کبت دوسرے درویش کی سیر میں ہے جس کا پہلا مصرع یہ ہے۔

"نکھ بن کٹا دیکھے، سیس بھاری جٹا دیکھے، جوگی کن پھٹا دیکھے، دیکھے چھار لائے تن میں۔"

دوسرے کبت کا پہلا مصرع یہ ہے:۔

"جب دانت نہ تھے تب دودھ دیو،جب دانت دیے کہا اَن نہ دے ہے۔"

تیسرے درویش کی سیر میں (جو فارسی کے نسخے میں دوسرے درویش کی سیر ہے) اصل فارسی سے جا بجا اختلاف پایا جاتا ہے، لیکن میر امن نے ہر جگہ نوطرز مرصع کی تقلید کی ہے۔ وضاحت کی غرض سے چند مقامات کا حوالہ یہاں دیا جاتا ہے۔

"آں گنبد چہار صفہ داشت ، در پیش یک صفہ پردہ کشیدہ بودند، آں مرد باآں پردہ رفت و بعد از لمحہ آواز گریہ و نالہ بگوشم رسید۔ آں مرد پیر بنالۂ حزیں می نالید و می گفت ۔

اے فلک تا بچند خوں بارم رحم آور بدیں دل زارم"
مرا بر احوال او تعجب آمد، برخاستہ بہ عقب پردہ آمدم و نظر بہ اندروں
گماشتم، دیدم ...." (فارسی)
"بہ سبب ماندگی و کسل اعضا کمیں داران خواب کے اوپر قافلہ
بیداری کے تاخت لائے اور متاع گراں بہائے ہوشیاری کو لوٹ
لے گئے۔ بعد ایک لمحے کے آواز گریہ وزاری کی بیچ گوش ہوش میرے
کے مستمع ہوئی، آنکھ کھول کر کیا دیکھتا ہوں کہ تنِ تنہا پلنگ پر لیٹا ہوں
و صاحب خانہ سے مکان خالی ہے، آگے دالان کے ایک پردہ پڑا ہے،
اُس کے تئیں اُٹھا کر ملاحظہ کیا کہ......" (نوطرزِ مرصع)
"ماندگی کے سبب خوب پیٹ بھر کر سویا۔ اِس نیند میں آواز نوحہ
وزاری کی کان میں آئی، آنکھیں ملکر جو دیکھتا ہوں تو اس مکان میں
نہ وہ بوڑھا ہے نہ کوئی اور ہے، اکیلا مَیں پلنگ پر لیٹا ہوں اور وہ
دالان خالی پڑا ہے۔ چاروں طرف بھیانک ہو کر دیکھنے لگا۔ ایک کونے
میں پردہ پڑا نظر آیا۔ وہاں جا کر اُسے اُٹھایا، دیکھا تو...." (باغ و بہار)
فارسی کتاب میں تیسرا درویش (شاہزادۂ عجم) پیر مرد سے پوچھتا ہے
کہ یہ صنم کہاں سے آیا، اُس کا نام و نسب کیا ہے، وغیرہ وغیرہ تو بوڑھے
نے جواب دیا کہ مَیں نہیں جانتا تو خود پوچھ لے۔ اس کے بعد وہ اس

نازنین کے پاس جاکر سلام کرتا ہے ......

نوطرزِ مرصّع میں یہ سوال وجواب نہیں، غش سے ہوش میں آتے ہی وہ نازنین کو سلام کرتا ہے وغیرہ، یہی باغ وبہار میں ہے۔

جس روز مال واسباب لے کر ملک فرنگ پہنچتا ہے تو شاہی خواجہ سرا آتا ہے اور ملاقات کے بعد کہتا ہے کہ ہماری ملکہ نے مسلمان تاجروں کے آنے کی خبر سنی ہے جو سامان بادشاہوں کے لایق ہو اُسے لے کر چلو۔ وہ مناسب سامان جمع کر کے خواجہ سرا کے ساتھ ہولیتا ہے۔ (فارسی)

نوطرزِ مرصع میں وہ اس روز ماندگی اور کسل مزاج کا عذر پیش کر کے دوسرے دن حاضر ہونے کا وعدہ کرتا ہے، باغ وبہار میں بھی اسی کا اتباع کیا گیا ہے۔

ملکہ دوسرے روز سامان کی قیمت دینے کے لئے بلاتی ہے جب جاتا ہے تو بٹھاتی ہے اور ایک ساعت کے بعد مٹھائی آتی ہے۔ پھر دسترخوان بچھتا ہے، ملکہ رونے لگتی ہے اور چند نوالے کھانے کے بعد دسترخوان بڑھاتے ہیں، اُس وقت خلوت میں اپنا حال سناتی ہے۔ (فارسی)

نوطرزِ مرصع میں مٹھائی اور دسترخوان وغیرہ کا کچھ ذکر نہیں اور یہی باغ وبہار میں ہے۔

ملکہ کہتی ہے کہ اگر تو میرا کام کرے گا تو جو نفع ملکِ فرنگ سے
ہونے والا ہے وہ میں دیدوں گی۔ اُس نے کہا اس کی ضرورت نہیں
مَیں ہر خدمت کے لئے دل و جان سے حاضر ہوں۔ ملکہ نے کہا روپیہ لینا
ہوگا، ہمیں مفت کا خدمتگار نہیں چاہیئے، اس نے کہا جو آپ کی مرضی۔

نوطرزِ مرصع اور باغ و بہار میں یہ گفتگو مطلق نہیں۔

اس کے بعد ملکہ کا یہ کہنا کہ دریا اُس پار جو شہر ہے وہاں چلا جا اور
اپنا مال و اسباب بھی لے جا، ایسا نہ ہو کہ دشمنوں کو خبر ہو جائے تو تیرا مال
و جان خطرے میں ہو۔ اگر تو ادھر رہا اور تیرے پاس کوئی چیز نہ ہوئی تو فوراً
اُدھر جا سکتا ہے اور اُس طرف تجھ پر کوئی ظلم زیادتی نہ ہوگی۔ پانسو تومان
دیتی ہے اور وہ کاروان سرا میں آتا ہے اور اپنے سب ساتھیوں کو اس
شہر کے بادشاہ کے ظلم سے ڈراتا ہے اور ادھر لے جاتا ہے۔

یہ نوطرزِ مرصع میں ہیں نہ باغ و بہار میں۔

اِس درویش کے سیر میں اس قسم کے بہت سے اختلافات ہیں
جن کی تفصیل باعثِ طوالت ہوگی، لیکن ہر موقع پر میر امّن نے نوطرزِ مرصع
ہی کی تقلید کی ہے۔

اِس درویش کے بیان میں جب بہزاد خاں ملکہ اور شاہزادے (تیسرے
درویش) کو بھگا کر لے جاتا ہے اور بادشاہی فوج تعاقب کرکے پہنچتی ہے

تو وہ اُنھیں پُل کے پاس کھڑا کر دیتا ہے۔ نوطرزِ مرصع کی عبارت یہ ہے
"بہزاد خاں رستم تواں نے ملکہ اور شہزادے کو زیرِ دیوار ایک پل کے کہ بارہ پُلی سے کم نہ تھا، کھڑا کیا۔"

میر امّن نے یہ غضب کیا ہے کہ اس کے ساتھ جون پور کے پُل کا بھی اضافہ کر دیا، جو شاہزادۂ عجم کے منہ سے بھلا نہیں معلوم ہوتا۔
"بہزاد خاں نے ملکہ کو اور اس فقیر کو ایک دریں پل کے کہ بارہ پُلی اور جونپور کے پل کے برابر تھا، کھڑا کیا۔"

اسی بیان میں کوکا ملکہ سے شاہزادے کی سفارش اور اس کا حالِ زار بیان کرتے ہوئے جہاں سب کچھ کہتا ہے وہاں یہ فقرہ بھی ہے۔
"سائیں تیرے کارن چھوڑا شہر بلخ" اِسی موقعہ پر یہی فقرہ میر امّن نے بھی نوطرزِ مرصع سے نقل کر دیا ہے۔ یہ مزید ثبوت اِس بات کا ہے کہ باغ و بہار کا اصل ماخذ نوطرزِ مرصّع ہے نہ کہ فارسی نسخہ۔

لیکن نوطرزِ مرصّع اور باغ و بہار کے طرزِ بیان میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ نوطرزِ مرصع کی عبارت نہایت رنگین اور سرتاپا تشبیہات و استعارات سے مملو ہے۔ یہاں تک کہ بعض اوقات پڑھتے پڑھتے جی متلانے لگتا ہے، تحسین نے اپنے بیان میں عام قصہ گوؤں کا طرزِ اختیار کیا ہے۔ آج کل اس کا پڑھنا طبیعت پر بار ہوتا ہے۔ زبان کا ڈھنگ پُرانا

ہے اور فارسی ترکیبوں اور الفاظ سے بھر پور ہے، باغ و بہار سے اسے کچھ نسبت نہیں۔ نمونے کے طور پر چند سطریں نقل کی جاتی ہیں جن سے اس کے طرز بیان کا اندازہ ہوگا۔

"بعد ایک لمحے کے وہ ماہِ شبِ چہار دہم رونق افزا حدیقۂ فردوس نما کے ہو کر اوپر مسند زربفت نقرئی کے جلوہ آرا ہوئی، واہ جی واہ جس وقت وہ قمر طلعت داخل باغچہ نمونۂ جنت کی ہوئی، عطر گلاب رخسارۂ زلیخائے شب مہتاب کا تقویت بخش دماغ تماشائیوں کا ہو کے زینت آرا بزمِ کامرانی کا ہو گیا اور پوست عکسِ بیاضِ نگینہ ہائے الماس انجم کا اوپر خاتمِ مینا رنگ سبزہ زمین خلد آئین کے زیب افزا دیدۂ نورانی کا ہوا۔

کتنے کیا خرام چمن میں کہ اب صبا
لاتی ہے بوئے یار سے بھر بھر کے جھولیاں

نو عروسانِ شبوگیں اور فرش چاندنی کے لباس نقرہ سے بہار افروز بزمِ دلفریبی و دلربائی کے تھیں اور ماہ رویانِ نسترن آگیں اوپر بساطِ چمن کے خلعتِ سیمیں سے رونق افروزِ خوبروئی و خوشنمائی کے تھیں۔"

باغ و بہار اپنے وقت کی نہایت فصیح اور سلیس زبان میں لکھی گئی ہے۔ میر امن خاص دلی کے رہنے والے ہیں اور اُن کی زبان ٹھیٹ دلّی کی زبان ہے اور ان کا لکھا سند ہے، چنانچہ وہ خود لکھتے ہیں۔

"جب احمد شاہ ابدالی کابل سے آیا اور شہر کو لٹوایا، شاہ عالم پورب کی طرف تھے۔ کوئی وارث اور مالک ملک کا نہ رہا شہر بے سر ہو گیا۔ سچ ہے بادشاہت کے اقبال سے شہر کی رونق تھی۔ ایکبارگی تباہی پڑی، رئیس وہاں کے، مَیں کہیں تو کہیں، ہو کر جہاں جس کے سینگ سمائے، وہاں نکل گئے۔ جس ملک میں پہنچے وہاں کے آدمیوں کے ساتھ سنگت سے بات چیت میں فرق آیا، اور بہت سے ایسے ہیں کہ دس پانچ برس کسو سبب سے دلی میں گئے اور رہے، وہ بھی کہاں تک بول سکیں گے، کہیں نہ کہیں چُوک ہی جائیں گے۔ اور جو شخص سب آفتیں سہہ کر دلی کا روڑا ہو کر رہا اور دس پانچ پشتیں اسی شہر میں گذریں اور اُس نے دربار امراؤں کے اور میلے ٹھیلے، عرس، چھڑیاں، سیر تماشا اور کوچہ گردی اِس شہر کی مدت تلک کی ہو گی اور وہاں سے نکلنے کے بعد اپنی زبان کو لحاظ میں رکھا ہوگا، اُس کا بولنا البتہ ٹھیک ہے۔"

اُردو کی پُرانی کتابوں میں کوئی کتاب زبان کی فصاحت اور سلاست کے لحاظ سے اُس سے لگا نہیں کھاتی۔ اگرچہ زبان نے بہت کچھ پلٹا کھایا ہے، اُس وقت اور اس وقت کی زبان میں بہت بڑا بل ہے تاہم باغ و بہار اب بھی ویسی ہی دل چسپ اور پڑھنے کے قابل ہے جیسے پہلے تھی۔ مصنف کو زبان پر بڑی قدرت ہے اور وہ

ہر موقع پر اسی کے مناسب ٹھیٹ الفاظ استعمال کرتا ہے اور ہر کیفیت اور واردات کا نقشہ ایسی خوبی کے ساتھ کھینچتا ہے کہ اس کے کمال انشا پردازی کی داد دینی پڑتی ہے۔ نہ بیجا طول ہے نہ فضول لفاظی ہے۔ سادہ زبان لکھنا سخت مشکل ہے۔ سادگی بعض وقت عامیانہ یا بے مزہ ہو جاتی ہے۔ سادگی کے ساتھ فصاحت اور لطف بیان کو قائم رکھنا بڑا کمال ہے۔ میر امّن اس امتحان میں پورے اُترے ہیں اور یہی وجہ اُن کی کتاب کی مقبولیت کی ہے۔

ہماری زبان فارسی الفاظ اور ترکیبوں، تشبیہوں اور استعاروں میں ایسی رچی ہوئی ہے کہ ان سے بچنا مشکل ہے اور خواہ مخواہ بچنے کی ضرورت بھی نہیں۔ خواہ مخواہ دوسروں کے چبائے ہوئے لقموں کو چبانا اور آنکھ بند کرکے دوسروں کے لکھے ہوئے کو نقل کر دینا بھی انشا پردازی نہیں۔ میر امّن نے اِس میں بڑا اعتدال برتا ہے۔ وہ بدیسی لفظوں اور چیزوں کی شان و شکوہ سے مرعوب ہو کر دیسی سادہ اور میٹھے لفظوں کو نہیں بھول جاتے اور قدیم فارسی تشبیہوں اور استعاروں کے ساتھ ساتھ اپنے بے تکلف اور لطیف استعارے اور تشبیہیں بھی استعمال کر جاتے ہیں جو بڑا لطف دے جاتی ہیں۔ مثلاً گلکرسٹ صاحب کو دعا دیتے ہیں کہ "ہمیشہ اقبال اُن کا زیادہ رہے، جب تلک گنگا جمنا بہے"۔ یہاں دجلہ و

فرات اور جیحون و سیحون کے بدلے گنگا جمنا کے لفظ کیسے بھلے معلوم ہوتے ہیں۔ ایسے فقرے اِس کتاب میں بہت سے ملیں گے۔

زبان کی قدرت کا بیّن ثبوت یہ ہے کہ ہر حالت اور موقع کے لئے نہایت مناسب استعمال کرتے ہیں اور کہیں یہ نہیں معلوم ہوتا کہ زبان کوتاہی کرتی ہے۔ مثلاً آتش بازی، کھانے، بحری سواریاں، مختلف خدمات کے ملازم اور مختلف ساز و سامان کے لئے اِس قدر کثرت سے لفظ لاتے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے۔ جب کہیں گفتگو یا مکالمے کا موقع آتا ہے تو حفظِ مراتب اور موقع محل کے لحاظ سے اسی قسم کی زبان لکھتے ہیں۔ موقع موقع سے ہندی لفظ اِس حسُن و خوبی سے کھپاتے ہیں کہ بے اختیار تعریف کرنے کو جی چاہتا ہے۔ کہیں تصنّع یا تکلف نظر نہیں آتا۔ بے تکلف لکھتے چلے جاتے ہیں جیسے کوئی باتیں کرتا ہے۔ اور باتیں بھی ایسی میٹھی اور پیاری کہ آدمی سُنتا رہے اور جی نہ بھرے۔ لفظ کو اُس کے صحیح مفہوم میں ٹھیک موقع پر استعمال کرنا اصل انشا پردازی ہے اور اس میں میر امّن کو بڑا کمال حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی عبارت کی سادگی بے لطف نہیں ہونے پاتی۔ یہاں اُس کی عبارت کے ایک دو نمونے لکھتا ہوں۔

شروع ہی میں خدا کی حمد و ثنا ہے، اگرچہ یہ مضمون بہت پائمال

ہے اور اس میں جدت پیدا کرنا مشکل ہے لیکن دیکھئے کہ وہ اپنی شیریں زبان میں اِسے کس طرح لکھتے ہیں۔

"سبحان اللہ! کیا صانع ہے! کہ جس نے ایک مٹھی خاک سے کیا کیا صورتیں پیدا کیں، باوجود دو رنگ کے ایک گورا ایک کالا اور یہی ہاتھ پاؤں سب کو دیے ہیں، تس پر رنگ برنگ کی شکلیں جُدی جُدی بنائیں کہ ایک کی سج دھج سے دوسرے کا ڈیل ڈول ملتا نہیں، کروڑوں خلقت میں جس کو چاہیے پہچان لیجئے۔ آسمان اُس کے دریائے وحدت کا ایک بلبلا ہے اور زمین پانی کا بتاشا، لیکن یہ تماشا ہے کہ سمندر ہزاروں لہریں مارتا ہے، پر اس کا بال بیکا نہیں کر سکتا۔ جس کی یہ قدرت اور سکت ہو، اُس کی حمد و ثنا میں زبان انسان کی گویا گونگی ہے۔ کہے تو کیا کہے! بہتر یوں ہے کہ جس بات میں دم نہ مار سکے چپکا ہو رہے۔"

ایک جگہ فضول خرچی کا انجام بتایا ہے۔ دیکھیئے کن الفاظ میں مفلسی کا نقشہ کھینچا ہے۔ کئی قسمیں نوکروں کی بیان کر گئے ہیں جنھیں اب کوئی جانتا بھی نہیں۔

"اِس در خرچی کے آگے اگر گنج قارون کا ہوتا تو بھی دفانہ کرتا۔ کئی برس کے عرصے میں ایکبارگی یہ حالت ہوئی کہ فقط ٹوپی اور لنگوٹی باقی

رہی۔ دوست آشنا جو دانت کاٹی روٹی کھاتے تھے اور چھچا بھر خون اپنا ہر بات میں زبان سے نثار کرتے تھے، کافور ہو گئے۔ بلکہ راہ باٹ میں اگر کہیں بھینٹ ملاقات ہو جاتی تو آنکھیں چرا کر منہ پھیر لیتے۔ اور نوکر چاکر خدمتگار بہلیے، ڈھلیت، خاص بردار، ثابت خانی سب چھوڑ کر کنارے لگے، کوئی بات کا پوچھنے والا نہ رہا جو کہے کہ یہ تمہارا کیا حال ہوا؟ سوائے غم اور افسوس کے کوئی رفیق نہ ٹھیرا۔ اب دمڑی کی ٹھڈیاں میسّر نہیں جو چبا کر پانی پیوں۔ دو تین فاقے کڑاکے کھینچے تاب بھوک کی نہ لا سکا۔"

دیکھئے انتقام کی جھلک کیونکر دکھائی ہے "جس طرح اُس نے مجھ پر ہاتھ چھوڑا اور گھائل کیا میں بھی دونوں کے پُرزے پُرزے کروں، تب میرا کلیجہ ٹھنڈا ہو۔ نہیں تو اس غصّے کی آگ میں پُھک رہی ہوں، آخر جل بل کر بھوبھل ہو جاؤں گی۔"

ہر موقع اور محل کی زبان اور بات چیت ویسی ہی لکھی ہے جیسی ہونی چاہیئے۔ ملاحظہ ہو:۔

"اے بچے! جس نے تجھے تیر مارا، میری آہ کا تیر اُس کے کلیجے میں لگیو، وہ اپنی جوانی سے پھل نہ پاوے اور خدا اُسے میرا سا دُکھیا بناوے"

یا ایک بڑھیا کی دعا اور گفتگو دیکھیئے:۔

"الٰہی تیری نتھ چوڑی سہاگ کی سلامت رہے، اور کماؤ کی پگڑی قائم رہے۔ مَیں غریب رنڈیا فقیرنی ہوں۔ ایک بیٹی میری ہے کہ وہ دو جی سے پورے دنوں دردزہ میں مرتی ہے اور مجھ کو اتنی وسعت نہیں کہ ادھی کا تیل چراغ میں جلاؤں، کھانے پینے کو تو کہاں سے لاؤں۔ اگر مر گئی تو گور و کفن کیونکر کروں گی اور جنے تو دائی جنائی کو کیا دوں گی۔ اور جچا کو سٹھوارا اچھوانی کہاں سے پلاؤں گی۔ آج دو دن ہوئے ہیں کہ بھوکی پیاسی پڑی ہے۔ اے صاحب زادی اپنی خیر کچھ ٹکڑا پارچہ دلا تو اس کو پانی پینے کا ادھار ہو۔"

اگرچہ میر امن قصّے روم و شام، چین و ایران کے لکھتے ہیں لیکن جب موقع آتا ہے تو ہمارے مرثیہ گو شاعروں کی طرح آداب و رسوم اپنے ہی دیس کے بیان کرتے ہیں۔ مثلاً وزیر زادی کے کھیل تفریح کا بیان دیکھیے:-

"اتفاقاً جس دن وزیر کو محبوس خانے میں بھیجا، وہ لڑکی اپنی ہمجولیوں میں بیٹھی تھی اور خوشی سے گڑیا کا بیاہ رچایا تھا اور ڈھولک پکھاوج لئے ہوئے رتجگے کی تیاری کر رہی تھی اور کڑاہی چڑھا کر گلگلے اور رحم تلتی اور بنا رہی تھی کہ ایکبارگی اُس کی ماروتی پیٹتی سر کھلے پانوں ننگے بیٹی کے گھر میں گئی اور دوہتڑ اُس لڑکی کے سر

پر ماری اور کہنے لگی۔ کاشکے تیرے بدلے خدا اندھا بیٹا دیتا تو میرا کلیجہ ٹھنڈا ہوتا اور باپ کا رفیق ہوتا۔"

ایسے موقعے اِس کتاب میں بیسیوں آئے ہیں۔ میر امّن نے ہر جگہ اپنے ہی ہاں کے سازو سامان، کھانے، پوشاک اور رسم ورواج کا ذکر کیا ہے۔ اس کے پڑھنے سے اُس زمانہ کی بہت سی ایسی باتیں اور چیزیں معلوم ہوتی ہیں جو اب معدوم ہوگئیں یا مٹتی جاتی ہیں۔

رہا زبان کا معاملہ تو اس کی فصاحت اور خوبی میں کلام نہیں ہوسکتا۔ اِس کے علاوہ جو بات دیکھنے کی ہے یہ ہے کہ اسمیں سیکڑوں محاورے اور الفاظ ایسے ملتے ہیں جو آج کل بول چال یا تحریر میں نظر نہیں آتے۔ بعض تو ایسے ہیں جو اَب متروک ہوگئے ہیں اور بہت سے ایسے ہیں جو آنکھ سے اوجھل ہوجانے اور نہ جاننے کی وجہ سے استعمال میں نہیں آتے۔ ہماری زبان کا دارو مدار ایک مدت تک شاعروں پر رہا اور شاعری کا میدان زیادہ تر غزل کے لئے وقف تھا، وہ ایسا تنگ کہ اس میں زبان کی کہاں تک کھپت ہوتی۔ جس طرح شاعر شاعر سے سند لیتا ہے عام پڑھے لکھے لوگ بھی شاعر ہی کی زبان کو زبان مانتے ہیں۔ لغت نویسوں نے بھی اکثر انھیں کی پیروی کی اور دیوانوں کو ٹٹول کر الفاظ اور محاورے جمع کردیے۔ بہت سے لفظ یوں

ہی پڑے رہ گئے اور کسی نے خیال بھی نہ کیا، اب ضرورت ہے کہ ایسے لفظوں کو جو آڑے وقت پر کام آنے والے ہیں اور جن کے مفہوم کو دوسرے لفظ اس خوبی سے ادا نہیں کر سکتے، گمنامی سے نکالکر کام میں لایا جائے۔ مثال کے طور پر چند لفظ یہاں لکھے جاتے ہیں۔

"جو مرد نکھٹو ہو کر گھر سیتا ہے۔" گھر سینا بہت اچھا محاورہ ہے، بیماری سینا اب بھی بولتے ہیں۔

"جتنے آدمی وہاں کے ہزاری بزاری نظر پڑے" یعنی خاص و عام امیر غریب۔

"منہ پر روہٹ آئی"	یعنی رونق۔
"بت کہاؤ"	بات چیت
"گھوڑے کو ٹنگیانا"	ایڑ دینا۔

"تیسرا درویش کوٹ باندھ بیٹھا" نشست کی خاص صورت۔

"جب پرچھا ہوا" بھیڑ چھٹ گئی، لوگ اِدھر اُدھر ہو گئے

اِس قسم کے بیسیوں لفظ ہیں جو غور اور استعمال کے قابل ہیں۔

زمانے کے ہاتھوں ہر چیز میں تغیر ہوتا رہتا ہے زبان کو بھی اس سے مفر نہیں۔ بہت سے لفظ اور محاورے متروک ہو جاتے ہیں، بہت سے نئے داخل ہو جاتے ہیں۔ بعض زبانیں تو اس کی دستبرد سے بالکل

مٹ گئیں اور صرف کتابوں میں رہ گئی ہیں۔ لیکن تغیر صرف الفاظ و محاوروں ہی میں نہیں ہوتا بلکہ صرف و نحو میں بھی تبدیلی ہو جاتی ہے۔ بعض لفظ جو مذکر تھے مونث ہو جاتے ہیں اور مونث مذکر۔ جملوں کی ترتیب اور ترکیب میں فرق آجاتا ہے۔ بعض اوقات لفظوں کے معنی بدل جاتے ہیں یا ان کے استعمال میں کمی بیشی ہو جاتی ہے اور اسی طرح کے بہت سے خفیف تغیر پیدا ہو جاتے ہیں۔ باغ و بہار کو لکھے سوا سو برس کے قریب ہوتا ہے لیکن اس عرصے میں بھی بہت کچھ تغیر ہو گیا ہے۔ چند باتیں جو صرف و نحو کے لحاظ سے نیز محاورے کے اعتبار سے خاص طور پر قابل غور ہیں، یہاں لکھی جاتی ہیں:-

۱۔ جمع مونث اسم کے ساتھ فعل کی جمع 'ان' سے یا امدادی فعل کے ساتھ اصل فعل کی بھی جمع۔ جیسے

"دو کشتیاں امانت حضور میں اُس پری کے گذرانیاں"

"یہ باتیں ہوتیاں تھیں"

"گھوڑے کی باگیں ڈال دیاں"

۲۔ "نے" کا استعمال یا ترک بعض افعال کے ساتھ جو اب حال کے محاورے کے خلاف ہے اور دکن میں اب تک رائج ہے۔

"القصہ رات کو چپکے یہ دونوں بھائی اور کوتوال کے ڈنڈے نے

مجھے اس پہاڑ پر لے گئے"۔

"ذرا سرت آئی تو میں اپنے تئیں مردہ خیال کیا"

"اِس پروانگی کے سنتے ہی جوان نے آداب بجا لایا۔"

۳ "جب تلک" کا استعمال بغیر "نہ" کے جیسے:۔

"پر میں نے پنڈ نہ چھوڑا جب تلک وہ راضی ہوا"۔ یہ فارسی کا تتبع معلوم ہوتا ہے۔

"واِلّا" "نہ" کے ساتھ جیسے :۔

"واِلّا نہ جیسا کرے گا ویسا پائے گا" یہ "ورنہ" کے بجائے ہے اور غالباً اِسی سے دھوکا ہوا ہے۔

۴ شک اور غور مؤنث استعمال ہوئے ہیں، غور کو اب بھی بعض پرانے لوگ مؤنث لکھتے ہیں۔ سر سید احمد خاں نے بھی غور کو مونث ہی لکھا ہے:۔

"اب میرے تئیں شک آئی"

"خُم" کو بھی مؤنث لکھا ہے۔ "خُمیں سونے کی"

۵ "رنڈی" بمعنی عورت اور "یتیم" بمعنی غلام استعمال کیا ہے۔

۶ ایک جگہ "تم کو" کی جگہ "تمھوں کو" لکھا ہے:۔

"شاید تمھاری محنت پر توجہ کر کے تمھوں کو بخشدے"

۷ "ہوا نرم نرم بہتی تھی"۔ ہوا بہنا پرانا محاورہ ہے۔ "نماز کر رہا تھا" "نماز کردن" کا ترجمہ ہے، اور پہلے نماز کرنا بھی استعمال ہوتا تھا۔

۸ بعض الفاظ کے املے میں بھی فرق پایا جاتا ہے۔ یعنی جیسے بولتے ہیں ویسے ہی لکھے ہیں۔

جمیرات (جمعرات) مرصّے (مرصع) لیکن ایک جگہ اصل لفظ ہی لکھ دیا ہے۔ "کہو تو صحیح"۔ اب اس کی جگہ "سہی" لکھتے اور بولتے ہیں۔

۹ اکثر اُردو مضاف مضاف الیہ فارسی طرز پر استعمال کئے گئے ہیں، اور اُردو حروفِ اضافت آخر میں لکھے ہیں جیسے موافق معمول کے، تقریر و خوش گوئی اُس کی، ایک جگہ تو اضافت توصیفی لکھکر موصوف کی جمع بنائی ہے، "اور خانہ زاد موروثیوں کی قدر سمجھے گا"۔ اگر خانہ زاد کی اضافت کاتب کی غلطی بھی سمجھی جائے تو "موروثیوں" آج کل کی بول چال کے لحاظ سے صحیح نہیں ہے۔

۱۰ "سار" کا لفظ جیسے، مانند کے لئے جگہ جگہ استعمال ہوا ہے۔ "تم سار کا محبوب"۔ "تجھ سار" بھی لفظ ہے جو دکن میں "سری" ہوگیا ہے اور شمالی ہند میں اب بھی بعض جگہ ایک آدھ لفظ کے ساتھ استعمال میں آجاتا ہے۔

ایک اور کتاب نوطرز مرصع کے نام سے محمد عوض زرّیں نے لکھی ہے

جس میں انھیں چار درویشوں کے قصے بیان کئے ہیں، چنانچہ وہ خود لکھتا ہے
"اس خاک پائے درویشانِ حق بیں محمد عوض زرّیں نے قصۂ چار درویش
زبان فارسی میں ترتیب دیا اور عبارت شگفتہ سے گلدستۂ مجالس کیا۔ راجہ
صاحب سراپا حلم و تمکین راجہ رام دین کہ اس عالی منش کے برادر بزرگ
خداوندِ عدل و داد راجہ سیتل پرشاد اور برادر میانہ فیاض زمانہ راجہ بھوانی
پرشاد ادام اللہ اقبالہم ہیں، اِس نحیف کی تصنیف مطالعہ فرماتے اور حظِ
وافر اُٹھاتے۔ ایک روز فرمایا کہ اگر کلام زبان ہندی میں انتظام پائے مسامع
کو بسہولت سرور آئے۔ میں نے خوشنودی آقا کو بہبودی دنیا و عقبیٰ جان کر
سررشتۂ ادب کو ہاتھ سے نہ دیا اور زبان اُردو میں قلمبند کیا۔" میر امّن کی
طرح زرّیں نے بھی اپنی کتاب کا سنہ تاریخ "باغ و بہار" سے نکالا ہے (۱۲۱۷ھ)
اِس میں قصے بہت مختصر کردیے ہیں، حالات وہی ہیں ایک آدھ جگہ فارسی
نسخے اور نوطرز مرصع سے خفیف سا اختلاف پایا جاتا ہے، اور یہ معلوم کرنا
مشکل ہے کہ زرّیں کی نظر سے تحسین کی نوطرز مرصع گذری تھی یا نہیں، البتہ
نام سے شبہ ہوتا ہے کہ ضرور دیکھی ہوگی۔ دیباچے میں کتاب کے نام کا کہیں
ذکر نہیں ممکن ہے کہ مطبع والوں نے یہ نام (نوطرز مرصع) خود رکھ دیا ہو۔ عجیب
بات یہ ہے کہ اس نے بھی تاریخ باغ و بہار ہی سے نکالی ہے۔ اس سے
میر امن کی باغ و بہار اور اس کتاب کی تالیف ایک ہی سنہ کی معلوم ہوتی

ہے۔اس کی عبارت سادہ ہے، تحسین کی نوطرز مرصع کی طرح رنگین اور تشبیہ و استعارہ سے مملو نہیں ہے۔ مگر عبارت اور بیان میں کوئی خاص لطف نہیں۔ ایک بات اس کتاب میں یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ زرّیں نے اس قصّے کو فارسی میں بھی لکھا تھا اور اس سے ظاہر ہے کہ اس قصے کو فارسی میں بھی کئی شخصوں نے تالیف کیا ہے۔

باغ و بہار میں ایک بات اور قابل غور ہے۔ میر امّن نے اپنی کتاب کے دیباچے میں کتاب کا اور اپنا حال بیان کرتے ہوئے اردو زبان کی حقیقت کا بھی ذکر کیا ہے۔ یہ بیان اُنھیں روایتاً بزرگوں سے پہنچا ہے۔ میر امّن ہندیوں میں پہلے شخص ہیں جنھوں نے اُردو زبان کے بننے اور اس کے نشو و نما کا حال لکھا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے۔ "ہزار برس سے مسلمانوں کا عمل ہوا، سلطان محمود غزنوی آیا۔ پھر غوری اور لودھی بادشاہ ہوئے۔ اس آمد و رفت کے باعث کچھ زبان نے ہندو مسلمان کی آمیزش پائی۔ آخر امیر تیمور نے ..... ہندوستان کو لیا ان کے آنے اور رہنے سے لشکر کا بازار شہر میں داخل ہوا، اس واسطے شہر کا بازار اُردو کہلایا ......

"جب اکبر بادشاہ تخت پر بیٹھے، تب چاروں طرف کے ملکوں سے سب اقوام قدر دانی اور فیض رسانی اِس خاندان لاثانی کی سُن کر حضور میں آکر جمع ہوئے لیکن ہر ایک کی گویائی اور بولی جُدی جدی تھی۔ اکھٹے ہونے سے آپس میں

لین دین سودا سلف، سوال جواب کرتے، ایک زبان مقرر ہوئی۔ جب حضرت شاہجہاں صاحبقران نے قلعۂ مبارک اور جامع مسجد اور شہر پناہ تعمیر کروایا.... تب بادشاہ نے خوش ہو کر جشن فرمایا اور شہر کو اپنا دارالخلافت بنایا تب سے شاہجہاں آباد مشہور ہوا.... اور وہاں کے بازار کو اُردوئے معلّا خطاب دیا۔"

"امیر تیمور کے عہد سے محمد شاہ کی بادشاہت بلکہ احمد شاہ اور عالمگیر ثانی کے وقت تلک پیڑھی بہ پیڑھی سلطنت یکساں چلی آئی، ندان زبان اُردو کی منجتے منجتے ایسی منجی کہ کسو شہر کی بولی اس سے ٹکّر نہیں کھاتی۔"

گریرسن نے اس زبان کی اپنی مشہور اور جامع کتاب* میں کوئی علٰحدہ حیثیت قائم نہیں کی اور اسے مغربی ہندی کی ایک شاخ قرار دیکر چھوڑ دیا ہے ان کے دوسرے مقلّدین نے یہی راہ اختیار کی ہے، اور اس پر فارسی عربی زبان کا اثر جو مختلف حیثیتوں سے ہوا ہے اس کو نظر انداز کر دیا ہے حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک مخلوط زبان ہے جس نے بالکل نئی اور علٰحدہ صورت اختیار کر لی ہے۔ اور اس نظر سے بھی اس کا دیکھنا ضروری ہے۔ یہ ایک علٰحدہ مسئلہ ہے جس پر بحث کرنے کا یہ موقع نہیں۔

عبدالحق

* Linguistic Survey of India.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سبحان اللہ کیا صانع ہے! کہ جس نے ایک مٹھی خاک سے کیا کیا صورتیں اور مٹی کی مورتیں پیدا کیں! باوجود دو رنگ کے ایک گورا ایک کالا اور یہی ناک کان ہاتھ پاؤں سب کو دیے ہیں، تسپر رنگ برنگ کی شکلیں جدی جدی بنائیں، کہ ایک کی سج دھج سے دوسرے کا ڈیل ڈول ملتا نہیں کروڑوں خلقت میں جس کو چاہیے پہچان لیجیے۔ آسمان اس کی دریائے وحدت کا ایک بلبلا ہے، اور زمین پانی کا بتاشہ، لیکن یہ تماشا ہے کہ سمندر ہزاروں لہریں مارتا ہے، پر اُس کا بال بیکا نہیں کر سکتا جس کی یہ قدرت اور سکت ہو اُس کی حمد و ثنا میں زبان انسان کی گویا گونگی ہے۔ کہے تو کیا کہے! بہتر یوں ہے کہ جس بات میں دم نہ مار سکے چپکا ہو رہے۔

عرش سے لے فرش تک جس کا کہ یہ سامان ہے۔
حمد اُس کی گر لکھا چاہوں تو کیا امکان ہے!
جب پیمبر نے کہا ہو مَیں نے پہچانا نہیں۔
پھر جو کوئی دعوے کرے اس کا بڑا نادان ہے

رات دن یہ مہر و مہ پھرتے ہیں صنعت دیکھتے
پر ہر ایک واحد کی صورت دیدۂ حیران ہے
جس کا ثانی اور مقابل ہے نہ ہووے گا کبھو
ایسے یکتا کو خدائی سب طرح شایان ہے
لیکن اتنا جانتا ہوں خالق و رازق ہے وہ
ہر طرح سے مجھ پر اُس کا لطف اور احسان ہے

اور دُرود اس کے دوست پر جس کی خاطر زمین اور آسمان کو پیدا کیا اور درجہ رسالت کا دیا

جسمِ پاکِ مصطفےٰ اللہ کا ایک نور ہے اِسلیئے پرچھائیں اِس قد کی نہ تھی مشہور ہے
حوصلہ میرا کہاں اتنا جو نعت اسکی کہوں! پر سخن گویوں کا یہ بھی قاعدہ دستور ہے

اور اُس کی آل پر صلواۃ و سلام جو ہیں بارہ امام.

حمد حق اور نعتِ احمد کو یہاں کر انصرام
اَب میں آغاز اُس کو کرتا ہوں جو ہے منظور کام
یا الٰہی واسطے اپنے نبی کی آل کے
کر یہ میری گفتگو مقبول طبع خاص و عام

منشا اِس تالیف کا یہ ہے کہ سَن ایک ہزار دو سو پندرہ برس ہجری اور اٹھارہ سے ایک سال عیسوی مطابق ایک ہزار دو سو سات سن فصلی

کے ،عہد میں اشرف الاشراف مارکویس ولزلی گورنر جنرل لارڈ مارننگٹن صاحب کے (جن کی تعریف میں عقل حیران اور فہم سرگردان ہے ۔ جتنے وصف سرداروں کو چاہیئے اُن کی ذات میں خدا نے جمع کئے ہیں ۔ غرض قسمت کی خوبی اس ملک کی تھی جو ایسا حاکم تشریف لایا جس کے قدم کے فیض سے ایک عالم نے آرام پایا ، مجال نہیں کہ کوئی کسو پر زبردستی کر سکے ، شیر اور بکری ایک گھاٹ پانی پیتے ہیں ، سارے غریب وغربا دعا دیتے ہیں اور جیتے ہیں) چرچا علم کا پھیلا ۔ صاحبان ذی شان کو شوق ہوا کہ اُردو کی زبان سے واقف ہو کر ہندوستانیوں سے گفت وشنود کریں اور ملکی کام کو باآگاہی تمام انجام دیں ، اس واسطے کتنی کتابیں اِسی سال بموجب فرمائش کے تالیف ہوئیں ۔

جو صاحب دانا اور ہندوستان کی زبان بولنے والے ہیں ، اُن کی خدمت میں گذارش کرتا ہوں ، کہ یہ قصہ چار درویش کا ابتدا میں امیر خسرو دہلوی نے اِس تقریب سے کہا کہ حضرت نظام الدین اولیا زری زربخش جو اُن کے پیر تھے ، اور درگاہ اُن کی دِلّی میں قلعے سے تین کوس لال دروازے کے باہر مٹیا دروازے سے آگے لال بنگلے کے پاس ہے ۔ ان کی طبیعت ماندی ہوئی ۔ تب مرشد کے دل بہلانے کے واسطے امیر خسرو یہ قصہ ہمیشہ کہتے ، اور بیمارداری میں حاضر رہتے ۔ اللہ نے چند روز میں شفا دی ، تب انھوں نے

غسل صحت کے دن یہ دعا دی، کہ جو کوئی اِس قصّے کو سُنے گا، خدا کے فضل سے تندرست رہیگا، جب سے یہ قصہ فارسی میں مروج ہوا۔

اب خداوند نعمت صاحب مروّت نجیبوں کے قدردان جان گلگرسٹ صاحب نے (کہ ہمیشہ اقبال اُن کا زیادہ رہے جب تلک گنگا جمنا بہے) لطف سے فرمایا، کہ اس قصے کو ٹھیٹھ ہندوستانی گفتگو میں جو اُردو کی لوگ ہندو مسلمان عورت مرد لڑکے بالے خاص و عام آپس میں بولتے چالتے ہیں ترجمہ کرو۔ موافق حکم حضور کے میں نے بھی اِسی محاورے سے لکھنا شروع کیا۔ جیسے کوئی باتیں کرتا ہے۔

پہلے اپنا احوال یہ عاصی گنہگار میر امّن دِلّی والا بیان کرتا ہے، کہ میرے بزرگ ہمایوں بادشاہ کے عہد سے ہر ایک بادشاہ کی رکاب میں پُشت بہ پُشت جانفشانی بجالاتے رہے، اور وہ بھی پرورش کی نظر سے قدردانی جتنی چاہیئے فرماتے رہے۔ جاگیر و منصب اور خدمات کی عنایات سے سرفراز کر کر مالامال اور نہال کر دیا، اور خانہ زاد موروثی اور منصبدار قدیمی زبان مبارک سے فرمایا چنانچہ یہ لقب بادشاہی دفتر میں داخل ہوا۔ جب ایسے گھر کی (کہ سارے گھر اُس گھر کے سبب آباد تھے) یہ نوبت پہنچی کہ ظاہر ہے، (عیاں راچہ بیاں؟) تب سورج مل جاٹ نے جاگیر کو ضبط کر لیا، اور احمد شاہ دُرّانی نے گھر بار تاراج کیا۔ ایسی ایسی تباہی کھا کر ویسے شہر سے (کہ وطن اور جنم بھوم میرا ہے، اور

آنول نال وہیں گڑا ہے) جلاوطن ہوا، اور ایسا جہاز (کہ جس کا ناخدا پادشاہ تھا) غارت ہوا۔ میں بے کسی کے سمندر میں غوطے کھانے لگا۔ ڈوبتے کو تنکے کا آسرا بہت ہے، کتنے برس بلدہ عظیم آباد میں دم لیا، کچھ بنی کچھ بگڑی۔ آخر وہاں سے بھی پاؤں اکھڑے، روزگار نے موافقت نہ کی، عیال واطفال کو چھوڑ کر تنِ تنہا کشتی پر سوار ہو، اشرف البلاد کلکتے میں آب و دانے کے زور سے آپہنچا۔ چندے بیکاری گذری، اتفاقاً نواب دلاور جنگ نے بلوا کر اپنے چھوٹے بھائی میر محمد کاظم خاں کی اتالیقی کے واسطے مقرر کیا۔ قریب دو سال کے وہاں رہنا ہوا، لیکن نباہ اپنا نہ دیکھا۔ تب منشی میر بہادر علی جی کے وسیلے سے حضور تک جان گلکرسٹ صاحب بہادر (دام اقبالہ) کے رسائی ہوئی۔ بارے طالع کی مدد سے ایسے جواں مرد کا دامن ہاتھ لگا ہے چاہیئے کہ دن کچھ بھلے آویں، نہیں تو یہ بھی غنیمت ہے کہ ایک ٹکڑا کھا کر پاؤں پھیلا کر سو رہتا ہوں، اور گھر میں دس آدمی چھوٹے بڑے پرورش پا کر دعا اس قدر دان کو کرتے ہیں، خدا قبول کرے۔

حقیقت اردو کی زبان کی بزرگوں کے منہ سے یوں سنی ہے کہ دِلّی شہر ہندوؤں کے نزدیک چوجُگی ہے، انھیں کے راجا پرجا قدیم سے وہاں رہتے تھے اور اپنی بھاکھا بولتے تھے۔ ہزار برس سے مسلمانوں

کا عمل ہوا، سلطان محمود غزنوی آیا، پھر غوری اور لودی بادشاہ ہوئے۔
اِس آمد و رفت کے باعث کچھ زبانوں نے ہندو مسلمان کی آمیزش پائی
آخر امیر تیمور نے (جن کے گھرانے میں اب تلک نام نہاد سلطنت کا
چلا جاتا ہے) ہندوستان کو لیا۔ اُن کے آنے اور رہنے سے لشکر کا
بازار شہر میں داخل ہوا، اس واسطے شہر کا بازار اُردو کہلایا۔ پھر ہمایوں
بادشاہ پٹھانوں کے ہاتھ سے حیران ہو کر ولایت گئے، آخر وہاں سے
آن کر پسماندوں کو گوشمالی دی، کوئی مفسد باقی نہ رہا کہ فتنہ و فساد
برپا کرے۔

جب اکبر بادشاہ تخت پر بیٹھے تب چاروں طرف کے ملکوں سے
سب قوم قدردانی اور فیض رسانی اِس خاندانِ لاثانی کی سُنکر حضور
میں آکر جمع ہوئے، لیکن ہر ایک کی گویائی اور بولی جُدی جُدی تھی۔ اکٹھے
ہونے سے آپس میں لین دین سودا سلف سوال جواب کرتے ایک
زبان اُردو کی مقرر ہوئی۔ جب حضرت شاہ جہاں صاحبِ قران نے
قلعۂ مبارک اور جامع مسجد اور شہر پناہ تعمیر کروایا اور تختِ طاؤس میں
جواہر جڑوایا اور دل بادل ساخیمہ چوبوں پر استادہ کر طنابوں سے کھنچوایا
اور نواب علی مردان خاں نہر کو لیکر آیا، تب بادشاہ نے خوش ہو کر جشن
فرمایا اور شہر کو اپنا دارالخلافت بنایا۔ تب سے شاہجہاں آباد مشہور ہوا

(اگرچہ دِلیؔ جُدی ہے، وہ پُرانا شہر اور یہ نیا شہر کہلاتا ہے) اور وہاں کے بازار کو اُردوئے معلےؔ خطاب دیا۔

امیر تیمور کے عہد سے محمد شاہ کی بادشاہت بلکہ احمد شاہ اور عالمگیر ثانی کے وقت تلک پیڑھی بہ پیڑھی سلطنت یکساں چلی آئی، ندان زبان اُردو کی منجتے منجتے ایسی منجی کہ کسو شہر کی بولی اُس سے ٹکرؔ نہیں کھاتی۔ لیکن قدر دانِ منصف چاہیئے جو تجویز کرے، سو اب خدا نے بعد مدت کے جان گلکرسٹ صاحب سا دانا نکتہ رس پیدا کیا کہ جنھوں نے اپنے گیان اور اُگت سے اور تلاش و محنت سے قاعدوں کی کتابیں تصنیف کیں۔ اس سبب سے ہندوستان کی زبان کا ملکوں میں رواج ہوا، اور نئے سر سے رونق زیادہ ہوئی، نہیں تو اپنی دستار و گفتار و رفتار کو کوئی بُرا نہیں جانتا۔ اگر ایک گنوار سے پوچھیئے تو شہر والے کو نام رکھتا ہے، اور اپنے تئیں سب سے بہتر سمجھتا ہے۔ خیر، عاقلاں خود میدانند۔

جب احمد شاہ ابدالی کابل سے آیا اور شہر کو لُٹوایا، شاہ عالم پورب کی طرف تھے، کوئی وارث اور مالک ملک کا نہ رہا، شہر بے سر ہو گیا۔ سچ ہے، بادشاہت کے اقبال سے شہر کی رونق تھی، ایکبارگی تباہی پڑی رئیس وہاں کے مَیں کہیں تم کہیں ہو کر جہاں جس کے سینگ سمائے

وہاں نکل گئے۔ جس ملک میں پہونچے وہاں کے آدمیوں کے ساتھ سنگت
سے بات چیت میں فرق آیا، اور بہت ایسے ہیں کہ دس پانچ برس کسو سبب
سے دِلّی میں گئے اور رہے، وہ بھی کہاں تلک بول سکیں گے. کہیں نہ
کہیں چوک ہی جائیں گے۔ اور جو شخص سب آفتیں سہ کر دلّی کا روڑا ہو کر
رہا، اور دس پانچ پشتیں اُسی شہر میں گذریں، اور اُس نے دربار اُمراؤں
کے اور میلے ٹھیلے عرس چھڑیاں سیر تماشا اور کوچہ گردی اُس شہر کی مدت
تلک کی ہوگی، اور وہاں سے نکلنے کے بعد اپنی زبان کو لحاظ میں رکھا ہوگا
اُس کا بولنا البتّہ ٹھیک ہے۔ یہ عاجز بھی ہر ایک شہر کی سیر کرتا اور تماشا
دیکھتا یہاں تلک پہنچا ہے۔

شروع قصّے میں

اب آغاز قصّے کا کرتا ہوں ، ذرہ کان دھر کر سنو اور منصفی کرو۔ سیر
میں چار درویش کی یوں لکھا ہے ، اور کہنے والے نے کہا ہے ، کہ آگے روم
کے ملک میں کوئی شہنشاہ تھا ، کہ نوشیرواں کی سی عدالت اور حاتم کی سی
سخاوت اُس کی ذات میں تھی ۔ نام اُس کا آزاد بخت اور شہر قسطنطنیہ
(جس کو استنبول کہتے ہیں) اُس کا پایۂ تخت تھا۔ اس کے وقت میں
رعیت آباد ، خزانہ معمور ، لشکر مرفّہ ، غریب غربا آسودہ ، ایسے چین سے
گذران کرتے اور خوشی سے رہتے کہ ہر ایک کے گھر میں دن عید ، اور رات
شب برات تھی ۔ اور جتنے چور چکار جیب کترے ، صبح خیزے اُٹھائی گیرے
دغاباز تھے ، سب کو نیست و نابود کر کر نام و نشان اُن کا اپنے ملک بھر میں
نہ رکھا تھا ۔ ساری رات دروازے گھروں کے بند نہ ہوتے ، اور دوکانیں بازار
کی کھلی رہتیں ۔ راہی مسافر جنگل میدان میں سونا اُچھالتے چلے جاتے
کوئی نہ پوچھتا کہ تمہارے منہ میں کئے دانت ہیں ، اور کہاں جاتے ہو؟
اس بادشاہ کے عمل میں ہزاروں شہر تھے ، اور کئی سلطان نعلبندی

دیتے۔ ایسی بڑی سلطنت پر ایک ساعت اپنے دل کو خدا کی یاد اور بندگی سے غافل نہ کرتا۔ آرام دنیا کا جو چاہیئے سب موجود تھا، لیکن فرزند کہ زندگانی کا پھل ہے اس کی قسمت کے باغ میں نہ تھا۔ اِس خاطر اکثر فکر مند رہتا، اور پانچوں وقت کی نماز کے بعد اپنے کریم سے کہتا، کہ اَے اللہ! مجھ عاجز کو تو نے اپنی عنایت سے سب کچھ دیا، لیکن ایک اِس اندھیرے گھر کا دیا نہ دیا۔ یہی ارمان جی میں باقی ہے، کہ میرا نام لیوا اور پانی دیوا کوئی نہیں۔ اور تیرے خزانۂ غیب میں سب کچھ موجود ہے، ایک بیٹا جیتا جاگتا مجھے دے، تو میرا نام اور اِس سلطنت کا نشان قائم رہے"۔

اِسی امید میں بادشاہ کی عمر چالیس برس کی ہوگئی۔ ایک دن شیش محل میں نماز ادا کر کر، وظیفہ پڑھ رہے تھے۔ ایکبارگی آئینہ کی طرف خیال جو کرتے ہیں، تو ایک سفید بال موچھوں میں نظر آیا۔ کہ مانند تار مقیش کے چمک رہا ہے۔ بادشاہ دیکھ کر آبدیدہ ہوئے، اور ٹھنڈی سانس بھری۔ پھر دل میں اپنے سوچ کیا، کہ افسوس! تو نے اتنی عمر ناحق برباد دی، اور اس دنیا کی حرص میں ایک عالم کو زیر و زبر کیا۔ اتنا ملک جو لیا، اب تیرے کس کام آویگا؟ آخر یہ سارا مال اسباب کوئی دوسرا اُڑا دیگا۔ تجھے تو پیغام موت کا آچکا، اگر کوئی دن جیئے بھی، تو بدن کی طاقت کم ہوگی، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے، کہ میری تقدیر میں نہیں لکھا، کہ وارث چھتر اور تخت کا پیدا ہو۔ آخر ایک روز مرنا ہے،

اور سب کچھ چھوڑ جانا ہے، اِس سے یہی بہتر ہے کہ میں ہی اسے چھوڑ دوں اور باقی زندگی اپنے خالق کی یاد میں کاٹوں"۔

یہ بات اپنے دل میں ٹھہرا کر، پائیں باغ میں جاکر، سب مجرائیوں کو جواب دیکر، فرمایا، کہ کوئی آج سے میرے پاس نہ آوے، سب دیوان عام میں آیا جایا کریں، اور اپنے کام میں مستعد رہیں۔ یہ کہکر، آپ ایک مکان میں جا بیٹھے اور مصلیٰ بچھاکر عبادت میں مشغول ہوئے۔ سوائے رونے اور آہ بھرنے کے کچھ کام نہ تھا۔ اِسی طرح بادشاہ آزاد بخت کو کئی دن گذرے، شام کو روزہ کھولنے کے وقت ایک چھُہارا کھاتے اور تین گھونٹ پانی پیتے، اور تمام دن رات جائے نماز پر پڑے رہتے۔ اِس بات کا باہر چرچا پھیلا، رفتہ رفتہ تمام ملک میں خبر گئی کہ بادشاہ نے بادشاہت سے ہاتھ کھینچ کر گوشہ نشینی اختیار کی۔ چاروں طرف غنیموں اور مفسدوں نے سر اُٹھایا اور قدم اپنی حد سے بڑھایا۔ جس نے چاہا ملک دبالیا، اور سرانجام سرکشی کا کیا۔ جہاں کہیں حاکم تھے، اُن کے حکم میں خلل عظیم واقع ہوا۔ ہر ایک صوبے سے عرضی بدعملی کی حضور میں پہنچی۔ درباری اُمرا جتنے تھے جمع ہوئے اور صلاح مصلحت کرنے لگے۔

آخر یہ تجویز ٹھہری، کہ نواب وزیر عاقل اور دانا ہے، اور بادشاہ کا مقرب اور معتمد ہے، اور درجے میں بھی سب سے بڑا ہے، اُس کی خدمت

میں چلیں، دیکھیں وہ کیا مناسب جانکر کہتا ہے۔ سب عمدہ امیر وزیر کے پاس آئے اور کہا، بادشاہ کی یہ صورت، اور ملک کی وہ حقیقت، اگر چندے اور تغافل ہوا، تو اس محنت کا ملک لیا ہوا مفت میں جاتا رہیگا، پھر ہاتھ آنا بہت مشکل ہے۔ وزیر پرانا، قدیم، نمک حلال اور عقلمند، نام بھی خردمند اسم بامسمّٰی تھا، بولا، اگرچہ بادشاہ نے حضور میں آنے کو منع کیا ہے، لیکن تم چلو میں بھی چلتا ہوں، خدا کرے بادشاہ کی مرضی آوے جو روبرو بلاوے۔ یہ کہکر، سب کو اپنے ساتھ دیوان عام تلک لایا، اُن کو وہاں چھوڑ کر، آپ دیوان خاص میں آیا، اور بادشاہ کی خدمت میں محلّی کے ہاتھ کہلا بھیجا کہ یہ پیر غلام حاضر ہے، کئی دنوں سے جمال جہاں آرا نہیں دیکھا، امیدوار ہوں کہ ایک نظر دیکھ کر، قدمبوسی کروں، تو خاطر جمع ہو۔ یہ عرض وزیر کی بادشاہ نے سُنی، ازبسکہ قدامت اور خیر خواہی اور تدبیر اور جاں نثاری اُس کی جانتے تھے، اور اکثر اُسکی بات مانتے تھے، بعد تامّل کے فرمایا، خردمند کو بلالو بارے جب پروانگی ہوئی، وزیر حضور میں آیا، آداب بجالایا، اور دست بستہ کھڑا رہا۔ دیکھا تو بادشاہ کی عجیب صورت بن رہی ہے، کہ زار بزار رونے اور دُبلاپے سے آنکھوں میں حلقے پڑ گئے ہیں، اور چہرہ زرد ہو گیا ہے۔

خردمند کو تاب نہ رہی، بے اختیار دوڑ کر قدموں پر جا گرا۔ بادشاہ نے ہاتھ سے سر اُس کا اُٹھایا، اور فرمایا، لو مجھے دیکھا، خاطر جمع ہوئی؟ اب جاؤ، زیادہ

مجھے نہ ستاؤ تم سلطنت کرو۔ خرد مند سُن کر، ڈاڑھ مار کر رویا، اور عرض کی، غلام کو آپ کے تصدق اور سلامتی سے ہمیشہ بادشاہت میسر ہے، لیکن جہاں پناہ کی یک بیک اِس طرح کی گوشہ گیری سے تمام ملک میں تہلکہ پڑ گیا ہے اور انجام اس کا اچھا نہیں۔ یہ کیا خیال مزاج مبارک میں آیا؟ اگر اس خانہ زاد موروثی کو بھی محرم اس راز کا کیجئے تو بہتر ہے، جو کچھ عقل ناقص میں آوے التماس کرے۔ غلاموں کو جو یہ سرفرازیاں بخشی ہیں، اِسی دن کے واسطے، کہ بادشاہ عیش و آرام کریں، اور نمک پروردے تدبیر میں ملک کی رہیں۔ خدانخواستہ جب فکر مزاج عالی کے لاحق ہوئی، تو بندہائے پادشاہی کس دن کام آوینگے؟ بادشاہ نے کہا سچ کہتا ہے، پر جو فکر میرے جی کے اندر ہے، سو تدبیر سے باہر ہے۔

سُن اے خردمند میری ساری عمر اِسی مُلک گیری کے دردِ سر میں کٹی، اب یہ سن و سال ہوا، آگے موت باقی ہے، سو اس کا بھی پیغام آیا، کہ سیاہ بال سفید ہو چلے۔ وہ مثل ہے، ساری رات سوئے، اب صبح کو بھی نہ جاگیں؟ اب تلک ایک بیٹا پیدا نہ ہوا، جو میری خاطر جمع ہوتی، اس لیے دل سخت اُداس ہوا، اور میں سب کچھ چھوڑ بیٹھا، جس کا جی چاہے، ملک لے، یا مال لے، مجھے کچھ کام نہیں، بلکہ کوئی دن میں یہ ارادہ رکھتا ہوں، کہ سب چھوڑ چھاڑ کر، جنگل اور پہاڑوں میں نکل جاؤں، اور منہ اپنا کسو کو نہ دکھاؤں، اِسی طرح یہ چند روز کی زندگی بسر کروں۔ اگر کوئی مکان خوش آیا، تو وہاں بیٹھکر

بندگی اپنے معبود کی بجالاؤں گا۔ شاید عاقبت بخیر ہو۔ اور دنیا کو تو خوب دیکھا، کچھ مزہ نہ پایا۔ اِتنی بات بول کر، اور ایک آہ بھر کر، بادشاہ چپ ہوئے۔

خردمند اُن کے باپ کا وزیر تھا، جب یہ شہزادے تھے، تب سے محبت رکھتا تھا، علاوہ دانا اور نیک اندیش تھا۔ کہنے لگا، خدا کی جناب سے نااُمید ہونا ہرگز مناسب نہیں، جس نے ہیژدہ ہزار عالم کو ایک حکم میں پیدا کیا، تمھیں اولاد دینی اُس کے نزدیک کیا بڑی بات ہے؟ قبلۂ عالم اس تصورِ باطل کو دل سے دور کرو۔ نہیں تو تمام عالم درہم برہم ہو جائیگا۔ اور یہ سلطنت کِس کِس محنت اور مشقت سے تمہارے بزرگوں نے اور تم نے پیدا کی ہے؟ ایک ذرہ میں ہاتھ سے نکل جائیگی۔ اور بے خبری سے ملک ویران ہو جائیگا۔ خدانخواستہ بدنامی حاصل ہوگی۔ اس پر بھی بازپرس روزِ قیامت کی ہوا چاہے، کہ تجھے بادشاہ بناکر، اپنے بندوں کو تیرے حوالے کیا تھا، تو ہماری رحمت سے مایوس ہوا، اور رعیت کو حیران پریشان کیا۔ اس سوال کا کیا جواب دوگے؟ پس عبادت بھی اُس روز کام نہ آوے گی، اس واسطے کہ آدمی کا دِل خدا کا گھر ہے، اور بادشاہ فقط عدل کے واسطے پوچھے جائیں گے۔ غلام کی بے ادبی معاف ہو، گھر سے نکل جانا اور جنگل جنگل پھرنا کام جوگیوں اور فقیروں کا ہے، نہ کہ بادشاہوں کا۔ تم اپنی جوگا کام کرو، خدا کی یاد اور بندگی جنگل پہاڑ پر موقوف نہیں۔ آپ نے یہ بیت سُنی ہوگی،

خدا اِس پاس. یہ ڈھونڈھی جنگل میں، ڈھنڈھورا شہر میں، لڑکا بغل میں۔
اگر منصفی فرمائیے۔ اور اس فدوی کی عرض قبول کیجئے، تو بہتر یوں ہے، کہ جہاں پناہ ہر دم اور ہر ساعت دھیان اپنا خدا کی طرف لگا کر، دعا مانگا کریں۔ اُس کی درگاہ سے کوئی محروم نہیں رہا۔ دن کو بندوبست ملک کا اور انصاف عدالت غریب غربا کی فرمائیں، تو بندے خدا کے دامنِ دولت کے سائے میں امن و امان خوش گذراں رہیں، اور رات کو عبادت کیجئے، اور درود پیمبر کی روح پاک کو نیاز کر کر، درویش گوشہ نشین متوکلوں سے مدد لیجئے، اور روزراتب یتیم اسیر عیال داروں محتاجوں اور رانڈ بیواؤں کو کردیجئے۔ ایسے اچھے کاموں اور نیک نیّتوں کی برکت سے، خدا چاہے تو اُمید قوی ہے کہ تمہارے دل کے مقصد اور مطلب سب پورے ہوں۔ اور جس واسطے مزاجِ عالی مکدّر ہو رہا ہے، وہ آرزو بر آوے، اور خوشی خاطر شریف کو ہو جاوے۔ پروردگار کی عنایت پر نظر رکھیئے، کہ وہ ایک دم میں جو چاہتا ہے سو کرتا ہے۔ بارے خردمند وزیر کے ایسی ایسی عرض معروض کرنے سے آزاد بخت کے دل کو ڈھارس بندھی، فرمایا، اچھا تو جو کہتا ہے بھلا یہ بھی کر دیکھیں، آگے جو اللہ کی مرضی ہے، سو ہوگا۔

جب بادشاہ کے دل کو تسلی ہوئی، تب وزیر سے پوچھا، کہ اور سب امیر و وزیر کیا کرتے ہیں، اور کس طرح ہیں؟ اُس نے عرض کی، کہ سب ارکانِ

دولت قبلۂ عالم کے جان و مال کو دعا کرتے ہیں۔ آپ کی فکر سے سب حیران
و پریشان ہو رہے ہیں۔ جمال مبارک اپنا دکھائیے تو سب کی خاطر جمع
ہووے۔ چنانچہ اِس وقت دیوان عام میں حاضر ہیں۔ یہ سُن کر بادشاہ
نے حکم کیا، انشاء اللہ تعالےٰ کل دربار کروں گا، سب کو کہہ دو حاضر
رہیں۔ خِرد مند یہ وعدہ سُن کر خوش ہوا، اور دونوں ہاتھ اُٹھا کر دعا دی
کہ جب تلک یہ زمین و آسمان برپا ہیں تمہارا تاج و تخت قائم رہے۔
اور حضور سے رخصت ہو کر خوشی خوشی باہر نکلا، اور یہ خوشخبری اُمراؤں
سے کہی۔ سب امیر ہنسی خوشی گھر کو گئے۔ سارے شہر میں آنند ہو گئی، رعیت
پرجا مگن ہوئی، کہ کل بادشاہ دربارِ عام کریگا۔ صبح کو سب خانہ زاد اعلیٰ
ادنیٰ، اور ارکانِ دولت چھوٹے بڑے، اپنے اپنے پائے اور مرتبے پر آکر
کھڑے ہوئے۔ اور منتظر جلوۂ بادشاہی کے تھے۔

جب پہر دِن چڑھا ایکبارگی پردہ اُٹھا۔ اور بادشاہ نے برآمد ہو کر
تختِ مبارک پر جلوس فرمایا۔ نوبت خانے میں شادیانے بجنے لگے۔ سبھوں
نے نذریں مبارکبادی کی گذرانیں۔ اور مُجرے گاہ میں تسلیمات و کورنشات
بجا لائے۔ موافق قدر و منزلت کے ہر ایک کو سرفرازی ہوئی، سب کے
دل کو خوشی اور چین ہوا۔ جب دوپہر ہوئی برخاست ہو کر اندرونِ محل
داخل ہوئے، خاصہ نوش جان فرما کر خواب گاہ میں آرام کیا۔ اُس دن سے

بادشاہ نے یہی مقرر کیا، کہ ہمیشہ صبح کو دربار کرنا، اور تیسرے پہر کتاب کا شغل، یا ورد وظیفہ پڑھنا، اور خدا کی درگاہ میں توبہ استغفار کر کر، اپنے مطلب کی دعا مانگنی۔

ایک روز کتاب میں بھی لکھا دیکھا، کہ اگر کسی شخص کو غم یا فکر ایسی لاحق ہو، کہ اُس کا علاج تدبیر سے نہ ہو سکے، تو چاہیئے، کہ تقدیر کے حوالے کرے، اور آپ گورستان کی طرف رجوع کرے، درود طفیل پیغمبر کی روح کے اُن کو بخشے، اور اپنے تئیں نیست و نابود سمجھ کر، دل کو اس غفلت دُنیوی سے ہشیار رکھے، اور عبرت سے رووے، اور خدا کی قدرت کو دیکھے، کہ مجھ سے آگے کیسے کیسے صاحبِ ملک و خزانہ اِس زمین پر پیدا ہوئے؟ لیکن آسمان نے سب کو اپنی گردش میں لاکر، خاک میں ملا دیا۔ یہ کہاوت ہے، چلتی چکی دیکھ کر، دیا کبیرا رو، دو پاٹن کے بیچ آ، ثابت گیا نہ کو اب جو دیکھیئے سوائے ایک مٹی کے ڈھیر کے، ان کا کچھ نشان باقی نہیں رہا اور سب دولتِ دنیا گھر بار، آل اولاد، آشنا دوست، نوکر چاکر، ہاتھی گھوڑے چھوڑ کر اکیلے پڑے ہیں۔ یہ سب اِن کے کچھ کام نہ آیا، بلکہ اب کوئی نام بھی نہیں جانتا، کہ یے کون تھے، اور قبر کے اندر کا احوال معلوم نہیں (کہ کیڑے مکوڑے چیونٹے سانپ اُن کو کھا گئے) یا اُن پر کیا بیتی اور خدا سے کیسی بنی۔ یے باتیں اپنے دل میں سوچ کر ساری دنیا کو دیکھنے کا

کھیل جائے، تب اُس کے دل کا غنچہ ہمیشہ شگفتہ رہیگا، کسو حالت میں پژمردہ نہ ہوگا۔ یہ نصیحت جب کتاب میں مطالعہ کی بادشاہ کو خردمند وزیر کا کہنا یاد آیا، اور دونوں کو مطابق پایا۔ یہ شوق ہوا کہ اس پر عمل کروں لیکن سوار ہوکر اور بھیڑ بھاڑ لے کر، پادشاہوں کی طرح سے جانا اور پھرنا مناسب نہیں۔ بہتر یہ ہے کہ لباس بدل کر رات کو اکیلے مقبروں میں یا کسی مردِ خدا گوشہ نشین کی خدمت میں جایا کروں، اور شب بیدار رہوں، شاید ان مردوں کے وسیلے سے دنیا کی مراد اور عاقبت کی نجات میسّر ہو۔

یہ بات دل میں مقرر کر کر ایک روز رات کو موٹے جھوٹے کپڑے پہن کر کچھ اشرفی روپے لیکر، چپکے قلعے سے باہر نکلے اور میدان کی راہ لی، جاتے جاتے ایک گورستان میں پہنچے، نہایت صدق دل سے دُرود پڑھ رہے تھے، اور اُس وقت بادِ تند چل رہی تھی، بلکہ آندھی کہا چاہیئے۔ ایکبارگی بادشاہ کو دُور سے ایک شعلہ سا نظر آیا، کہ مانند صبح کے تارے کے روشن ہے۔ دل میں اپنے خیال کیا کہ اس آندھی اور اندھیری میں یہ روشنی خالی حکمت سے نہیں۔ یا یہ طلسم ہے، کہ اگر پھٹکری اور گندھک کو چراغ میں بتّی کے آس پاس چھڑک دیجئے، تو کیسی ہی ہوا چلے، چراغ گل نہ ہوگا۔ یا کسو ولی کا چراغ ہے کہ جلتا ہے، جو کچھ ہو سو ہو، چلکر دیکھا چاہیئے۔ شاید اِس شمع کے نور سے میرے بھی گھر کا چراغ روشن ہو، اور دل کی

مراد ملے۔ یہ نیت کر کے اس طرف کو چلے۔ جب نزدیک پہنچے، دیکھا تو چار فقیر بے نوا کفنیاں گلے میں ڈالے، اور سر زانو پر دھرے، عالمِ بے ہوشی میں خاموش بیٹھے ہیں۔ اور اُن کا یہ عالم ہے جیسے کوئی مسافر اپنے ملک اور قوم سے بچھڑ کر، بے کسی اور مفلسی کے رنج و غم میں گرفتار ہو کر حیران رہ جاتا ہے۔ اسی طرح سے یہ چاروں نقشِ دیوار ہو رہے ہیں، اور ایک چراغ پتھر پر دھرا ٹمٹما رہا ہے، ہرگز ہوا اُس کو نہیں لگتی گویا فانوس اُس کی آسمان بنا ہے، کہ بے خطرے جلتا ہے۔

آزاد بخت کو دیکھتے ہی یقین آیا کہ مقرر تیری آرزو اِن مردانِ خدا کے قدم کی برکت سے برآوے گی، اور تیری اُمید کا سوکھا درخت اِن کی توجہ سے ہرا ہو کر پھلے گا۔ ان کی خدمت میں چل کر اپنا احوال کہہ اور مجلس کا شریک ہو، شاید تجھ پر رحم کھا کر دعا کریں جو بے نیاز کے یہاں قبول ہو۔ یہ ارادہ کر کر چاہا کہ قدم آگے دھرے۔ وہیں عقل نے سمجھایا کہ اے بیوقوف جلدی نہ کر، ذرہ دیکھ لے۔ تجھے کیا معلوم ہے کہ یہ کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں؟ اور کیدھر جاتے ہیں؟ کیا جانیں یہ دیو ہیں یا غولِ بیابانی ہیں، کہ آدمی کی صورت بن کر باہم مل بیٹھے ہیں؟ بہ ہر صورت جلدی کرنا اور ان کے درمیان جا کر مخل ہونا خوب نہیں۔ ابھی ایک گوشے میں چھپ کر حقیقت اِن درویشوں کی جاننا چاہیئے۔ آخر بادشاہ نے یہی کیا کہ ایک

کونے میں اُس مکان کے چُپکا جا بیٹھا کہ کسو کو اُس کے آنے کی آہٹ کی خبر نہ ہوئی، اپنا دھیان اُن کی طرف لگایا کہ دیکھئے آپس میں کیا بات چیت کرتے ہیں۔ اتفاقاً ایک فقیر کو چھینک آئی، شکر خدا کا کیا، وو تینوں قلندر اُس کی آواز سے چونک پڑے، چراغ کو اُکسایا، ٹھیپ تو روشن تھا اپنے اپنے بستروں پر حقّے بھر کر پینے لگے۔ ایک اُن آزادوں میں سے بولا، اے یارانِ ہمدرد و رفیقانِ جہاں گرد! ہم چار صورتیں آسمان کی گردش سے اور لیل و نہار کے انقلاب سے دربدر خاک بہ سر ایک مدّت پھیریں۔ الحمدللہ کہ طالع کی مدد اور قسمت کی یاوری سے آج اِس مقام پر باہم ملاقات ہوئی اور کل کا احوال کچھ معلوم نہیں کہ کیا پیش آوے، ایک گمت رہیں یا جُدا جدا ہو جاویں۔ رات بڑی پہاڑ ہوتی ہے، ابھی سے پڑ پڑ رہنا خوب نہیں، اِس سے یہ بہتر ہے کہ اپنی اپنی سرگذشت جو اس دنیا میں جس پر بیتی ہو (بشرطیکہ جھوٹ اس میں کوڑی بھر نہ ہو) بیان کرے، تو باتوں میں رات کٹ جائے۔ جب تھوڑی شب باقی رہے تب لوٹ پوٹ رہیں گے۔ سبھوں نے کہا یا ہادی! جو کچھ ارشاد ہوتا ہے ہم نے قبول کیا۔ پہلے آپ ہی اپنا احوال جو دیکھا ہے شروع کیجئے، تو ہم مستفید ہوں۔"

سیر پہلے درویش کی

پہلا درویش دوزانو ہو بیٹھا اور اپنی سَیر کا قصہ اس طرح سے کہنے لگا۔ یا معبود اللہ! ذرہ ادھر متوجہ ہو، اور ماجرا اس بے سروپا کا سنو

یہ سرگذشت میری ذرہ کان دھر سنو مجھ کو فلک نے کر دیا زیروزبر سنو
جو کچھ کہ پیش آئی ہے شدت مری تئیں اُس کا بیان کرتا ہوں، تم سر بسر سنو

اے یاران! میری پیدائش اور وطن بزرگوں کا ملکِ یمن ہے۔ والد اِس عاجز کا ملک التجار خواجہ احمد نام بڑا سوداگر تھا۔ اُس وقت میں کوئی مہاجن یا بیپاری اُن کے برابر نہ تھا۔ اکثر شہروں میں کوٹھیاں اور گُماشتے خرید و فروخت کے واسطے مقرر تھے، اور لاکھوں روپے نقد اور جنس ملک ملک کی گھر میں موجود تھی۔ اُن کے یہاں دو لڑکے پیدا ہوئے، ایک تو یہی فقیر جو کفنی سیلی پہنے ہوئے مرشدوں کی حضوری میں حاضر اور بولتا ہے، دوسری ایک بہن جس کو قبلہ گاہ نے اپنے جیتے جی اور شہر کے سوداگر بچے سے شادی کردی تھی۔ وہ اپنی سسرال میں رہتی تھی۔ غرض جس کے گھر میں اتنی دولت اور ایک لڑکا ہو، اُس کے لاڈ پیار کا کیا ٹھکانا ہے؟ مجھ فقیر نے بڑے چاؤ چوز سے ماباپ کے سائے میں پرورش پائی، اور پڑھنا لکھنا سپاہ گری کا

کسب وفن، سوداگری کا بہی کھاتہ، روزنامہ سیکھنے لگا۔ چودہ برس تک نہایت خوشی اور بےفکری میں گذرے، کچھ دنیا کا اندیشہ دل میں نہ آیا یک بہ یک ایک ہی سال میں والدین قضائے الٰہی سے مرگئے۔

عجب طرح کا غم ہوا جس کا بیان نہیں کر سکتا، ایک بارگی یتیم ہوگیا۔ کوئی سر پر بوڑھا بڑا نہ رہا۔ اس مصیبتِ ناگہانی سے رات دن رویا کرتا، کھانا پینا سب چھوٹ گیا۔ چالیس دن جوں توں کرکٹے، چہلم میں اپنے بیگانے چھوٹے بڑے جمع ہوئے۔ جب فاتحہ سے فراغت ہوئی، سب نے فقیر کو باپ کی پگڑی بندھوائی، اور سمجھایا۔ دنیا میں سب کے ماباپ مرتے آئے ہیں، اور اپنے تئیں بھی ایک روز مرنا ہے۔ پس صبر کرو، اپنے گھر کو دیکھو، اب باپ کی جگہ تم سردار ہوئے، اپنے کاروبار لین دین سے ہوشیار رہو۔ تسلّی دے کروے رخصت ہوئے۔ گماشتے کاروباری نوکر چاکر جتنے تھے آن کر حاضر ہوئے، نذریں دیں اور بولے، کوٹھی نقد وجنس کی اپنی نظرِ مبارک سے دیکھ لیجئے۔ ایکبارگی جو اس دولتِ بےانتہا پر نگاہ پڑی، آنکھیں کھُل گئیں۔ دیوان خانے کی تیاری کو حکم کیا۔ فراشوں نے فرش فروش بچھا کر چھت پردے چلونیں تکلف کی لگادیں، اور اچھے اچھے خدمتگار دیدارو نوکر رکھے۔ سرکار سے زرق برق کی پوشاکیں بنوادیں۔ فقیر مسند پر تکیہ لگا کر بیٹھا۔ ویسے ہی آدمی غنڈے

بھانکڑے مفت پر کھانے پینے والے جھوٹے خوشامدی آکر آشنا ہوئے
اور مصاحب بنے۔ اُن سے آٹھ پہر صحبت رہنے لگی۔ ہر کہیں کی باتیں
اور زٹلیں واہی تباہی اِدھر اُدھر کی کرتے، اور کہتے، اس جوانی کے
عالم میں کیتکی کی شراب یا گلِ گلاب کھنچوائیے، نازنین معشوقوں کو بُلوا کر
اُن کے ساتھ پیجئے اور عیش کیجئے۔

غرض آدمی کا شیطان آدمی ہے۔ ہر دم کے کہنے سُننے سے اپنا
بھی مزاج بہک گیا۔ شراب ناچ اور جوئے کا چرچا شروع ہوا۔ پھر تو یہ
نوبت پہنچی کہ سوداگری بھول کر تماش بینی کا اور دینے لینے کا سودا ہوا۔
اپنے نوکر اور رفیقوں نے جب یہ غفلت دیکھی جو جس کے ہاتھ پڑا الگ کیا
گویا لوٹ مچادی۔ کچھ خبر نہ تھی کتنا روپیا خرچ ہوتا ہے، کہاں سے آتا
اور کیدھر جاتا ہے؟ مالِ مفت دلِ بے رحم۔ اس درخرچی کے آگے
اگر گنج قارون کا ہوتا تو بھی وفا نہ کرتا۔ کئی برس کے عرصے میں ایکبارگی
یہ حالت ہوئی کہ فقط ٹوپی اور لنگوٹی باقی رہی۔ دوست آشنا جو دانت
کاٹی روٹی کھاتے تھے، اور چمچا بھر خون اپنا ہر بات میں زبان سے نثار
کرتے تھے کافور ہو گئے۔ بلکہ راہ باٹ میں اگر کہیں بھینٹ ملاقات ہو جاتی
تو آنکھیں چُرا کر منہ پھیر لیتے، اور نوکر چاکر خدمتگار بہلیے ڈھلیت خاص بردار
ثابت خانی سب چھوڑ کر کنارے لگے۔ کوئی بات کا پوچھنے والا نہ رہا جو

کہے یہ کیا تمہارا حال ہوا؟ سوائے غم اور افسوس کے کوئی رفیق نہ ٹھہرا۔
اب دمڑی کی ٹھڈیاں میسّر نہیں جو چبا کر پانی پیوں۔ دو تین فاقے
کڑاکے کھینچے تاب بھوک کی نہ لا سکا۔ لاچار بےحیائی کا بُرقعہ منہ پر ڈال کر یہ
قصد کیا، کہ بہن کے پاس چلیئے۔ لیکن یہ شرم دل میں آتی تھی کہ قبلہ گاہ کی
وفات کے بعد نہ بہن سے کچھ سلوک کیا، نہ خالی خط لکھا، بلکہ اُس نے دو
ایک خط خطوط ماتم پرسی اور اشتیاق کے جو لکھے، اُن کا بھی جواب اِس
خوابِ خرگوش میں نہ بھیجا۔ اِس شرمندگی سے جی تو نہ چاہتا تھا، پر سوائے
اُس گھر کے اور کوئی ٹھکانا نظر میں نہ ٹھہرا۔ جوں توں پا پیادہ خالی ہاتھ گرتا
پڑتا ہزار محنت سے وہ کئی منزلیں کاٹ کر ہمشیر کے شہر میں جا کر اُس کے مکان
پر پہنچا۔ وہ ماجائی میرا یہ حال دیکھ کر بلائیں لی اور گلے مل کو بہت روئی تیل
ماش اور کالی ٹکی مجھ پر سے صدقے کیئے۔ کہنے لگی اگرچہ ملاقات سے دل
بہت خوش ہوا، لیکن بھیا، تیری یہ کیا صورت بنی؟ اُس کا جواب مَیں
کچھ نہ دے سکا۔ آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا کر چُپکا ہو رہا۔ بہن نے جلدی
خاصی پوشاک سِلوا کر حمام میں بھیجا۔ نہا دھو کر وہ کپڑے پہنے۔ ایک مکان
اپنے پاس بہت اچھا تکلف کا میرے رہنے کو مقرر کیا۔ صبح کو شربت اور لوزیات
حلوا سوہن پستہ مغزی ناشتے کو، اور تیسرے پہر میوے خشک و تر پھل
پھلاری، اور رات دن دونوں وقت پلاؤ نان قلیئے کباب تحفہ تحفہ مزیدار

منگوا کر اپنے روبرو کھلا کر جاتی۔ سب طرح خاطرداری کرتی۔ میں نے ویسی تصدیع کے بعد جو یہ آرام پایا، خدا کی درگاہ میں ہزار ہزار شکر بجالایا۔ کئی مہینے اس فراغت سے گذرے کہ پاؤں اس خلوت سے باہر نہ رکھا۔

ایک دن وہ بہن جو بجائے والدہ کے میری خاطر رکھتی تھی کہنے لگی، اے بیرن! تو میری آنکھوں کی پتلی اور ماباپ کی موئی مٹی کی نشانی ہے۔ تیرے آنے سے میرا کلیجا ٹھنڈا ہوا۔ جب تجھے دیکھتی ہوں باغ باغ ہوتی ہوں۔ تو نے مجھے نہال کیا، لیکن مردوں کو خدا نے کمانے کے لئے بنایا ہے گھر میں بیٹھے رہنا اُن کو لازم نہیں۔ جو مرد نکھٹو ہو کر گھر سیتا ہے، اُس کو دنیا کے لوگ طعنہ مہنا دیتے ہیں، خصوصاً اِس شہر کے آدمی چھوٹے بڑے بے سبب تمہارے رہنے پر کہیں گے، اپنے باپ کی دولت دنیا کھو کھا کر بہنوئی کے ٹکڑوں پر آ پڑا یہ نہایت بے غیرتی اور میری تمہاری ہنسائی اور ما باپ کے نام کو سبب لاج لگنے کا ہے، نہیں تو مَیں اپنے چمڑے کی جوتیاں بنا کر تجھے پہناؤں، اور کلیجے میں ڈال رکھوں۔ اب یہ صلاح ہے، کہ سفر کا قصد کرو۔ خدا چاہے تو دِن پھریں اور اس حیرانی اور مفلسی کے بدلے خاطر جمعی اور خوشی حاصل ہو۔ یہ بات سُن کر مجھے بھی غیرت آئی۔ اُس کی نصیحت پسند کی۔ جواب دیا، اچھا اب تم ما کی جگہ ہو، جو کہو سو کروں۔ یہ میری مرضی پاکر گھر میں جاکے پچاس توڑے اشرفی کے اصیل لونڈیوں کے ہاتھوں میں

لواکر میرے آگے لا رکھے، اور بولی، ایک قافلہ سوداگروں کا دمشق کو جاتا ہے۔ تم ان روپیوں سے جنس تجارت کی خرید کرو۔ ایک تاجر ایماندار کے حوالے کرکے، دستاویز پکّی لکھوالو، اور آپ بھی قصد دمشق کا کرو۔ وہاں جب خیریت سے جا پہنچو، اپنا مال مع منافع سمجھ بوجھ لیجیو یا آپ بیچیو۔ مَیں وہ نقد لیکر بازار میں گیا، اسباب سوداگری کا خرید کر ایک بڑے سوداگر کے سپرد کیا۔ نوشت وخواند سے خاطر جمع کرلی۔ وہ تاجر دریا کی راہ سے جہاز پر سوار ہو کر روانہ ہوا۔ فقیر نے خشکی کی راہ چلنے کی تیاری کی۔ جب رخصت ہونے لگا، بہن نے ایک سری پاؤ بھاری اور ایک گھوڑا جڑاؤ ساز سے تواضع کیا، اور مٹھائی پکوان ایک خاصدان میں بھر کر ہرنے سے لٹکا دیا، اور چھاگل پانی کی شکار بند میں بندھوادی۔ امام ضامن کا روپیہ میرے بازو پر باندھا، دہی کا ٹیکا ماتھے پر لگا کر آنسو پی کر بولی، سدھارو! تمہیں خدا کو سونپا، پیٹھ دکھائے جاتے ہو، اِسی طرح جلد اپنا منہ دکھائیو۔ مَیں نے فاتحہ خیر کی پڑھ کر کہا، تمہارا بھی اللہ حافظ ہے، مَیں نے قبول کیا۔ وہاں سے نکل کر گھوڑے پر سوار ہوا، اور خدا کے توکل پر بھروسا کرکے دو منزل کی ایک منزل کرتا ہوا دمشق کے پاس جا پہنچا۔

غرض جب شہر کے دروازے پر گیا، بہت رات جا چکی تھی۔ دربان اور نگاہبانوں نے دروازہ بند کیا تھا۔ مَیں نے بہت منت کی کہ مسافر ہوں

دُور سے دھاوا مارے آتا ہوں، اگر کواڑ کھول دو شہر میں جا کر دانے گھاس کا آرام پاؤں۔ اندر سے گھڑک کر بولے۔ اِس وقت دروازہ کھولنے کا حکم نہیں، کیوں اتنی رات گئے تم آئے؟ جب مَیں نے جواب صاف اُن سے سُنا، شہر پناہ کی دیوار کے تلے گھوڑے پر سے اُتر زین پوش بچھا کر بیٹھا۔ جاگنے کی خاطر اِدھر اُدھر ٹہلنے لگا۔ جس وقت آدھی رات اِدھر اور آدھی رات اُدھر ہوئی، سنسان ہو گیا۔ دیکھتا کیا ہوں کہ ایک صندوق قلعے کی دیوار پر سے نیچے چلا آتا ہے۔ یہ دیکھ کر مَیں اچنبھے میں ہوا کہ یہ کیا طلسم ہے؟ شاید خدا نے میری حیرانی و سرگردانی پر رحم کھا کر خزانۂ غیب سے عنایت کیا جب وہ صندوق زمین پر ٹھہرا ڈرتے ڈرتے مَیں پاس گیا، دیکھا تو کاٹھ کا صندوق ہے۔ لالچ سے اُسے کھولا، ایک معشوق خوبصورت کامنی سی عورت (جس کے دیکھنے سے ہوش جاتا رہے) گھایل لہو میں تربتر آنکھیں بند کئے پڑی کُلبُلاتی ہے، آہستہ آہستہ ہونٹھ ہلتے ہیں، اور یہ آواز منہ سے نکلتی ہے، اے کم بختِ بے وفا! اے ظالِم پر جفا! بدلا اِس بھلائی اور محبت کا یہی تھا جو تو نے کیا؟ بھلا ایک زخم اور بھی لگا، میں نے اپنا تیرا انصاف خدا کو سونپا۔ یہ کہکر اُسی بے ہوشی کے عالم میں دوپٹے کا آنچل منہ پر لے لیا میری طرف دھیان نہ کیا۔

فقیر اُس کو دیکھ کر اور یہ بات سُن کر سُن ہوا، جی میں آیا، کسی بے حیا

ظالم نے کیوں ایسے نازنین صنم کو زخمی کیا کیا اُس کے دل میں آیا؟ اور ہاتھ اِس پر کیوں کر چلایا؟ اُس کے دل میں تو محبت اب تلک باقی ہے جو اِس جاں کندنی کی حالت میں اُس کو یاد کرتی ہے۔ مَیں آپ ہی آپ یہ کہہ رہا تھا۔ آواز اُس کے کان میں گئی۔ ایک مرتبہ کپڑا منہ سے سرکا کر مجھ کو دیکھا۔ جس وقت اُس کی نگاہیں میری نظروں سے لڑیں، مجھے غش آنے اور جی سنسنانے لگا۔ بہ زور اپنے تئیں تھانبا، جرأت کرکے پوچھا، سچ کہو تم کون ہو اور یہ کیا ماجرا ہے؟ اگر بیان کرو تو میرے دل کو تسلی ہو۔ یہ سُن کر اگرچہ طاقت بولنے کی نہ تھی آہستے سے کہا شکر ہے۔ میری حالت زخموں کے مارے یہ کچھ ہو رہی ہے۔ کیا خاک بولوں؟ کوئی دم کی مہمان ہوں، جب میری جان نکل جاوے تو خدا کے واسطے جواں مردی کرکے مجھ بدبخت کو اسی صندوق میں کسی جگہ گاڑ دیجو۔ تو مَیں بھلے بُرے کی زبان سے نجات پاؤں اور تو داخل ثواب کے ہو۔ اتنا بول کر چُپ ہوئی۔

رات کو مجھ سے کچھ تدبیر نہ ہو سکی، وہ صندوق اپنے پاس اُٹھا لایا اور گھڑیاں گننے لگا کہ کب اتنی رات تمام ہو تو فجر کو شہر میں جا کر جو کچھ علاج اس کا ہو سکے بہ مقدور اپنی کروں۔ وہ تھوڑی سی رات ایسی پہاڑ ہو گئی کہ دل گھبرا گیا۔ بارے خدا خدا کر صبح جب نزدیک ہوئی، مرغ بولا، آدمیوں کی آواز آنے لگی۔ مَیں نے فجر کی نماز پڑھ کر صندوق کو خورجی

میں کہا۔ جونہیں دروازہ شہر کا کُھلا، مَیں شہر میں داخل ہوا۔ ہر ایک آدمی اور دُکان دار سے حویلی کرائے کی تلاش کرنے لگا۔ ڈھونڈھتے ڈھونڈھتے ایک مکانِ خوش قطع نیا فراغت کا بھاڑے لیکر جا اُترا۔ پہلے اُس معشوق کو صندوق سے نکالکر روئی کے پہلوں پر ملایم بچھونا کرکے ایک گوشے میں لٹایا، اور آدمی اعتباری وہاں چھوڑ کر فقیر جرّاح کی تلاش میں نکلا۔ ہر ایک سے پوچھتا پھرتا تھا کہ اس شہر میں جرّاح کاریگر کون ہے اور کہاں رہتا ہے؟ ایک شخص نے کہا، ایک حجّام جرّاحی کے کسب اور حکیمی کے فن میں یکتا ہے، اور اس کام میں نپٹ پکا ہے، اگر مُردے کو اُس پاس لیجاؤ، خدا کے حکم سے ایسی تدبیر کرے کہ ایک بار وہ بھی جی اُٹھے۔ وہ اس محلّے میں رہتا ہے۔ اور عیسیٰ نام ہے۔

مَیں یہ مژدہ سُنکر بے اختیار چلا۔ تلاش کرتے کرتے پتے سے اُس کے دروازے پر پہنچا۔ ایک مرد سفید ریش کو دہلیز پر بیٹھا دیکھا، اور کئی آدمی مرہم کی تیاری کے لیئے کچھ بیس پاس رہے تھے۔ فقیر نے مارے خوشامد کے ادب سے سلام کیا اور کہا، میں تمہارا نام اور خوبیاں سُنکر آیا ہوں۔ ماجرا یہ ہے کہ مَیں اپنے مُلک سے تجارت کے لیئے چلا، قبیلے کو بہ سبب محبت ساتھ لیا، جب نزدیک اس شہر کے آیا، تھوڑی سی دور رہا تھا کہ شام پڑگئی۔ اَن دیکھے ملک میں رات کو چلنا مناسب نہ جانا، میدان میں، ایک درخت کے تلے

اُتر پڑا۔ پچھلے پہر ڈاکا آیا، جو کچھ مال اسباب پایا لوٹ لیا۔ گہنے کے لالچ
سے اِس بی بی کو بھی گھایل کیا۔ مجھ سے کچھ نہ ہو سکا۔ رات جو باقی تھی،
جوں توں کر کاٹی۔ فجر ہی شہر میں آن کر ایک مکان کرائے لیا۔ اُن کو
وہاں رکھ کر مَیں تمہارے پاس دوڑا آیا ہوں۔ خدا نے تمہیں یہ کمال
دیا ہے۔ اِس مسافر پر مہربانی کرو۔ غریب خانے تشریف لے چلو، اُس کو
دیکھو، اگر اُس کی زندگی ہوئی تو تمہیں بڑا جس ہو گا، اور مَیں ساری عمر
غلامی کرونگا۔ عیسٰی جراح بہت رحم دل اور خدا پرست تھا، میری غریبی کی
باتوں پر ترس کھا کر میرے ساتھ اُس حویلی تک آیا۔ زخموں کو دیکھتے ہی
میری تسلّی کی، بولا کہ خدا کے کرم سے اِس بی بی کے زخم چالیس دن میں
بھر آویں گے۔ غسل شفا کا کروا دونگا۔

غرض اُس مردِ خدا نے سب زخموں کو نیم کے پانی سے دھو دھا کر صاف
کیا۔ جو لائق ٹانکوں کے پائے اُنھیں سیا۔ باقی گھاؤں پر اپنی کھیسے سے ایک
ڈبیا نکال کر کتنوں میں پٹّی رکھی۔ اور کتنوں پر پھائے چڑھا کر پٹّی سے باندھ دیا
اور نہایت شفقت سے کہا، میں دونوں وقت آیا کرونگا، تو خبردار رہیو ایسی
حرکت نہ کرے جو ٹانکے ٹوٹ جائیں۔ مرغ کا شوربا بجائے غذا اس کی حلق میں
چوائیو اور اکثر عرق بید مشک گلاب کے ساتھ دیا کیجیو جو قوت رہے۔ یہ کہکر
رخصت چاہی۔ مَیں نے بہت منت کی اور ہاتھ جوڑ کر کہا، تمہاری تشفی دینے

سے میری بھی زندگی ہوئی، نہیں تو سوائے مرنے کے کچھ سوجھتا نہ تھا. خدا تمہیں سلامت رکھے۔ عطر پان دیکر رخصت کیا، مَیں رات دن خدمت میں اُس پری کے حاضر رہتا، آرام اپنے اوپر حرام کیا. خدا کی درگاہ سے روز روز اُس کے چنگے ہونے کی دعا مانگتا۔

اتفاقاً وہ سوداگر بھی آ پہونچا۔ اور میرا مال امانت میرے حوالے کیا۔ مَیں نے اُسے اَونے پَونے بیچ ڈالا، اور دارو درمن میں خرچ کرنے لگا۔ وہ مرد جرّاح ہمیشہ آتا جاتا، تھوڑے عرصے میں سب زخم بھر کر انگور کر لائے۔ بعد کئی دن کے غسل شفا کا کیا، عجب طرح کی خوشی حاصل ہوئی۔ خلعت اور اشرفیاں عیسٰی حجّام کے آگے دھریں، اور اُس پری کو مکلّف فرش بچھا کر مسند پر بٹھایا۔ فقیر غریبوں کو بہت سی خیر خیرات کی، اُس دن گویا بادشاہت ہفت اقلیم کی اس فقیر کے ہاتھ لگی، اور اس پری کا شفا پانے سے ایسا رنگ نکھرا کہ مکھڑا سورج کے مانند چمکنے اور کندن کی طرح دمکنے لگا۔ نظر کی مجال نہ تھی، جو اُس کے جمال پر ٹھہرے۔ فقیر بسر و چشم اُس کے حکم میں حاضر رہتا، جو فرماتی سو بجا لاتا۔ وہ اپنے حُسن کے غرور اور سرداری کے دماغ میں جو میری طرف کبھو دیکھتی تو فرماتی، خبردار، اگر تجھے ہماری خاطر منظور ہے تو ہرگز ہماری بات میں دم نہ ماریو، جو ہم کہیں سو بلا عذر کیئے جائیو، اپنا کسی بات میں دخل نہ کریو، نہیں تو پچھتاویگا۔ اُس کی وضع سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ حق میری خدمت گذاری اور

فرماں برداری کا اُسے البتہ منظور ہے۔ فقیر بھی اُس کی بے مرضی ایک کام نہ کرتا، اُس کا فرمانا بہ سروچشم بجالاتا۔

ایک مدت اِسی راز و نیاز میں کٹی۔ جو اُس نے فرمایش کی، وہ وہیں میں نے لاکر حاضر کی۔ اِس فقیر پاس جو کچھ جنس اور نقد اصل و نفع کا تھا، سب صرف ہوا۔ اُس بیگانے ملک میں کون اعتبار کرے جو قرض دام سے کام چلے؟ آخر تکلیف روز مرے کے خرچ کی ہونے لگی، اِس سے دل بہت گھبرایا، فکر سے دُبلا ہوتا چلا، چہرے کا رنگ کلچھواں ہو گیا، لیکن کس سے کہوں؟ جو کچھ دل پر گذری سو گذری، قہرِ درویش برجانِ درویش۔ ایک دن اُس پری نے اپنے شعور سے دریافت کر کے کہا "اے فلانے! تیری خدمتوں کا حق ہمارے جی میں نقش کالحجر ہے، پر اُس کا عوض بالفعل ہم سے نہیں ہو سکتا۔ اگر واسطے خرچ ضروری کے کچھ درکار ہو تو اپنے دل میں اندیشہ نہ کر، ایک ٹکڑا کاغذ اور دوات قلم حاضر کر۔ میں نے تب معلوم کیا کسی ملک کی بادشاہزادی ہے جو اس دل و دماغ سے گفتگو کرتی ہے۔ فی الفور قلمدان آگے رکھ دیا، اُس نازنین نے ایک شقہ دستخطِ خاص سے لکھ کر میرے حوالے کیا اور کہا، قلعے کے پاس ترپولیا ہے، وہاں اُس کوچے میں ایک حویلی بڑی سی ہے، اُس مکان کے مالک کا نام سیدی بہار ہے۔ تو جا کر اس رقعے کو اُس تک پہنچا دے"۔

فقیر موافق فرمانے اُس کے اُسی نام و نشان پر منزلِ مقصود تک جا پہنچا۔

دربان کی زبانی کیفیت خط کی کہلا بھیجی۔ وونہیں سنتے ہی ایک حبشی جوان خوبصورت ایک پھینٹا طرحدار سجے ہوئے باہر نکل آیا۔ اگرچہ رنگ سانولا تھا پر گویا تمام نمک بھرا ہوا۔ میرے ہاتھ سے خط لے لیا، نہ بولا نہ کچھ پوچھا۔ انہیں قدموں پھر اندر چلا گیا۔ تھوڑی دیر میں گیارہ کشتیاں سر بہ مہر زربفت کی تورہ پوش پڑے ہوئے غلاموں کے سر پر دھرے باہر آیا۔ کہا اِس جوان کے ساتھ جاکر جو گوشے پہنچا دو۔ مَیں بھی سلام کر رخصت ہوا اپنے مکان میں لایا آدمیوں کو دروازے کے باہر سے رخصت کیا۔ دو کشتیاں امانت حضور میں اُس پری کے گذرانیاں۔ دیکھ کر فرمایا" یہ گیارہ بدرے اشرفیوں کی لے اور خرچ میں لا، خدا رزّاق ہے۔" فقیر اِس نقد کو لیکر ضروریات میں خرچ کرنے لگا۔ اگرچہ خاطر جمع ہوئی پر دل میں یہ خلش رہی یاالٰہی ! یہ کیا صورت ہے؟ بغیر پوچھے گچھے اتنا مال ناآشنا صورت اجنبی نے ایک پرزے کاغذ پر میرے حوالے کیا۔ اگر اُس پری سے یہ بھید پوچھوں، تو اُس نے پہلے ہی منع کر رکھا تھا۔ مارے ڈر کے دم نہیں مار سکتا تھا۔

بعد آٹھ دن کے وہ معشوقہ مجھ سے مخاطب ہوئی کہ "حق تعالیٰ نے آدمی کو انسانیت کا جامہ عنایت کیا ہے کہ نہ پھٹے نہ میلا ہو، اگرچہ پرانے کپڑے سے اُس کی آدمیت میں فرق نہیں آتا، پر ظاہر میں خلق اللہ کی نظروں میں اعتبار نہیں پاتا۔ دو توڑے اشرفی کے ساتھ لیکر چوک کے

چورا ہے پر یوسف سوداگر کی دوکان میں جا اور کچھ رقم جواہر کے بیش قیمت اور دو خلعتیں زرق برق کی مول لے آ۔" فقیر وونہیں سوار ہو کر اُس کی دوکان پر گیا۔ دیکھا تو ایک جوان شکیل زعفرانی جوڑا پہنے گدی پر بیٹھا ہے، اور اُس کا یہ عالم ہے کہ ایک عالم دیکھنے کے لئے دکان سے بازار تک کھڑا ہے۔ فقیر کمال شوق سے نزدیک جا کر سلام علیک کر کر بیٹھا اور جو جو چیز مطلوب تھی طلب کی۔ میری بات چیت اُس شہر کے باشندوں کی سی نہ تھی۔ اُس جوان نے گرم جوشی سے کہا، جو صاحب کو چاہیئے سب موجود ہے، لیکن یہ فرمائیے کس ملک سے آنا ہوا؟ اور اس اجنبی شہر میں رہنے کا کیا باعث ہے؟ اگر اس حقیقت سے مطلع کیجئے تو مہربانی سے بعید نہیں، میرے تئیں اپنا احوال ظاہر کرنا منظور نہ تھا۔ کچھ بات بنا کر اور جواہر پوشاک لیکر اور قیمت اُس کی دیکر رخصت چاہی۔ اُس جوان نے روکھے پھیکے ہو کر کہا، "اے صاحب! اگر تم کو ایسی ہی ناآشنائی کرنی تھی، تو پہلے دوستی اتنی گرمی سے کرنی کیا ضرور تھی؟ بھلے آدمیوں میں صاحب سلامت کا پاس بڑا ہوتا ہے۔ یہ بات اِس مزے اور انداز سے کہی بے اختیار دل کو بھائی اور بے مروت ہو کر وہاں سے اُٹھنا انسانیت کے مناسب نہ جانا۔ اُس کی خاطر پھر بیٹھا اور بولا، تمہارا فرمانا سر آنکھوں پر، مَیں حاضر ہوں۔

اتنے کہنے سے بہت خوش ہوا، ہنس کر کہنے لگا: "اگر آج کے دن غریب خانے میں کرم کیجئے تو تمہاری بدولت مجلس خوشی کی جما کر دو چار گھڑی دل بہلا دیں، اور کچھ کھانے پینے کا شغل باہم بیٹھ کر کریں۔ فقیر نے اُس پری کو کبھو اکیلا نہ چھوڑا تھا، اُس کی تنہائی یاد کر کر چند در چند عذر کیے، پر اُس جوان نے ہرگز نہ مانا۔ آخر وعدہ اُن چیزوں کو پہنچا کر میرے پھر آنے کا لیکر اور قسم کھلا کر رخصت دی۔ مَیں دُکان سے اُٹھ کر جواہر اور خلعتیں اُس پری کی خدمت میں لایا۔ اُس نے قیمت جواہر کی اور حقیقت جوہری کی پوچھی۔ مَیں نے سارا احوال مول تول کا اور مہمانی کے بجد ہونے کا کہہ سنایا۔ فرمانے لگی، "آدمی کو اپنا قول قرار پورا کرنا واجب ہے، ہمیں خدا کی نگہبانی میں چھوڑ کر اپنے وعدے کو وفا کر، ضیافت قبول کرنی سنت رسول کی ہے۔ تب مَیں نے کہا، میرا دل چاہتا نہیں کہ تمہیں اکیلا چھوڑ کر جاؤں، اور حکم یوں ہوتا ہے، لاچار جاتا ہوں، جب تلک آؤنگا دل یہیں لگا رہیگا۔ یہ کہکر پھر اس جوہری کی دُکان پر گیا، وہ مونڈھے پر بیٹھا میرا انتظار کھینچ رہا تھا۔ دیکھتے ہی بولا "آؤ مہربان، بڑی راہ دکھائی۔"

وہیں اُٹھ کر میرا ہاتھ پکڑ لیا اور چلا، جاتے جاتے ایک باغ میں لے گیا وہ بڑی بہار کا باغ تھا، حوض اور نہروں میں فوارے چھوٹتے تھے، میوے طرح بہ طرح کے پھل رہے تھے، ہر ایک درخت مارے بوجھ کے جھوم رہا تھا

رنگ برنگ کے جانور اُن پر بیٹھے چہچہے کر رہے تھے، اور ہر مکان عالیشان میں فرش ستھرا اچھا تھا۔ وہاں لبِ نہر ایک بنگلے میں جا کر بیٹھا۔ ایک دم کے بعد آپ اُٹھ کر چلا گیا، پھر دوسری پوشاک معقول پہن کر آیا۔ میں نے دیکھکر کہا "سبحان اللہ! چشم بد دور۔ سنکر مسکرایا اور بولا "مناسب یہ ہے کہ صاحب بھی اپنا لباس بدل ڈالیں۔ اُس کی خاطر میں نے بھی دوسرے کپڑے پہنے اُس جوان نے بڑی ٹیپ ٹاپ سے تیاری ضیافت کی کی، اور سامان خوشی کا جیسا چاہیئے موجود کیا۔ اور فقیر سے صحبت بہت گرم کر مزے کی باتیں کرنے لگا۔ اتنے میں ساقی صراحی و پیالہ بلور کا لیکر حاضر ہوا اور گزک کئی قسم کی لا کے رکھی۔ نمکدان چُن دیئے، دور شراب کا شروع ہوا۔ جب دو چار جام کی نوبت پہنچی چار لڑکے امرد صاحب جمال زلفیں کھولے ہوئے مجلس میں آئے گانے بجانے لگے۔ یہ عالم ہوا اور ایسا سماں بندھا اگر تان سین اس گھڑی ہوتا، تو اپنی تان بھول جاتا، اور بیجو باورا سنکر باؤلا ہو جاتا۔ اس مزے میں ایکبارگی وہ جوان آنسو بھر لایا، دو چار قطرے بے اختیار نکل پڑے اور فقیر سے بولا۔ اب ہماری تمہاری دوستی جانی ہوئی، پس دل کا بھید دوستوں سے چھپانا کسو مذہب میں درست نہیں۔ ایک بات بے تکلف آشنائی کے بھروسے کہتا ہوں اگر حکم کرو تو اپنی معشوقہ کو بلوا کر اِس مجلس میں تسلی اپنے دل کی کروں۔ اُس کی جدائی سے جی نہیں لگتا۔

یہ بات ایسے اشتیاق سے کہی کہ بغیر دیکھے بھالے فقیر کا دل بھی مشتاق ہوا میں نے کہا. مجھے تمہاری خوشی درکار ہے. اس سے کیا بہتر؟ دیر نہ کیجیئے، سچ ہے معشوق بن کچھ اچھا نہیں لگتا۔ اس جوان نے چلون کی طرف اشارت کی، وونہیں ایک عورت کالی کلوٹی بھتنی سی جسکے دیکھنے سے انسان بے اجل مرجاوے، جوان کے پاس آن بیٹھی۔ فقیر اس کے دیکھنے سے ڈر گیا۔ دل میں کہا یہی بلا محبوبہ ایسے جوان پریزاد کی ہے جس کی اتنی تعریف اور اشتیاق ظاہر کیا! مَیں لاحول پڑھکر چُپ ہو رہا، اُسی عالم میں تین دن رات مجلس شراب اور راگ رنگ کی جمی رہی، چوتھی شب کو غلبہ نشہ اور نیند کا ہوا مَیں خواب غفلت میں بے اختیار سو گیا، جب صبح ہوئی اُس جوان نے جگایا، کئی پیالے خمار شکنی کے پلاکر اپنی معشوقہ سے کہا، اب زیادہ تکلیف مہمان کو دینی خوب نہیں۔

دونوں ہاتھ پکڑکے اُٹھے، مَیں نے رخصت مانگی خوشی بہ خوشی اجازت دی، تب مَیں نے جلد اپنے قدیمی کپڑے پہن لیئے اپنے گھر کی راہ لی، اور اس پری کی خدمت میں جا حاضر ہوا۔ مگر ایسا اتفاق کبھو نہ ہوا تھا کہ اُسے تنہا چھوڑ کر شب باش کہیں ہوا ہوں۔ اِس تین دن کی غیر حاضری سے نہایت خجل ہوکر عذر کیا، اور قصہ ضیافت کا اور اُسکے نہ رخصت کرنیکا سارا عرض کیا۔ وہ ایک دانا زمانے کی تھی، تبسم کرکے بولی، کیا مضائقہ اگر ایک دوست کی خاطر

رہنا ہوا؟ ہم نے معاف کیا، تیری کیا تقصیر ہے؟ جب آدمی کسو کے گھر جاتا ہے تب اُس کی مرضی سے پھر آتا ہے، لیکن یہ مفت کی مہمانیاں کھا چکے ہو رہو گے یا اس کا بدلا بھی اتارو گے؟ اب یہ لازم ہے کہ جا کر اُس سوداگر بچے کو اپنے ساتھ لے آؤ، اور اُس سے دو چند ضیافت کرو۔ اور اسباب کا کچھ اندیشہ نہیں، خدا کے کرم سے ایک دم میں سب لوازمہ تیار ہو جاویگا اور بہ خوبی مجلس ضیافت کی رونق پاویگی۔ فقیر موافق حکم کے جوہری پاس گیا اور کہا، تمہارا فرمانا تو میں سر آنکھوں سے بجا لایا، اب تم بھی مہربانی کی راہ سے میری عرض قبول کرو۔ اُس نے کہا جان و دل سے حاضر ہوں۔

تب میں نے کہا اگر اس بندے کے گھر تشریف لے چلو، عین غریب نوازی ہے۔ اُس جوان نے بہت عذر اور حیلے کئے، پر میں نے ہنڈ نہ چھوڑا جب تلک وہ راضی ہوا، ساتھ ہی ساتھ اُس کو اپنے مکان پر لے چلا۔ لیکن راہ میں یہی فکر کرتا آتا تھا کہ اگر آج اپنے تئیں مقدور ہوتا تو ایسی تواضع کرتا کہ یہ بھی خوش ہوتا۔ اب میں اسے لئے جاتا ہوں، دیکھئے کیا اتفاق ہوتا ہے۔ اسی حیص بیص میں گھر کے نزدیک پہنچا۔ تو کیا دیکھتا ہوں؟ کہ دروازے پر دھوم دھام ہو رہی ہے۔ گلیارے میں جھاڑو دیکر چھڑکاؤ کیا ہے۔ یساول اور عصا بردار کھڑے ہیں۔ میں حیران ہوا لیکن اپنا گھر جانکر قدم اندر رکھا، دیکھا تو تمام حویلی میں فرش مکلف لایق ہر مکان کے جا بجا بچھا ہے۔

اور مسندیں لگی ہیں۔ پاندان، گلاب پاش، عطردان، پیکدان، چنگریں، نرگس دان قرینے سے دھرے ہیں۔ طاقوں میں رنگترے، کنولے، نارنگیاں اور گلابیاں، رنگ برنگ کی چنی ہیں۔ ایک طرف رنگ آمیز ابرک کی ٹٹیوں میں چراغاں کی بہار ہے۔ ایک طرف جھاڑ اور سروکنول کے روشن ہیں، اور تمام دالان اور شہ نشینوں میں طلائی شمع دانوں پر کافوری شمعیں چڑھی ہیں، اور جڑاؤ فانوسیں اوپر دھری ہیں۔ سب آدمی اپنے اپنے عہدوں پر مستعد ہیں، باورچی خانے میں دیگیں ٹھنٹھنا رہی ہیں، آبدار خانے کی ویسی ہی تیاری ہے، کوری کوری ٹھلیاں روپے کی گھڑونچیوں پر صافیوں سے بندھیں، اور کجھروں سے ڈھکی رکھی ہیں۔ آگے چوکی پر ڈونگے کٹورے بمعہ تھالی، سرپوش، دھرے برف کے آبخورے لگ رہے ہیں، اور شورے کی صراحیاں ہل رہی ہیں۔

غرض سب اسباب پادشاہانہ موجود ہے، اور کنچنیاں، بھانڈ، بھگتیئے کلاونت، قوال، اچھی پوشاک پہنے ساز کے سُر ملائے حاضر ہیں۔ فقیر نے اُس جوان کو لے جاکر مسند پر بٹھایا اور دل میں حیران تھا کہ یا الٰہی! اتنے عرصے میں یہ سب تیاری کیوں کر ہوئی؟ ہر طرف دیکھتا پھرتا تھا لیکن اُس پری کا نشان کہیں نہ پایا۔ اسی جستجو میں ایک مرتبہ باورچی خانے کی طرف جانکلا، دیکھتا ہوں تو وہ نازنین ایک مکان میں گلے میں کرتی،

پاؤں میں تہ پوشی، سر پہ سفید رومالی اوڑھے ہوئے سادی خوزادی
بن گہنے پاتے بنی ہوئی۔

نہیں محتاج زیور کا جسے خوبی خدا نے دی
کہ جیسے خوش نما لگتا ہے دیکھو چاند بن گہنے

خبر گیری میں ضیافت کے لگ رہی ہے، اور تاکید ہر ایک کھانے کی کر رہی ہے، کہ خبردار بامزہ ہو اور آب و نمک بو باس درست رہے، اس محنت سے وہ گلاب سا بدن سارا پسینے پسینے ہو رہا ہے۔

مَیں پاس جا کر تصدّق ہوا اور اس شعور و لیاقت کو سراہ کر دعائیں دینے لگا۔ یہ خوشامد سُنکر تیوری چڑھا کر بولی، آدمی سے ایسے کام ہوتے ہیں کہ فرشتے کی مجال نہیں، میں نے ایسا کیا کیا ہے جو تو اتنا حیران ہو رہا ہے؟ بس بہت باتیں بنانیں مجھے خوش نہیں آتیں۔ بھلا کہہ تو یہ کون آدمیت ہے کہ مہمان کو اکیلا بٹھلا کر اِدھر اُدھر پڑے پھرے؟ وہ اپنے جی میں کیا کہتا ہوگا؟ جلد جا مجلس میں بیٹھکر مہمان کی خاطر داری کر، اور اُسکی معشوقہ کو بھی بُلوا کر اُس کے پاس بٹھلا۔ فقیر وونہیں اُس جوان کے پاس گیا اور گرم جوشی کرنے لگا۔ اتنے میں دو غلام صاحب جمال صراحی اور جام جڑاو ہاتھ میں لیئے روبرو آئے شراب پلانے لگے۔ اِس بیں میں نے اُس جوان سے کہا، مَیں سب طرح مخلص اور خادم ہوں، بہتر یہ ہے کہ وہ صاحبِ

جمال کہ جس کی طرف دل صاحب کا مائل ہے تشریف لاوے تو بڑی بات ہے، اگر فرماؤ تو آدمی بُلانے کی خاطر جاوے۔ یہ سُنتے ہی خوش ہو کر بولا بہت اچھا، اِس وقت تم نے میرے دل کی بات کہی۔ مَیں نے ایک خوجے کو بھیجا، جب آدھی رات گئی وہ چڑیل خاصے چوڈول پر سوار ہو کر بلائے ناگہانی سی آ پہنچی۔

فقیر نے لاچار خاطر سے مہمان کی استقبال کر کر نہایت تپاک سے برابر اُس جوان کے لا بٹھایا۔ جوان اُس کے دیکھتے ہی ایسا خوش ہوا جیسے دنیا کی نعمت ملی۔ وہ بُھتنی بھی اُس جوان پریزاد کے گلے لپٹ گئی، سچ مچ یہ تماشا ہوا جیسے چودھویں رات کے چاند کو گہن لگتا ہے۔ جتنے مجلس میں آدمی تھے، اپنی اپنی اُنگلیاں دانتوں میں دابنے لگے، کہ کیا کوئی بلا اِس جوان پر مسلط ہوئی؟ سب کی نگاہ اُسی طرف تھی، تماشا مجلس کا بھول کر اُس کا تماشا دیکھنے لگے۔ ایک شخص کنارے سے بولا، یارو! عشق اور عقل میں ضد ہے، جو کچھ عقل میں نہ آوے یہ کافر عشق کر دکھاوے، لیلیٰ کو مجنوں کی آنکھوں سے دیکھو، سبھوں نے کہا آمنّا، یہی بات ہے۔

یہ فقیر بہ موجب حکم کے مہمان داری میں حاضر تھا، ہر چند جوان ہم پیالہ ہم نوالہ ہونے کو مجوّز ہوتا تھا، پر مَیں ہرگز اُس پری کے خوف کے مارے اپنا دل کھانے پینے یا سیر تماشے کی طرف رجوع نہ کرتا تھا۔ اور

عُذر مہمان داری کا کرکے اُس کے شامل نہ ہوتا۔ اِسی کیفیت سے تین شبانہ روز گذرے۔ چوتھی رات وہ جوان نہایت جوشش سے مجھے بُلا کر کہنے لگا۔ اب ہم بھی رخصت ہونگے تمہاری خاطر اپنا سب کاروبار چھوڑ چھاڑ کر تین دن سے تمہاری خدمت میں حاضر ہیں۔ تم بھی تو ہمارے پاس ایک دم بیٹھ کر ہمارا دل خوش کرو۔ میں نے اپنے جی میں خیال کیا اگر اس وقت کہا اس کا نہیں مانتا تو آزردہ ہوگا۔ پس نئے دوست اور مہمان کی خاطر رکھنی ضرور ہے۔ تب یہ کہا، صاحب کا حکم بجا لانا منظور، کہ الامر مافوق الادب۔ سنتے ہی اس کو جوان نے پیالہ تواضع کیا اور میں نے پی لیا۔ پھر تو ایسا پیہم دَور چلا کہ تھوڑی دیر میں سب آدمی مجلس کے کیفی ہو کر بے خبر ہو گئے، اور میں بھی بے ہوش ہو گیا۔

جب صبح ہوئی اور آفتاب دو نیزے بلند ہوا، تب میری آنکھ کھلی، تو دیکھا میں نے نہ وہ تیاری ہے نہ وہ مجلس نہ وہ پری۔ فقط خالی حویلی پڑی ہے، مگر ایک کونے میں کمل لپٹا ہوا دھرا ہے۔ جو اُس کو کھول کر دیکھا تو وہ جوان اور اُس کی رنڈی دونوں سر کٹے پڑے ہیں۔ یہ حالت دیکھتے ہی حواس جاتے رہے۔ عقل کچھ کام نہیں کرتی کہ یہ کیا تھا اور کیا ہوا؟ حیرانی سے ہر طرف تک رہا تھا، اتنے میں ایک خواجہ سرا جسے ضیافت کے کام کاج میں دیکھا تھا نظر پڑا۔ فقیر کو اُس کے دیکھنے سے کچھ تسلّی ہوئی، احوال اِس واردات

کا پوچھا۔ اُس نے جواب دیا، تجھے اس بات کی تحقیق کرنے سے کیا حاصل جو
تو پوچھتا ہے؟ مَیں نے بھی اپنے دل میں غور کی کہ سچ تو کہتا ہے، پھر ایک
ذرہ تامّل کر کے مَیں بولا خیر نہ کہو، بھلا یہ تو بتاؤ وہ معشوقہ کس مکان میں ہے؟
تب اُس نے کہا البتّہ جو مَیں جانتا ہوں سو کہہ دونگا، لیکن تجھ سا آدمی
عقلمند بے مرضی حضور کے دو دن کی دوستی پر بے محابا بے تکلف ہو کر صحبت
مے نوشی کی باہم گرم کرے، یہ کیا معنی رکھتا ہے؟

فقیر اپنی حرکت اور اُس کی نصیحت سے بہت نادم ہوا۔ سوائے اِس
بات کے زبان سے کچھ نہ نکلا، فی الحقیقت اب تو تقصیر ہوئی معاف کیجئے، بارے
محلّی نے مہربان ہو کر اُس پری کے مکان کا نشان بتایا اور مجھے رخصت کیا
آپ اُن دونوں زخمیوں کے گاڑنے داینے کی فکر میں رہا۔ مَیں تہمت سے
اُس فساد کے الگ ہوا اور اشتیاق میں اُس پری کے ملنے کے لئے گھبرایا
ہوا، گرتا پڑتا ڈھونڈھتا شام کے وقت اُس کوچے میں اسی تپے پر جا پہنچا
اور نزدیک دروازے کے ایک گوشے میں ساری رات تلپھتے کٹی، کسو کی
آمدورفت کی آہٹ نہ ملی، اور کوئی احوال پُرساں میرا نہ ہوا۔ اُسی بیکسی
کی حالت میں صبح ہو گئی، جب سورج نکلا اُس مکان کے بالاخانے کی
ایک کھڑکی سے وہ ماہ رُو میری طرف دیکھنے لگی۔ اُس وقت عالم خوشی
کا جو مجھ پر گذرا، دل ہی جانتا ہے، شکر خدا کا کیا۔

اتنے میں ایک خوجے نے میرے پاس آکر کہا، اِس مسجد میں تو جا کر بیٹھ، شاید تیرا مطلب اس جگہ بر آوے، اور اپنے دل کی مراد پاوے۔ فقیر فرمانے سے اُس کے وہاں سے اُٹھ کر اُسی مسجد میں جا رہا، لیکن آنکھیں دروازے کی طرف لگ رہی تھیں، کہ دیکھیے پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے؟ تمام دن جیسے روزہ دار شام ہونے کا انتظار کھینچتا ہے، مَیں نے بھی وہ روز ویسی ہی بیقراری میں کاٹا۔ بارے جس تس طرح سے شام ہوئی اور دن پہاڑ سا چھاتی پر سے ٹلا۔ ایکبارگی وہی خواجہ سرا (جن نے اُس پری کے مکان کا پتا دیا تھا) مسجد میں آیا۔ بعد فراغت نماز مغرب کے میرے پاس آکر اُس شفیق نے (کہ سب راز و نیاز کا محرم تھا) نہایت تسلّی دے کر ہاتھ پکڑ لیا اور اپنے ساتھ لیچلا رفتہ رفتہ ایک باغیچے میں مجھے بٹھا کر کہا، یہاں رہو جب تک تمہاری آرزو بر آوے، اور آپ رخصت ہو کر شاید میری حقیقت حضور میں کہنے گیا۔ مَیں اُس باغ کے پھولوں کی بہار اور چاندنی کا عالم اور حوض نہروں میں فوارے ساون بھادوں کے اُچھلنے کا تماشا دیکھ رہا تھا، لیکن جب پھولوں کو دیکھتا تب اُس گلبدن کا خیال آتا، جب چاند پر نظر پڑتی تب اُس مہ رو کا مکھڑا یاد کرتا، یہ سب بہار اُس کے بغیر میری آنکھوں میں خار تھی۔

بارے خدا نے اُس کے دل کو مہربان کیا، ایک دم کے بعد وہ پری دروازے سے جیسے چودھویں رات کا چاند بناؤ کیے گلے میں پشواز بادلے

کی سنجاف کی موتیوں کا در دامن ٹکا ہوا اور سر پر اوڑھنی جس میں آنچل
پلو لہر گوکھرو لگا ہوا، سر سے پاؤں تک موتیوں میں جڑی روش پر آکر کھڑی
ہوئی۔ اُس کے آنے سے تر و تازگی نئے سر سے اُس باغ کو اور اس فقیر
کے دل کو ہو گئی۔ ایک دم اِدھر اُدھر سیر کر کر شہ نشین میں مغرق مسند پر
تکیہ لگا کر بیٹھی۔ مَیں دوڑ کر پروانے کی طرح جیسے شمع کے گرد پھرتا
ہے تصدق ہوا، اور غلام کے مانند دونوں ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہوا۔ اس میں
وہ خوجہ میری خاطر بہ طور سفارش کے عرض کرنے لگا۔ مَیں نے اُس محلّی
سے کہا، بندہ گنہگار تقصیر وار ہے، جو کچھ سزا میرے لایق ٹھہرے سو ہو۔ وہ
پری ازبسکہ ناخوش تھی، بد دماغی سے بولی کہ اب اِس کے حق میں یہی بھلا
ہے، کہ سو توڑے اشرفی کے لیوے، اپنا اسباب درست کر کے وطن کو سدھارے
میں یہ بات سنتے ہی کاٹھ ہو گیا اور سوکھ گیا، کہ اگر کوئی میرے بدن
کو کاٹے تو ایک بوند لہو کی نہ نکلے، اور تمام دنیا آنکھوں کے آگے اندھیری
لگنے لگی، اور ایک آہ نامرادی کی بے اختیار جگر سے نکلی، آنسو بھی ٹپکنے
لگے۔ سوائے خدا کے اُس وقت کسو کی توقع نہ رہی، مایوس محض ہو کر اتنا
بولا، بھلا ٹک اپنے دل میں غور فرمایئے، اگر مجھ کم نصیب کو دنیا کا لالچ ہوتا
تو اپنا جان و مال حضور میں نہ کھوتا۔ کیا ایکبارگی حق خدمت گذاری اور جاں
نثاری کا عالم سے اُٹھ گیا؟ جو مجھ سے کم بخت پر اتنی بے مہری فرمائی۔ خیر اَب

میرے تئیں بھی زندگی سے کچھ کام نہیں، معشوقوں کی بے وفائی سے بیچارے عاشقِ نیم جاں کا نباہ نہیں ہوتا۔

یہ سُنکر تیکھی ہو تیوری چڑھا کر خفگی سے بولی، چہ خوش! آپ ہمارے عاشق ہیں؟ مینڈکی کو بھی زکام ہوا؟ اے بیوقوف! اپنے حوصلے سے زیادہ باتیں بنانیں خیالِ خام ہے، چھوٹا منہ بڑی بات۔ بس چپ رہ یہ نکمی بات چیت مت کر، اگر کسی اور نے یہ حرکت بے معنی کی ہوتی، پروردگار کی سُوں اس کی بوٹیاں کٹوا چیلوں کو بانٹتی، پر کیا کروں؟ تیری خدمت یاد آتی ہے اب اسی میں بھلائی ہے کہ اپنی راہ لے۔ تیری قسمت کا دانا پانی ہماری سرکار میں یہیں تلک تھا۔ پھر مَیں نے روتے بسورتے کہا، اگر میری تقدیر میں یہی لکھا ہے کہ اپنے دل کے مقصد کو نہ پہنچوں اور جنگل پہاڑ میں سر ٹکراتا پھروں تو لاچار ہوں۔ اِس بات سے بھی دق ہو کہنے لگی، میرے تئیں یے پُھساہندے چوچلے اور رمز کی باتیں پسند نہیں آتیں، اِس اشارے کی گفتگو کی جو لایق ہو اُس سے جا کر کر۔ پھر اُسی خفگی کے عالم میں اُٹھ کر اپنے دولت خانے کو چلی۔ مَیں نے بہتیرا سر ٹپکا، متوجہ نہ ہوئی۔ لاچار میں بھی اُس مکان سے اُداس اور نا اُمید ہو کر نکلا۔

غرض چالیس دن تک یہی نوبت رہی۔ جب شہر کی کوچہ گردی سے اُکتا تا جنگل میں نکل جاتا، جب وہاں سے گھبراتا، پھر شہر کی گلیوں میں دیوانہ سا

آتا۔ نہ دن کو کھاتا نہ رات کو سوجاتا، جیسے دھوبی کا کتا نہ گھر کا نہ گھاٹ کا۔ زندگی انسان کی کھانے پینے سے ہے، آدمی اناج کا کیڑا ہے۔ طاقت بدن میں مطلق نہ رہی، اپاہج ہو کر اُسی مسجد کی دیوار کے تلے جا پڑا، کہ ایک روز وہی خواجہ سرا جمعے کی نماز پڑھنے آیا، میرے پاس سے ہو کر چلا، میں یہ شعر آہستہ ناطاقتی سے پڑھ رہا تھا۔

اِس دردِ دل سے موت ہو یا دل کو تاب ہو،

قسمت میں جو لکھا ہو الٰہی شتاب ہو۔

اگرچہ ظاہر میں صورت میری بالکل تبدیل ہو گئی تھی، چہرے کی یہ شکل بنی تھی کہ جن نے مجھے پہلے دیکھا تھا، وہ بھی نہ پہچان سکتا کہ یہ وہی آدمی ہے لیکن وہ محلی آواز درد کی سُنکر متوجہ ہوا، میرے تئیں بہ غور دیکھکر افسوس کیا اور شفقت سے مخاطب ہوا کہ آخر یہ حالت اپنی پہنچائی۔ میں نے کہا، اب تو جو ہوا سو ہوا، مال سے بھی حاضر تھا، جان بھی تصدق کی، اُس کی خوشی یوں ہی ہوئی تو کیا کروں؟

یہ سنکر ایک خدمتگار میرے پاس چھوڑ کر مسجد میں گیا، نماز اور خطبے سے فراغت کر کر جب باہر نکلا، فقیر کو ایک میانے میں ڈال کر اپنے ساتھ خدمت میں اُس پری بے پروا کی لیجا کر چق کے باہر بٹھایا۔ اگرچہ میری رو ہٹ کچھ باقی نہ رہی تھی پر مدت تلک شب و روز اُس پری کے پاس اتفاق رہنے

کا ہوا تھا، جان بوجھ کر بیگانی ہو کر پوچھنے لگی، یہ کون ہے؟
اُس مردِ آدمی نے کہا، یہ وہی کم بخت بدنصیب ہے جو حضور کی خفگی اور عتاب میں پڑا تھا، اُسی سبب سے اِس کی یہ صورت بنی ہے، عشق کی آگ سے جلا جاتا ہے، ہر چند آنسوؤں کے پانی سے بجھاتا ہے۔ پر وہ دُونی بھڑکتی ہے۔ کچھ فائدہ نہیں ہوتا، علاوہ اپنی تقصیر کی خجالت سے مُوا جاتا ہے۔ پری نے ٹھٹھولی سے فرمایا، کیوں جھوٹھ بکتا ہے؟ بہت دن ہوئے اُس کی خبر وطن پہنچنے کی مجھے خبرداروں نے دی ہے۔ واللہ اعلم، یہ کون ہے اور تو کس کا ذکر کرتا ہے؟ اُس دم خواجہ سرا نے ہاتھ جوڑ کر التماس کیا، اگر جان کی اماں پاؤں تو عرض کروں۔ فرمایا کہہ، تیری جان تجھے بخشی۔ خوجا بولا، آپ کی ذات قدر دان ہے، واسطے خدا کے چلون کو درمیان سے اُٹھوا کر پہچانیئے اور اِس کی بیکسی کی حالت پر رحم کیجئے، ناحق شناسی خوب نہیں۔ اب اِس کے احوال پر جو کچھ ترس کھائیے بجا ہے اور جائے ثواب ہے، آگے حدِ ادب، جو مزاج مبارک میں آوے سوہی بہتر ہے۔

اتنے کہنے پر مُسکرا کر فرمایا، بھلا، کوئی ہو اِسے دار الشفا میں رکھو، جب بھلا چنگا ہو گا تب اُس کے احوال کی پرسش کی جائیگی۔ خوجے نے کہا اگر اپنے دستِ خاص سے گلاب اِس پر چھڑکیئے اور زبان سے کچھ فرمائیے تو اِس کو اپنے جینے کا بھروسا بندھے۔ ناامیدی بُری چیز ہے، دنیا بہ اُمید

قائم ہے۔ اس پر بھی اُس پری نے کچھ نہ کہا۔ یہ سوال و جواب سُنکر میں بھی اپنے جی سے اُکتا رہا تھا۔ بدھڑک بول اُٹھا کہ اب اِس طور کی زندگی کو دل نہیں چاہتا۔ پاؤں تو گور میں لٹکا چکا ہوں، ایک روز مرنا ہے اور علاج میرا بادشاہ زادی کے ہاتھ میں ہے، کریں یا نہ کریں وہ جانیں۔ بارے مقلب القلوب نے اُس سنگدل کے دل کو نرم کیا، مہربان ہوکر فرمایا جلد بادشاہی حکیموں کو حاضر کرو۔ وہ نہیں طبیب آکر جمع ہوئے۔ نبض قارورہ دیکھ کر بہت غور کی۔ آخرش تشخیص میں ٹھہرا کہ یہ شخص کہیں عاشق ہوا ہے۔ سوائے وصل معشوق کے اِس کا کچھ علاج نہیں، جس وقت وہ ملے یہ صحت پاوے۔ جب حکیموں کی بھی زبانی یہی مرض میرا ثابت ہوا، حکم کیا اس جوان کو گرمابے میں لے جاؤ، نہلا کر خاصی پوشاک پہنا کر حضور میں لے آؤ۔ وہیں مجھے باہر لے گئے، حمام کروا اچھے کپڑے پہنا خدمت میں پری کی حاضر کیا۔ تب وہ نازنین تپاک سے بولی تو نے مجھے بیٹھے بٹھائے ناحق بدنام اور رسوا کیا، اب اور کیا کیا چاہتا ہے؟ جو تیرے دل میں ہے صاف صاف بیان کر۔

یا فُقرا! اُس وقت یہ عالم ہوا کہ شادیِ مرگ ہو جاؤں، خوشی کے مارے ایسا پھولا کہ جامے میں نہ سماتا تھا، اور صورت شکل بدل گئی۔ شکر خدا کا کیا اور اُس سے کہا، اِس دم ساری حکیمی آپ پر ختم ہوئی کہ مجھ سے مُردے کو ایک بات میں زندہ کیا۔ دیکھو تو اُس وقت سے اِس وقت تک

میرے احوال میں کیا فرق ہوگیا؟ یہ کہہ کر تین بار گِرد پھرا اور سامنے آکر کھڑا ہوا اور کہا، حضور سے یوں حکم ہوتا ہے کہ جو تیرے جی میں ہو سو کہہ، بندے کو ہفت اقلیم کی سلطنت سے زیادہ یہ ہے، کہ غریب نوازی کرکر اِس عاجز کو قبول کیجئے اور اپنی قدم بوسی سے سرفرازی دیجئے۔ ایک لمحہ تو سُنکر غوطے میں گئی۔ پھر کن انکھیوں سے دیکھ کر کہا بیٹھو، تم نے خدمت اور وفاداری ایسی ہی کی ہے، جو کچھ کہو سو پھبتی ہے اور اپنے بھی دل پر نقش ہے، خیر ہم نے قبول کیا۔

اُسی دن اچھی ساعت سُبھ لگن میں چپکے چپکے قاضی نے نکاح پڑھ دیا۔ بعد اتنی محنت اور آفت کے خدا نے یہ دن دکھایا کہ مَیں نے اپنے دل کا مدّعا پایا، لیکن جیسی دل میں آرزو اُس پری سے ہم بستر ہونے کی تھی، ویسی ہی جی میں بے کلی اُس وارداتِ عجیب کے معلوم کرنے کی تھی، کہ آج تک مَیں نے کچھ نہ سمجھا کہ یہ پری کون ہے؟ اور وہ حبشی سانولا سجیلا جس نے ایک پرزے کاغذ پر اتنی اشرفیوں کے بدلے میرے حوالے کئے کون تھا؟ اور تیاری ضیافت کی پادشاہوں کے لایق ایک پہر میں کیوں کر ہوئی؟ اور وہ دونوں بے گناہ اُس مجلس میں کس لئے مارے گئے؟ اور سبب خفگی اور بے مروّتی کا (باوجود خدمت گذاری اور نازبرداری کے) مجھ پر کیا ہوا؟ اور پھر ایکبارگی اس عاجز کو یوں سربلند کیا؟ غرض اسی واسطے بعد رسم رسومات

عقد کے آٹھ دن تلک باوصف اِس اشتیاق کے قصد مباشرت کا نہ کیا، رات کو ساتھ سوتا، دن کو یونہیں اُٹھ کھڑا ہوتا۔

ایک دن غسل کرنے کے لیئے مَیں نے خواص کو کہا کہ تھوڑا پانی گرم کردے تو نہاؤں۔ ملکہ مسکرا کر بولی کس برتے پر تتا پانی؟ مَیں خاموش ہو رہا، لیکن وہ پری میری حرکت سے حیران ہوئی، بلکہ چہرے پر آثار خفگی کے نمود ہوئے، یہاں تلک کہ ایک روز بولی تم بھی عجب آدمی ہو۔ یا اتنے گرم یا ایسے ٹھنڈے، اِس کو کیا کہتے ہیں؟ اگر تم میں قوت نہ تھی تو کیوں ایسی کچی ہوس پکائی؟ اُس وقت مَیں نے بے دھڑک ہو کر کہا اے جانی! منصفی شرط ہے، آدمی کو چاہیئے کہ انصاف سے نہ چوکے۔ بولی اب کیا انصاف رہ گیا ہے؟ جو کچھ ہونا تھا سو ہو چکا۔ فقیر نے کہا، واقعی بڑی آرزو اور مراد میری یہی تھی سو مجھے ملی، لیکن دل میرا دُبدھے میں ہے، اور دودلے آدمی کی خاطر پریشان رہتی ہے۔ اُس سے کچھ ہو نہیں سکتا انسانیت سے خارج ہو جاتا ہے۔ میں نے اپنے دل میں یہ قول کیا تھا کہ بعد اِس نکاح کے (کہ عین دل کی شادی ہے) بعضی بعضی باتیں (جو خیال میں نہیں آتیں اور نہیں کھلتیں) حضور میں پوچھونگا کہ زبان مبارک سے اُس کا بیان سنوں تو جی کو تسکین ہو۔ اُس پری نے چیں بہ جبیں ہو کر کہا کیا خوب! ابھی سے بھول گئے۔ یاد کرو بارہا ہم نے کہا ہے کہ ہمارے کام میں ہرگز دخل نہ کیجیو، اور کسی

بات کے متعرض نہ ہوجیو۔ خلاف معمول یہ بے ادبی کرنی کیا لازم ہے؟ فقیر نے ہنس کر کہا جیسی اور بے ادبیاں معاف کرنے کا حکم ہے، ایک یہ بھی سہی وہ پری نظریں بدل کر تیہے میں آکر آگ کا بگولا بن گئی اور بولی، اب تو بہت سر چڑھا! جا اپنا کام کر، ان باتوں سے تجھے کیا فائدہ ہوگا؟ مَیں نے کہا، دنیا میں اپنے بدن کی شرم سب سے زیادہ ہوتی ہے، لیکن ایک دوسرے کا واقف کار ہوتا ہے، پس جب ایسی چیز دل پر روا رکھی تو اور کون سا بھید چھپانے کے لایق ہے؟

میری اس رمز کو وہ پری وقوف سے دریافت کرکر کہنے لگی۔ یہ بات سچ ہے پر جی میں یہ سوچ آتا ہے، کہ اگر مجھ نگوڑی کا راز فاش ہو تو بڑی قیامت مچے۔ مَیں بولا یہ کیا مذکور ہے؟ بندے کی طرف سے یہ خیال دل میں نہ لاؤ، اور خوشی سے ساری کیفیت جو بیتی ہے فرماؤ، ہرگز ہرگز میں دل سے زبان تک نہ لاؤنگا، کسو کے کان پڑنا کیا امکان ہے؟ جب اُس نے دیکھا کہ اب سوائے کہنے کے اِس عزیز سے چھٹکارا نہیں، لاچار ہوکر بولی، اِن باتوں کے کہنے میں بہت سی خرابیاں ہیں، تو خواہ نخواہ درپے ہوا۔ خیر تیری خاطر عزیز ہے، اس لیئے اپنی سرگذشت بیان کرتی ہوں۔ تجھے بھی اُس کا پوشیدہ رکھنا ضرور ہے، خبر شرط۔

غرض بہت سی تاکید کرکر کہنے لگی، کہ مَیں بدبخت ملکِ دمشق کے سلطان

کی بیٹی ہوں۔ اور وہ سلاطینوں سے بڑا بادشاہ ہے۔ سوائے میرے کوئی
لڑکا بالا اُس کے یہاں نہیں ہوا۔ جس دن سے مَیں پیدا ہوئی ماباپ کے
سائے میں ناز ونعمت اور خوشی خرمی سے پلی۔ جب ہوش آیا تب اپنے
دل کو خوبصورتوں اور نازنینوں کے ساتھ لگایا۔ چنانچہ ستھری ستھری
پریزاد، ہجولی اُمرازادیاں مصاحبت میں، اور اچھی اچھی قبول صورت ہم عمر
خواصیں سہیلیاں خدمت میں رہتی تھیں۔ تماشا ناچ اور راگ رنگ کا ہمیشہ
دیکھا کرتی، دنیا کے بھلے بُرے سے کچھ سروکار نہ تھا، اپنی بے فکری کے عالم
کو دیکھ کر سوائے خدا کے شکر کے کچھ منہ سے نہ نکلتا تھا۔

اتفاقاً طبیعت خود بخود ایسی بے مزہ ہوئی کہ نہ مصاحبت کسو کی بھاوے
نہ مجلس خوشی کی خوش آوے۔ سودائی سا مزاج ہوگیا، دل اُداس اور حیران
نہ کسو کی صورت اچھی لگے، نہ بات کہنے سننے کو جی چاہے۔ میری یہ حالت دیکھ کر
دائی دوا چھوچھو انگا سب کی سب متفکر ہوئیں، اور قدم پر گرنے لگیں۔ یہی
خواجہ سرا نمک حلال قدیم سے میرا محرم اور ہمراز ہے، اِس سے کوئی بات مخفی
نہیں، میری وحشت دیکھ کر بولا کہ اگر بادشاہ زادی تھوڑا سا شربت ورق الخیال
کا نوش جان فرماویں، تو اغلب ہے کہ طبیعت بحال ہو جاوے اور فرحت مزاج
میں آوے۔ اُس کے اس طرح کے کہنے سے مجھے بھی شوق ہوا، تب مَیں نے
فرمایا جلد حاضر کر۔

محلی باہر گیا اور ایک صراحی اسی شربت کی تکلف سے بنا کر برف میں لگا کر لڑکے کے ہاتھ لوا کر آیا۔ مَیں نے پیا اور جو کچھ اُس کا فائدہ بیان کیا تھا ویسا ہی دیکھا۔ اُسی وقت اُس خدمت کے انعام میں ایک بھاری خلعت خوجے کو عنایت کی، اور حکم کیا کہ ایک صراحی ہمیشہ اِسی وقت حاضر کیا کرے۔ اُس دن سے یہ مقرر ہوا کہ خواجہ سرا صراحی اُسی چھوکرے کے ہاتھ لوا لاوے، اور بندی پی جاوے جب اُس کا نشہ طلوع ہوتا، تو اُس کی لہر میں اُس لڑکے سے ٹھٹھا مزاح کر کر دل بہلاتی تھی۔ وہ بھی جب ڈھیٹھ ہوا تب اچھی اچھی میٹھی باتیں کرنے لگا، اور اچنبھے کی نقلیں لانے، بلکہ آہ اوہی بھی بھرنے، اور سسکیاں لینے۔ صورت تو اُس کی طرح دار لائق دیکھنے کے تھی، بے اختیار جی چاہنے لگا۔ میں دل کے شوق سے اور اٹھکھیلیوں کے ذوق سے ہر روز انعام بخشش دینے لگی، پر وہ کم بخت اُنھیں کپڑوں سے جیسے ہمیشہ پہن رہا تھا حضور میں آتا۔ بلکہ وہ لباس بھی مَیلا کچیلا ہو جاتا۔

ایک دن پوچھا کہ تجھے سرکار سے اتنا کچھ ملا، پر تو نے اپنی صورت ویسی کی ویسی ہی پریشان بنا رکھی۔ کیا سبب ہے، وے روپے کہاں خرچ کئے، یا جمع کر رکھے؟ لڑکے نے یے خاطر داری کی باتیں جو سُنیں، اور مجھے احوال پُرساں پایا، آنسو ڈبڈبا کر کہنے لگا۔ جو کچھ آپ نے اس غلام کو عنایت کیا سب اُستاد نے لے لیا، مجھے ایک پیسا نہیں دیا۔ کہاں سے دوسرے کپڑے

بناؤں جو پہنکر حضور میں آؤں؟ اِس میں میری تقصیر نہیں، مَیں لاچار ہوں۔
اِس غریبی کے کہنے پر اُس کے ترس آیا، دونہیں خواجہ سرا کو فرمایا کہ آج سے
اِس لڑکے کو اپنی صحبت میں تربیت کر، اور اچھا لباس تیار کروا کر پہنا، اور
لونڈوں میں بے فائدہ کھیلنے کودنے نہ دے۔ بلکہ اپنی خوشی یہ ہے کہ آداب
لائق حضور کی خدمت کے سیکھے اور حاضر رہے۔ خواجہ سرا موافق فرمانے کے
بجالایا، اور میری مرضی جو اُدھر دیکھی نہایت اُس کی خبر گیری کرنے لگا۔ تھوڑے
دنوں میں فراغت اور خوش خوری کے سبب سے اُس کا رنگ و روغن
کچھ کا کچھ ہو گیا اور کینچلی سی ڈال دی۔ میں اپنے دل کو ہر چند سنبھالتی پر اُس
کافر کی صورت جی میں ایسی کھُب گئی تھی، یہی جی چاہتا کہ مارے پیار کے
اُسے کلیجے میں ڈال رکھوں، اور اپنی آنکھوں سے ایک پل جدا نہ کروں۔
آخر اس کو مصاحبت میں داخل کیا، اور خلعتیں طرح بہ طرح کی اور
جواہر رنگ بہ رنگ کے پہنا کر دیکھا کرتی۔ بارے اُس کے نزدیک رہنے سے
آنکھوں کو سکھ کلیجے کو ٹھنڈھک ہوئی، ہر دم اُس کی خاطر داری کرتی، آخر
کو میری یہ حالت پہنچی کہ اگر ایک دم کچھ ضروری کام کو میرے سامنے سے
جاتا، تو چین نہ آتا۔ بعد کئی برس کے وہ بالغ ہوا، مسیں بھیگنے لگیں، جھب
تختی درست ہوئی، تب اُس کا چرچا باہر درباریوں میں ہونے لگا۔ دربان
اور رَوَنّے، میوڑے، باریدار، اور یساول چوبدار اُس کو محل کے اندر آنے

جانے سے منع کرنے لگے۔ آخر اُس کا آنا موقوف ہوا۔ مجھے تو اُس بغیر کل نہ پڑتی تھی، ایک دم پہاڑ تھا۔ جب یہ احوال نا اُمیدی کا سُنا، ایسی بدحواس ہوگئی گویا مجھ پر قیامت ٹوٹی۔ اور یہ حالت ہوئی کہ نہ کچھ کہہ سکتی ہوں، نہ اُس بِن رہ سکتی ہوں۔ کچھ بس نہیں چل سکتا، الٰہی کیا کروں! عجب طرح کا قلق ہوا، مارے بے قراری کے اُسی محلّی کو (جو میرا بھید و تھا) بلا کر کہا کہ مجھے غور اور پرداخت اُس لڑکے کی منظور ہے، بالفعل صلاح وقت یہ ہے کہ ہزار اشرفی پونجی دیکر چوک کے چوراہے میں دوکان جوہری کی کروا دو، تو تجارت کرکے اُس کے نفع سے اپنی گذران فراغت سے کیا کرے۔ اور میرے محل کے قریب ایک حویلی اچھے نقشے کی رہنے کے لئے بنوا دو۔ لونڈی غلام نوکر چاکر جو ضرور ہوں مول لیکر اور درماہا مقرر کرکر اُس کے پاس رکھوا دو کہ کسو طرح بے آرام نہ ہو۔ خواجہ سرا نے اُس کی بود و باش کی اور جوہری پنے اور تجارت کی سب تیاری کر دی۔ تھوڑے عرصے میں اُس کی دوکان ایسی چمکی اور نمود ہوئی کہ جو خلعتیں فاخرہ اور جواہر بیش قیمت سرکار میں بادشاہ کی اور امیروں کی درکار و مطلوب ہوتے، اُسی کے یہاں بہم پہنچتے۔ آہستہ آہستہ یہ دوکان جمی کہ جو تحفہ ہر ایک ملک کا چاہیئے وہیں ملے۔ سب جوہریوں کا روزگار اُس کے آگے مندا ہوگیا۔ غرض اُس شہر میں کوئی برابری اُسکی نہ کر سکتا، بلکہ کسی ملک میں ویسا کوئی نہ تھا۔

اِسی کاروبار میں اُس نے تو لاکھوں روپے کمائے، پر جدائی اُسکی روز بروز نقصان میرے تن بدن کا کرنے لگی۔ کوئی تدبیر نہ بن آئی کہ اُسکو دیکھ کر اپنے دل کی تسلی کروں۔ ندان صلاح کی خاطر اُسی واقف کار محلی کو بُلایا اور کہا۔ کہ کوئی ایسی صورت بن نہیں آتی کہ ذرا اُس کی صورت مَیں دیکھوں اور اپنے دل کو صبر دوں۔ مگر یہ طرح ہے کہ ایک سرنگ اُس کی حویلی سے کھدوا کر محل میں ملوا دو۔ حکم کرتے ہی تھوڑے دنوں میں ایسی نقب تیار ہوئی کہ جب سانجھ ہوتی چپکے ہی وہ خواجہ سرا اُس جوان کو اسی راہ سے لے آتا۔ تمام شب شراب وکباب وعیش وعشرت میں کٹتی۔ مَیں اُس کے ملنے سے آرام پاتی، وہ میرے دیکھنے سے خوش ہوتا۔ جب فجر کا تارا نکلتا اور مؤذن اذان دیتا، محلی اُسی راہ سے اُس جوان کو اُس کے گھر پہنچا دیتا۔ ان باتوں سے سوائے اُس خوجے کے اور دو دائیوں کے (جنھوں نے مجھے دودھ پلایا اور پالا تھا) چوتھا آدمی کوئی واقف نہ تھا۔

مدت تلک اِس طرح سے گذری۔ ایک روز یہ اتفاق ہوا، کہ موافق معمول کے خواجہ سرا جو اُس کو بلانے گیا دیکھے تو وہ جوان فکرمند سا چُپکا بیٹھا ہے۔ محلی نے پوچھا آج خیر ہے کیوں ایسے دلگیر ہو رہے ہو؟ چلو حضور میں یاد فرمایا ہے۔ اُس نے ہرگز کچھ جواب نہ دیا۔ زبان نہ ہلائی۔ خواجہ سرا اپنا سا منہ لیکر اکیلا پھر آیا، اور احوال اُس کا عرض کیا۔ میرے تئیں شیطان جو

خراب کرے اس پر بھی محبت اُس کی دل سے نہ بھولی۔ اگر یہ جانتی کہ عشق اور چاہ ایسے نمک حرام بے وفائی آخر کو بدنام اور رسوا کرے گی۔ اور ننگ و ناموس سب ٹھکانے لگے گا۔ تو اُسی دم اُس کام سے باز آتی۔ اور توبہ کرتی۔ پھر اُس کا نام نہ لیتی نہ اپنا دل اُس بے حیا کو دیتی۔ پر ہونا تو یوں تھا۔ اس لیئے حرکت بیجا اُسکی خاطر میں نہ لائی۔ اور اُس کے نہ آنے کو معشوقوں کا چوچلا اور ناز سمجھا۔ اُس کا نتیجہ یہ دیکھا کہ اس سرگذشت سے بغیر دیکھے بھالے تو بھی واقف ہوا نہیں تو میں کہاں اور تو کہاں؟ خیر جو ہوا سو ہوا۔ اس خردماغی پر بُرس گذرنے کی خیال نہ کر دوبارہ خوجے کے ہاتھ پیغام بھیجا۔ کہ اگر تو اس وقت نہیں آویگا تو میں کسو نہ کسو ڈھب سے وہیں آتی ہوں۔ لیکن میرے آنے میں بڑی قباحت ہے۔ اگر یہ راز فاش ہوا تو تیرے حق میں بہت بُرا ہے۔ تب ایسا کام نہ کر جس میں سوائے رسوائی کے اور کچھ پھل نہ ملے۔ بہتر یہی ہے کہ جلد چلا آ نہیں تو مجھے پہنچا جان۔ جب یہ سندیسا گیا اور اشتیاق میرا نپٹ دیکھا بھونڈی سی صورت بنائے ہوئے ناز نخرے سے آیا۔

جب میرے پاس بیٹھا تب میں نے اُس سے پوچھا کہ آج رکاوٹ اور خفگی کا کیا باعث ہے؟ اتنی شوخی اور گستاخی تو نے کبھو نہ کی تھی ہمیشہ بلا عذر حاضر ہوتا تھا۔ تب اُس نے کہا کہ میں گمنام غریب حضور کی توجہ سے اور دامنِ دولت کے باعث اِس مقدور کو پہنچا۔ بہت آرام سے زندگی کٹتی ہے

آپ کے جان و مال کو دعا کرتا ہوں۔ یہ تقصیر پادشاہزادی کے معاف کرنے کے بھروسے اِس گنہگار سے سرزد ہوئی۔ اُمیدوار عفو کا ہوں۔ مَیں تو جان و دل سے اُسے چاہتی تھی، اُس کی بناوٹ کی باتوں کو مان لیا۔ اور شرارت پہ نظر نہ کی۔ بلکہ پھر دلداری سے پوچھا کہ کیا تجھ کو ایسی مشکل کٹھن پیش آئی، جو ایسا متفکر ہو رہا ہے؟ اُس کو عرض کر، اُسکی بھی تدبیر ہو جائیگی۔

غرض اُس نے اپنی خاکساری کی راہ سے یہی کہا، کہ مجھ کو سب مشکل ہے، آپ کے روبرو سب آسان ہے۔ آخر اُس کے فحوائے کلام اور بت کھاؤ سے یہ کھُلا، کہ ایک باغ نہایت سرسبز اور عمارت عالی حوض تالاب کوئی پختہ سمیت غلام کی حویلی کے نزدیک نافِ شہر میں بکاؤ ہے۔ اور اُس باغ کے ساتھ ایک لونڈی بھی گائن کہ علم موسیقی میں خوب سلیقہ رکھتی ہے۔ یہ دونوں باہم بکتے ہیں نہ اکیلا باغ، جیسے اونٹ کے گلے میں بِلّی۔ جو کوئی وہ باغ لیوے اُس کنیز کی بھی قیمت دیوے، اور تماشا یہ ہے کہ باغ کا مول پانچ ہزار روپے، اور اُس باندی کا بہا پانچ لاکھ۔ فدوی سے اتنے روپے بالفعل سرانجام نہیں ہو سکتے۔ میں نے اس کا دل بہت بے اختیار شوق میں اُنکی خریداری کے پایا۔ کہ اسی واسطے دل حیران اور خاطر پریشان تھا، باوجودیکہ روبرو میرے بیٹھا تھا، تب بھی اُس کا چہرہ ملین اور جی اُداس تھا۔ مجھے تو خاطرداری اُس کی ہر گھڑی اور ہر پل منظور تھی، اسی وقت خواجہ سرا کو حکم کیا کہ کل صبح کو قیمت

اُس باغ کی لونڈی سمیت چکا کر قبالہ باغ کا اور خط کنیزک کا لکھوا کر اس شخص کے حوالے کرو۔ اور مالک کو زرِ قیمت خزانۂ عامرہ سے دلوادو۔

اِس پروانگی کے سنتے ہی جوان نے آداب بجا لایا اور منہ پہ رو مٹ آئی، ساری رات اُسی قاعدے سے جیسے ہمیشہ گذرتی تھی ہنسی خوشی سے کٹی۔ فجر ہوتے ہی وہ رخصت ہوا، خوجے نے موافق فرمانے کے اُس باغ کو اور لونڈی کو خرید کر دیا۔ پھر وہ جوان رات کو موافق معمول کے آیا جایا کرتا۔ ایک روز بہار کے موسم میں کہ مکان بھی دلچسپ تھا، بدلی گھمنڈ رہی تھی، پھوہیاں پڑ رہی تھیں، بجلی بھی کوندھ رہی تھی۔ اور ہوا نرم نرم بہتی تھی۔ غرض عجب کیفیت اُس دم تھی۔ جو نہیں رنگ بہ رنگ کے حباب اور گلابیاں طاقوں پہ چنی ہوئی نظر پڑیں، دل للچایا کہ ایک گھونٹ لوں۔ جب دو تین پیالوں کی نوبت پہنچی دونہیں خیال اُس باغ نو خرید کا گذرا۔ کمال شوق ہوا کہ ایکدم اِس عالم میں وہاں کی سیر کیا چاہیئے۔ کم بختی جو آوے، اونٹ چڑھے کتا کاٹے۔ اچھی طرح بیٹھے بٹھائے ایک دائی کو ساتھ لیکر سرنگ کی راہ سے اُس جوان کے مکان کو گئی، وہاں سے باغ کی طرف چلی۔ دیکھا تو ٹھیک اُس باغ کی بہار بہشت کی برابری کر رہی ہے۔ قطرے مینہ کے درختوں کے سبز سبز پتوں پر جو پڑے ہیں، گویا زمرد کی پڑیوں پر موتی جڑے ہیں، اور سرخی پھولوں کی اُس ابر میں ایسی بھلی لگتی ہے جیسے شام کو شفق پھولی ہے۔ اور نہریں لبالب

مانند فرش آئینے کے نظر آتی ہیں اور موجیں لہراتی ہیں۔

غرض اُس باغ میں ہر طرف سیر کرتی پھرتی تھی۔ کہ دن ہو چکا۔ سیاہی شام کی نمود ہوئی۔ اتنے میں وہ جوان ایک روش پر نظر آیا۔ اور مجھے دیکھ کر بہت ادب اور گرم جوشی سے آگے بڑھ کے میرے ہاتھ کو اپنے ہاتھ پر دھر کر بارہ دری کی طرف لے چلا۔ جب وہاں میں گئی تو وہاں کے عالم نے سارے باغ کی کیفیت کو دل سے بھلا دیا۔ یہ روشنی کا ٹھاٹھ تھا جا بجا قمقمے سرو چراغاں کنول اور فانوس خیال شمع مجلس حیران اور فانوسیں روشن تھیں کہ شبِ برات باوجود چاندنی اور چراغاں کے اُس کے آگے اندھیری لگتی۔ ایک طرف آتش بازی پھلجھڑی انار داؤدی جھنپا مروارید مہتابی ہوائی چرخی ہتھ پھول جاہی جوہی پٹاخے ستارے چھُٹتے تھے۔

اس عرصے میں بادل پھٹ گیا اور چاند نکل آیا بعینہ جیسے نافرمانی جوڑا پہنے ہوئے کوئی معشوق نظر آجاتا ہے۔ بڑی کیفیت ہوئی چاندنی چھٹکتے ہی جوان نے کہا۔ کہ اب چلکر باغ کے بالا خانے پر بیٹھیے۔ میں ایسی احمق ہو گئی تھی کہ جو وہ نگوڑا کہتا سو میں مان لیتی۔ اب یہ ناچ نچایا کہ مجھ کو اوپر لے گیا۔ وہ کوٹھا ایسا بلند تھا کہ تمام شہر کے مکان اور بازار کے چراغاں گویا اُس کے پائیں باغ تھے۔ میں اُس جوان کے گلے میں بانہہ ڈالے ہوئے خوشی کے عالم میں بیٹھی تھی۔ اتنے میں ایک رنڈی نہایت بھونڈی سی صورت

نہ شکل چوٹھے میں سے نکل شراب کا شیشہ ہاتھ میں لیئے ہوئے آپہنچی۔ مجھے اُس وقت اُس کا آنا نپٹ بُرا لگا۔ اور اُس کی صورت دیکھنے سے دِل میں ہول اُٹھی

تب مَیں نے گھبرا کر جوان سے پوچھا کہ یہ تحفۂ علت کون ہے؟ تونے کہاں سے پیدا کی؟ وہ جوان ہاتھ باندھ کر کہنے لگا کہ یہ وہی لونڈی ہے جو اِس باغ کے ساتھ حضور کی عنایت سے خرید ہوئی۔ میں نے معلوم کیا کہ اس احمق نے بڑی خواہش سے اِس کو لیا ہے۔ شاید اس کا دل اس پر مائل ہے۔ اِسی خاطر سے پیچ تاب کھا کر میں چپکی ہو رہی۔ لیکن دل اُسی وقت سے مکدر ہوا اور ناخوشی مزاج پر چھا گئی۔ تسپر قیامت اُس ایسے تیسے نے یہ کی۔ کہ ساقی اُسی چھنال کو بنایا۔ اُس وقت میں اپنا لہو پیتی تھی اور جیسے طوطی کو کوئی کوّے کے ساتھ ایک پنجرے میں بند کرتا ہے۔ نہ جانے کی فرصت باقی تھی۔ اور نہ بیٹھنے کو جی چاہتا تھا۔ قصہ مختصر وہ شراب بوند کی بوند تھی جس کے پینے سے آدمی حیوان ہو جاوے۔ دو چار جام پے درپے اُسی تیزآب کے جوان کو دیے۔ اور آدھا پیالہ جوان کی منت سے مَیں نے زہر مار کیا۔ آخر وہ پلشت بے حیا بھی بدمست ہو کر اُس مردود سے بیہودہ ادائیں کرنے لگی۔ اور وہ پہبلا بھی نشے میں بے لحاظ ہو چلا اور نامعقول حرکتیں کرنے لگا۔

مجھے یہ غیرت آئی اگر اُس وقت زمین پھاٹے تو میں سما جاؤں۔ لیکن

اس کی دوستی کے باعث میں بلّی اس پر بھی چپ ہو رہی۔ پردہ تو اصل کا پاجی تھا، میرے اس درگذرنے کو نہ سمجھا۔ نشے کی لہر میں اور بھی دو پیالے چڑھا گیا، کہ رہتا سہتا ہوش جو تھا وہ بھی گم ہوا۔ اور میری طرف سے مطلق دھڑکا جی سے اُٹھا دیا۔ بے شرمی سے شہوت کے غلبے میں میرے روبرو اُس بے حیا نے اُس بندوڑے سے صحبت کی۔ اور وہ چھل پائی بھی اُس حالت میں نیچے پڑی ہوئی نخرے تلے کرنے لگی، اور دونوں میں چوما چاٹی ہونے لگی۔ نہ اِس بے وفا میں وفا نہ اس بے حیا میں حیا، جیسی روح ویسے فرشتے۔ میری اس وقت یہ حالت تھی جیسے اوسر چوکے ڈومنی گاوے تال بے تال۔ اپنے اوپر لعنت کرتی تھی، کہ کیوں تو یہاں آئی جس کی یہ سزا پائی؟ آخر کہاں تک سہوں، میرے سر سے پاؤں تک آگ لگ گئی، اور انگاروں پر لوٹنے لگی۔ اس غصے اور طیش میں یہ کہاوت (بیل نہ کودا کودے گون۔ یہ تماشا دیکھے کون۔) کہتی ہوئی وہاں سے اُٹھی۔

وہ شرابی اپنی خرابی دل میں سوچا، کہ اگر بادشاہزادی اِس وقت ناخوش ہوئی، تو کل میرا کیا حال ہوگا۔ اور صبح کو کیا قیامت مچے گی؟ اب یہ بہتر ہے کہ شاہزادی کو مار ڈالوں۔ یہ ارادہ اس غیبانی کی صلاح سے جی میں ٹھہرا کر گلے میں پٹکا ڈال میرے پاؤں آ کر پڑا۔ اور پگڑی سر سے اتار کر منت و زاری کرنے لگا۔ میرا دل تو اس پر لٹو ہو رہا تھا، جیدھر لیئے پھرتا تھا پھرتی تھی۔ اور چکّی

کی طرح میں اُس کے اختیار میں تھی، جو کہتا تھا سو کرتی تھی۔ جوں توں مجھے پھسلا پھُسلا کر پھر بٹھالایا، اور اُسی شراب دو آتشہ کے دو چار پیالے بھر بھر کر آپ بھی پیئے، اور مجھے بھی دیئے۔ ایک تو غصّے کے مارے جل بھن کر کباب ہو رہی تھی۔ دوسرے ایسی شراب پی جلد بے ہوش ہو گئی۔ کچھ حواس باقی نہ رہے۔ تب اُس بے رحم نمک حرام کتّر سنگدل نے تلوار سے مجھے گھایل کیا۔ بلکہ اپنی دانست میں مار چکا۔ اُس دم میری آنکھ کھلی تو منہ سے یہی نکلا، خیر جیسا ہم نے کیا ویسا پایا لیکن تو اپنے تئیں میرے اس خون ناحق سے بچائیو۔

مباد ا ہو کوئی ظالم ترا گریباں گیر　　مرے لہو کو تو دامن سے دھو ہوا سو ہوا

کسی سے یہ بھید ظاہر نہ کیجیو، ہم نے تو تجھ سے جان تک بھی درگذر نہ کی، پھر اس کو خدا کے حوالے کر کر میرا جی ڈوب گیا، مجھے اپنی سدھ بدھ کچھ نہ رہی شاید اُس قصائی نے مجھے مُردہ خیال کر اُس صندوق میں ڈال کر قلعے کی دیوار کے تلے لٹکا دیا، سو تو نے دیکھا۔ میں کسو کا بُرا نہ چاہتی تھی۔ لیکن یے خرابیاں قسمت میں لکھی تھیں، مٹتی نہیں کرم کی ریکھا۔ ان آنکھوں کے سبب یہ کچھ دیکھا۔ اگر خوبصورتوں کے دیکھنے کا دل میں شوق نہ ہوتا۔ تو وہ بدبخت میرے گلے کا طوق نہ ہوتا۔ اللہ نے یہ کام کیا کہ تجھ کو وہاں پہنچا دیا، اور سبب میری زندگی کا کیا۔ اب حیا جی میں آتی ہے کہ یے رسوائیاں کھینچکر اپنے تئیں جیتا نہ رکھوں، یا کسو کو منہ نہ دکھاؤں۔ پر کیا کروں، مرنے کا اختیار اپنے ہاتھ میں نہیں

خدا نے مار کر پھر جلایا، آگے دیکھئے کہ کیا قسمت میں بدا ہے۔ ظاہر میں تو تیری دوڑ دھوپ اور خدمت کام آئی جو ویسے زخموں سے شفا پائی۔ تو نے جان و مال سے میری خاطر کی، اور جو کچھ اپنی بساط تھی حاضر کی۔ اُن دنوں تجھے بے خرچ اور دو دلا دیکھ کر وہ شقہ سیدی بہار کو (جو میرا خزانچی ہے) لکھا، اُس میں یہی مضمون تھا کہ میں خیر و عافیت سے اب فلانے مکان میں ہوں مجھ بد طالع کی خبر والدۂ شریفہ کی خدمت میں پہنچائیو۔

اُس نے تیرے ساتھ دو کشتیاں نقد کی خرچ کی خاطر بھیج دیں، اور جب تجھے خلعت اور جواہر کے خرید کرنے کو یوسف سوداگر بچّے کی دوکان کو بھیجا، مجھے یہ بھروسا تھا کہ وہ کم حوصلہ ہر ایک سے جلد آشنا ہو بیٹھتا ہے، تجھے بھی اجنبی جانکر اغلب ہے کہ دوستی کرنے کے لئے اِترا کر دعوت اور ضیافت کریگا، سو میرا منصوبہ ٹھیک بیٹھا، جو کچھ میرے دل میں خیال آیا تھا اُس نے ویسا ہی کیا۔ تو جب اُسسے قول قرار پھر آنے کا کر کر میرے پاس آیا، اور مہمانی کی حقیقت اور اُس کا بجدّ ہونا مجھ سے کہا، مَیں دل میں خوش ہوئی کہ جب تو اُس کے گھر میں جا کر کھاوے پیوے گا تب اگر تو بھی اسکو مہمانی کی خاطر بلاویگا وہ دوڑا چلا آویگا۔ اِس لیئے تجھے جلد رخصت کیا۔ تین دن کے پیچھے جب تو وہاں سے فراغت کر کے آیا، اور میرے روبرو عذر غیر حاضری کا شرمندگی سے لایا، مَیں نے تیری تشفی کے لیئے فرمایا، کچھ مضائقہ نہیں، جب

اُس نے رضا دی تب تو آیا، لیکن بے شرمی خوب نہیں کہ دوسرے کا احسان اپنے سر پر رکھیئے اور اُس کا بدلا نہ کیجیئے، اب تو بھی جا کر اُسکی استدعا کر، اور اپنے ساتھ ہی ساتھ لے آ۔ جب تو اُس کے گھر کو گیا تب میں نے دیکھا کہ یہاں کچھ اسباب مہمانداری کا تیار نہیں، اگر وہ آجاوے تو کیا کروں؟ لیکن یہ فرصت پائی کہ اس ملک میں قدیم سے پادشاہوں کا یہ معمول ہے، کہ آٹھ مہینے کاروبار ملکی اور مالی کے واسطے ملک گیری میں باہر رہتے ہیں، اور چار مہینے موسم برسات کے قلعۂ مبارک میں جلوس فرماتے ہیں۔ اُن دِنوں دو چار مہینے سے پادشاہ یعنی ولی نعمت مجھ بد بخت کے بندوبست کی خاطر ملک میں تشریف لے گئے تھے۔

جب تک تو اُس جوان کو ساتھ لیکر آوے کہ سیدی بہار نے میرا احوال خدمت میں پادشاہ بیگم کی (کہ والدہ مجھ ناپاک کی ہیں) عرض کیا۔ پھر میں اپنی تقصیر اور گناہ سے خجل ہو کر اُن کے روبرو جا کر کھڑی ہوئی اور جو سرگذشت تھی سب بیان کی۔ ہر چند اُنھوں نے میرے غائب ہونے کی کیفیت دوراندیشی اور مہر مادری سے چھپا رکھی تھی کہ خدا جانے اِسکا انجام کیا ہو، ابھی یہ رسوائی ظاہر کرنی خوب نہیں، میرے بدلے میرے عیبوں کو اپنے پیٹ میں رکھ چھوڑا تھا، لیکن میری تلاش میں تھیں۔ جب مجھے اس حالت میں دیکھا اور سب ماجرا سنا آنسو بھر لائیں اور فرمایا، اے کم بخت ناشدنی! تو نے جان بوجھ کر نام و نشان بادشاہت کا سارا کھویا، ہزار افسوس! اور اپنی زندگی سے بھی ہاتھ دھویا۔

کاشکے تیرے عوض میں پتھر جنتی تو صبر آتا! اب بھی توبہ کر، جو قسمت میں تھا سو ہوا، اب آگے کیا کرے گی؟ جیوے گی یا مرے گی؟ مَیں نے نہایت شرمندگی سے کہا کہ مجھ بے حیا کے نصیبوں میں یہی لکھا، جو اس بدنامی اور خرابی میں ایسی ایسی آفتوں سے بچکر جیتی رہوں۔ اِس سے مرنا ہی بھلا تھا، اگرچہ کلنک کا ٹیکا میرے ماتھے پر لگا، پر ایسا کام نہیں کیا جس میں ماباپ کے نام کو عیب لگے۔

اب یہ بڑا دکھ ہے کہ وے دونوں بے حیا میرے ہاتھ سے بچ جاویں، اور آپس میں رنگ رلیاں مناویں، اور مَیں اُن کے ہاتھوں سے یہ کچھ دکھ دیکھوں۔ حیف ہے کہ مجھ سے کچھ نہ ہو سکے۔ یہ امیدوار ہوں کہ خانساماں کو پروانگی ہو، تو اسباب ضیافت کا بخوبی تمام اس کم بخت کے مکان میں تیار کرے تو میں دعوت کے بہانے سے اُن دونوں بدبختوں کو بلوا کر اُن کے عملوں کی سزا دوں، اور اپنا عوض لوں۔ جس طرح اُس نے مجھ پر ہاتھ چھوڑا، اور گھایل کیا مَیں بھی دونوں کے پُرزے پُرزے کروں، تب میرا کلیجا ٹھنڈا ہو، نہیں تو اِس غصے کی آگ میں پُھک رہی ہوں، آخر جل بل کر بھوبل ہو جاؤں گی۔ یہ سُنکر اَنا نے آنا کے درد سے مہربان ہو کر میری عیب پوشی کی، اور سارا لوازمہ ضیافت کا اُسی خواجہ سرا کے ساتھ (جو میرا محرم ہے) کر دیا۔ سب اپنے اپنے کارخانے میں آکر حاضر ہوئے۔ شام کے وقت تو اُس موئے کو لیکر آیا، مجھے اُس قحبہ بانڈی

کا بھی آنا منظور تھا۔

چنانچہ پھر تجھ کو تقید کر کر، اُسے بھی بُلوایا۔ جب وہ بھی آئی اور مجلس جمی شراب پی پی کر سب بدمست اور بے ہوش ہوئے، اور اُن کے ساتھ تو بھی کیفی ہو کر مُردا سا پڑا۔ مَیں نے قلماقنی کو حکم کیا کہ اُن دونوں کا سر تلوار سے کاٹ ڈال۔ اُس نے وونھیں ایک دم میں شمشیر نکال کر دونوں کے سر کاٹ بدن لال کر دئیے، اور تجھ پر غصّے کا یہ باعث تھا، کہ میں نے اجازت ضیافت کی دی تھی، نہ دو دن کی دوستی پر اعتماد کر کے شریک مے خوری کا ہو۔ البتّہ یہ تیری حماقت اپنے تئیں پسند نہ آئی، اس واسطے کہ جب تو پی پا کر بیہوش ہوا، تب توقع رفاقت کی تجھ سے کیا رہی؟ پر تیری خدمت کے حق ایسے میری گردن پر ہیں، کہ جو تجھ سے ایسی حرکت ہوتی ہے تو معاف کرتی ہوں۔ لے میں نے اپنی حقیقت ابتدا سے انتہا تک کہہ سُنائی، اب بھی دل میں کچھ اور ہوس باقی ہے؟ جیسے میں نے تیری خاطر کر کے تیرے کہنے کو سب طرح قبول کیا، تو بھی میرا فرمانا اسی صورت سے عمل میں لا۔ صلاح وقت یہ ہے کہ اب اس شہر میں رہنا میرے اور تیرے حق میں بھلا نہیں۔ آگے تو مختار ہے۔

یا معبود اللہ! شہزادی اتنا فرما کر چپ رہی۔ فقیر تو دل و جان سے اس کے حکم کو سب چیز پر مقدم جانتا تھا، اور اُس کی محبت کے جال میں پھنسا

تھا، بولا، جو مرضیِ مبارک میں آوے سو بہتر ہے، یہ فدوی بے عذر بجا لاویگا۔
جب شہزادی نے میرے تئیں فرماں بردار و خدمتگار اپنا پورا سمجھا، فرمایا دو
گھوڑے چالاک اور جانباز (کہ چلنے میں ہوا سے باتیں کریں) بادشاہ کے
خاص اصطبل سے منگوا کر تیار رکھ۔ مَیں نے ویسے ہی پریزاد چار گُردے کے
گھوڑے چُن کر زین بندھوا کر منگوائے۔ جب تھوڑی سی رات باقی رہی بادشاہ
زادی مردانہ لباس پہن اور پانچوں ہتھیار باندھ کر ایک گھوڑے پر سوار
ہوئی، اور دوسرے مرکب پر مَیں مسلّح ہو کر چڑھ بیٹھا اور ایک طرف کی راہ لی۔
جب شب تمام ہوئی اور پرچھا ہونے لگا، تب ایک پوکھر کے کنارے
پہنچے۔ اُتر کر منہ ہاتھ دھوئے، جلدی جلدی کچھ ناشتا کر کے پھر سوار ہو کر
چلے۔ کبھو ملکہ کچھ کچھ باتیں کرتی، اور یوں کہتی، کہ ہم نے تیری خاطر شرم
حیا ملک مال ماباپ سب چھوڑا۔ ایسا نہ ہو کہ تو بھی اُس ظالمِ بیوفا کی طرح
سلوک کرے۔ کدھو میں کچھ احوال اِدھر اُدھر کا راہ کٹنے کے لئے کہتا،
اور اُس کا بھی جواب دیتا کہ پادشاہزادی! سب آدمی ایک سے نہیں
ہوتے۔ اُس پاجی کے نطفے میں کچھ خلل ہوگا جو اُس سے ایسی حرکت واقع
ہوئی، اور مَیں نے تو جان و مال تم پر تصدق کیا، اور تم نے مجھے ہر طرح
سرفرازی بخشی۔ اب میں بندہ بغیر داموں کا ہوں۔ میرے چمڑے کی اگر
جوتیاں بنوا کر پہنو، تو میں آہ نہ کروں۔ ایسی ایسی باتیں باہم ہوتی تھیں۔

اور رات دن چلنے سے کام تھا۔ کبھو جو ماندگی کے سبب کہیں اُترتے، تو جنگل کے چرند پرند شکار کرتے۔ حلال کر کے نمکدان سے لون نکال چکمک سے آگ جھاڑ بھون بھان کر کھا لیتے، اور گھوڑوں کو چھوڑ دیتے۔ وے اپنے منہ سے گھاس پات چر چگ کر اپنا پیٹ بھر لیتے۔

ایک روز ایسے کفِ دست میدان میں جا نکلے کہ جہاں بستی کا نام نہ تھا، اور آدمی کی صورت نظر نہ آتی تھی، اس پر بھی پادشاہزادی کی رفاقت کے سبب سے دن عید اور رات شب برات معلوم ہوتی تھی۔ جاتے جاتے انچت ایک دریا (کہ جس کے دیکھنے سے کلیجا پانی ہو) راہ میں ملا۔ کنارے پر کھڑے ہو کر جو دیکھا تو جہاں تلک نگاہ نے کام کیا، پانی ہی تھا، کچھ تھل بیڑا نہ پایا۔ یا الٰہی! اب اس سمندر سے کیونکر پار اُتریں! ایک دم اسی سوچ میں کھڑے رہے۔ آخر یہ دل میں لہر آئی، کہ ملکہ کو یہیں بٹھا کر مَیں تلاش میں ناؤ نواڑی کے جاؤں، جب تلک اسباب گذارے کا ہاتھ آوے، تب تلک وہ نازنین بھی آرام پاوے۔ تب میں نے کہا، اے ملکہ! اگر حکم ہو تو گھاٹ باٹ اس دریا کا دیکھوں۔ فرمانے لگی مَیں بہت تھک گئی ہوں۔ اور بھوکی پیاسی ہو رہی ہوں مَیں ذرا دم لے لوں جب تئیں تو پار چلنے کی کچھ تدبیر کر۔

اُس جگہ ایک درخت پیپل کا تھا بڑا، چھتر باندھے ہوئے۔ کہ اگر ہزار سوار آوے، تو دھوپ اور مینھ میں اس کے تلے آرام پاوے۔ وہاں اس کو بٹھا کر

میں چلا، اور چاروں طرف دیکھتا تھا کہ کہیں بھی زمین پر یا دریا میں نشان انسان کا پاؤں۔ بہتیرا سر مارا پر کہیں نہ پایا۔ آخر مایوس ہو کر وہاں سے پھر آیا، تو اُس پری کو پیڑ کے نیچے نہ پایا۔ اُس وقت کی حالت کیا کہوں کہ سرت جاتی رہی؛ دیوانہ باؤلا ہو گیا۔ کبھو درخت پر چڑھ جاتا، اور ڈال ڈال پات پات پھرتا، کبھو ہاتھ پاؤں چھوڑ کر زمین میں گرتا، اور اُس درخت کی جڑ کے آس پاس تصدق ہوتا کدھو چنگھاڑ مار کر اپنی بے بسی پر روتا۔ کبھو پچھم سے پورب کو دوڑا جاتا، کدھو اتر سے دکھن کو پھر آتا۔ غرض بہتیری خاک چھانی لیکن اُس گوہر نایاب کی نشانی نہ پائی۔ جب میرا کچھ بس نہ چلا تب روتا اور خاک سر پر اڑاتا ہوا تلاش ہر کہیں کرنے لگا۔

دل میں یہ خیال آیا کہ شاید کوئی جن اُس پری کو اُٹھا کر لے گیا، اور مجھے یہ داغ دے گیا، یا اُس کے ملک سے کوئی اُس کے پیچھے لگا چلا آیا تھا، اس وقت اکیلا پا کر منا منو کر پھر شام کی طرف لے اُبھرا۔ ایسے خیالوں میں گھبرا کر کپڑے وپڑے پھینک پھانک دیئے۔ ننگا مُنگا فقیر بن کر شام کے ملک میں صبح سے شام تک ڈھونڈھتا پھرتا۔ اور رات کو کہیں پڑ رہتا۔ سارا جہاں روند مارا، پر اپنی بادشاہزادی کا نام و نشان کسی سے نہ سنا، نہ سبب غائب ہونے کا معلوم ہوا۔ تب دل میں یہ آیا کہ جب اُس جان کا تو نے کچھ پتا نہ پایا، تو اب جینا بھی حیف ہے۔ کسی جنگل میں ایک پہاڑ نظر آیا، تب اُس پر چڑھ گیا، اور

یہ ارادہ کیا کہ اپنے تئیں گرادوں، کہ ایک دم میں سر منہ پتھروں سے ٹکراتے ٹکراتے چھوٹ جاویگا، تو ایسی مصیبت سے جی چھوٹ جاویگا۔

یہ دل میں کہہ کر چاہتا ہوں کہ اپنے تئیں گراؤں، بلکہ پاؤں بھی اُٹھ چکے تھے کہ کسوئے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ اتنے میں ہوش آگیا، دیکھتا ہوں تو ایک سوار سبز پوش منہ پر نقاب ڈالے مجھے فرماتا ہے، کہ کیوں تو اپنے مرنے کا قصد کرتا ہے؛ خدا کے فضل سے نااُمید ہونا کفر ہے۔ جب تلک سانس ہے، تب تلک آس ہے۔ اب تھوڑے دنوں میں روم کے مُلک میں تین درویش تجھ سارکے ایسی ہی مصیبت میں پھنسے ہوئے اور ایسے ہی تماشے دیکھے ہوئے تجھ سے ملاقات کریں گے، اور وہاں کے پادشاہ کا آزاد بخت نام ہے، اُس کو بھی ایک بڑی مشکل درپیش ہے، جب وہ بھی تم چاروں فقیروں کے ساتھ ملے گا، تو ہر ایک کے دل کا مطلب اور مراد جو ہے، بہ خوبی حاصل ہوگی۔

مَیں نے رکاب پکڑ کر بوسہ دیا، اور کہا، اے خدا کے ولی! تمہارے اتنے ہی فرمانے سے میرے دلِ پر اضطرار کو تسلی ہوئی، لیکن خدا کے واسطے یہ فرمائیے کہ آپ کون ہیں اور اسمِ شریف کیا ہے؟ تب اُنھوں نے فرمایا کہ مرتضےٰ علی میرا نام ہے، اور میرا یہی کام ہے، کہ جس کو جو مشکل کٹھن پیش آوے، تو میں اُسکو آسان کردوں۔ اتنا فرما کر نظروں سے پوشیدہ ہوگئے۔ بارے اِس فقیر نے اپنے مولا مشکل کشا کی بشارت سے خاطر جمع کر قصد قسطنطنیہ کا کیا۔ راہ میں جو کچھ مصیبتیں

قسمت میں لکھی تھیں کھینچتا ہوا اُس پادشاہزادی کی ملاقات کے بھروسے خدا کے فضل سے یہاں تک آ پہنچا، اور اپنی خوش نصیبی سے تمہاری خدمت میں مشرّف ہوا۔ ہمارے تمہارے آپس میں ملاقات تو ہوئی، باہم صحبت اور بات چیت میسّر آئی، اب چاہیئے کہ پادشاہ آزاد بخت سے بھی روشناس اور جان پہچان ہو۔

بعد اس کے مقرر ہم پانچوں اپنے مقصد دلی کو پہنچیں گے۔ تم بھی دعا مانگو اور آمین کہو۔ یا ہادی! اِس حیران سرگردان کی سرگذشت یہ تھی، جو حضوری میں درویشوں کی کہہ سنائی۔ اب آگے دیکھئے کہ کب یہ محنت اور غم ہمارا پادشاہزادی کے ملنے سے خوشی و خرّمی سے بدل ہو۔ آزاد بخت ایک کونے میں چُھپا ہوا چپکا دھیان لگائے پہلے درویش کا ماجرا سُنکر خوش ہوا، پھر دوسرے درویش کی حقیقت کو سننے لگا۔

سیر دوسرے درویش کی

جب دوسرے درویش کے کہنے کی نوبت پہنچی، وہ چار زانو ہو بیٹھا

اور بولا۔

اے یارو! اِس فقیر کا ٹک ماجرا سنو، میں ابتدا سے کہتا ہوں تا انتہا سنو

جس کا علاج کر نہیں سکتا کوئی حکیم ہَیگا ہمارا درد نپٹ لا دوا سنو

اے دلق پوشو! یہ عاجز پادشاہزادہ فارس کے ملک کا ہے، ہر فن کے آدمی وہاں پیدا ہوتے ہیں، چنانچہ اصفہان نصف جہان مشہور ہے۔ ہفت اقلیم میں اُس اقلیم کے برابر کوئی ولایت نہیں، کہ وہاں کا ستارہ آفتاب ہے اور وہ ساتوں کواکب میں نیّرِ اعظم ہے۔ آب و ہوا وہاں کی خوش اور لوگ روشن طبع اور صاحبِ سلیقہ ہوتے ہیں۔ میرے قبلہ گاہ نے (جو پادشاہ اُس ملک کے تھے) لڑکپن سے قاعدے اور قانون سلطنت کی تربیت کرنے کے واسطے بڑے بڑے دانا استاد ہر ایک علم اور کسب کے چن کر میری اتالیقی کے لئے مقرر کئے تھے، تو تعلیم کامل ہر نوع کی پا کر قابل ہوں۔ خدا کے فضل سے چودہ برس کے سن و سال میں سب علم سے ماہر ہوا۔ گفتگو معقول نشست و برخاست پسندیدہ اور جو کچھ پادشاہوں کو لائق اور درکار ہے سب حاصل کیا۔ اور یہی

شوق شب و روز تھا کہ قابلوں کی صحبت میں قصے ہر ایک ملک کے اور احوال اُولوالعزم بادشاہوں اور نام آوروں کا سنا کروں۔

ایک روز ایک مصاحبِ دانا نے کہ خوب تواریخ داں اور جہاندیدہ تھا مذکور کیا کہ اگرچہ آدمی کی زندگی کا کچھ بھروسا نہیں، لیکن اکثر وصف ایسے ہیں کہ اُن کے سبب سے انسان کا نام قیامت تک زبانوں پر بخوبی چلا جائیگا۔ مَیں نے کہا، اگر تھوڑا سا احوال اس کا مفصّل بیان کرو تو مَیں بھی سنوں، اور اُس پر عمل کروں۔ تب وہ شخص حاتم طائی کا ماجرا اس طرح سے کہنے لگا، کہ حاتم کے وقت میں ایک بادشاہ عرب کا نوفل نام تھا۔ اُس کو حاتم کے ساتھ بسبب نام آوری کے دشمنیِ کمال ہوئی۔ بہت سا لشکر فوج جمع کر کر لڑائی کی خاطر چڑھ آیا۔ حاتم تو خداترس اور نیک مرد تھا، یہ سمجھا کہ اگر مَیں بھی جنگ کی تیاری کروں، تو خدا کے بندے مارے جائیں گے، اور بڑی خونریزی ہوگی۔ اسکا عذاب میرے نام لکھا جائیگا۔ یہ بات سوچ کر تنِ تنہا اپنی جان لیکر ایک پہاڑ کی کھوہ میں جا چھپا۔ جب حاتم کے غائب ہونے کی خبر نوفل کو معلوم ہوئی سب اسباب گھربار حاتم کا قرق کیا۔ اور منادی کروادی، کہ جو کوئی ڈھونڈھ ڈھانڈھ کر پکڑ لاوے، پانسے اشرفی بادشاہ کی سرکار سے انعام پاوے۔ یہ سُنکر سب کو لالچ آیا اور جستجو حاتم کی کرنے لگے۔

ایک دن ایک بوڑھا اور اُس کی بڑھیا دو تین بچے چھوٹے چھوٹے ساتھ

لیئے ہوئے لکڑیاں توڑنے کے واسطے اُس غار کے پاس جہاں حاتم پوشیدہ تھا پہنچے، اور لکڑیاں اُس جنگل سے چننے لگے۔ بڑھیا بولی کہ اگر ہمارے دن کچھ بھلے آتے، تو حاتم کو کہیں ہم دیکھ پاتے، اور اُس کو پکڑ کر نوفل کے پاس لیجاتے تو وہ پانچ سو اشرفی دیتا، اور ہم آرام سے کھاتے، اس دُکھ دھندے سے چھوٹ جاتے۔ بوڑھے نے کہا کیا ٹرٹر کرتی ہے؟ ہمارے طالع میں یہی لکھا ہے۔ کہ روز لکڑیاں توڑیں، اور سر پر دھر کر بازار میں بیچیں، تب لون روٹی میسر آوے، یا ایک روز جنگل سے باگھ لے جاوے۔ لے اپنا کام کر، ہمارے ہاتھ حاتم کاہیکو آویگا، اور پادشاہ اتنے روپے دلاویگا؟ عورت نے ٹھنڈھی سانس بھری اور چپکی ہو رہی۔

یے دونوں کی باتیں حاتم نے سُنیں، مردمی اور مروت سے بعید جانا کہ اپنے تئیں چھپائے اور جان کو بچائے اور ان دونوں بیچاروں کو مطلب تک نہ پہنچائے۔ سچ ہے اگر آدمی میں رحم نہیں تو وہ انسان نہیں، اور جس کے جی میں درد نہیں وہ قصائی ہے۔

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا اِنسان کو ورنہ طاعت کیلئے کچھ کم نہ تھے کرّوبیاں

غرض حاتم کی جواں مردی نے نہ قبول کیا کہ اپنے کانوں سے سنکر چپکا ہو رہے۔ وونہیں باہر نکل آیا اور اُس بوڑھے سے کہا، کہ اے عزیز حاتم میں ہی ہوں، میرے تئیں نوفل کے پاس لے چل، وہ مجھے دیکھے گا اور جو کچھ روپے

دینے کا اقرار کیا ہے، تجھے دیویگا۔ پیر مرد نے کہا سچ ہے کہ اِس صورت میں
بھلائی اور بہبودی میری البتّہ ہے، لیکن وہ کیا جانے تجھ سے کیا سلوک کرے؟
اگر مار ڈالے تو میں کیا کروں؟ یہ مجھ سے ہرگز نہ ہوسکے گا کہ تجھ کو اپنی طمع کی
خاطر دشمن کے حوالے کروں۔ وہ مال کئے دن کھاؤں گا۔ اور کب تک جیونگا؟
آخر مرجاؤنگا تب خدا کو کیا جواب دونگا؟ حاتم نے بہتیری منت کی، کہ مجھے لیچل،
مَیں اپنی خوشی سے کہتا ہوں، اور ہمیشہ اسی آرزو میں رہتا ہوں، کہ میرا جان
ومال کسو کے کام آوے تو بہتر ہے۔ لیکن وہ بوڑھا کسی طرح راضی نہ ہوا کہ حاتم
کو لیجاوے، اور انعام پاوے۔ آخر لاچار ہو کر حاتم نے کہا اگر تو مجھے یوں نہیں
لیجاتا، تو مَیں آپ سے آپ بادشاہ پاس جاکر کہتا ہوں کہ اس بوڑھے نے
مجھے جنگل میں ایک پہاڑ کی کھوہ میں چھپا رکھا تھا۔ وہ بوڑھا ہنسا اور بولا، بھلائی
کے بدلے برائی ملی، تو یا نصیب! اس ردوبدل کے سوال وجواب میں آدمی
اور بھی آپہنچے، بھیڑ لگ گئی۔ اُنھوں نے معلوم کیا کہ حاتم یہی ہے، ترت پکڑلیا
اور حاتم کو لے چلے۔ وہ بوڑھا بھی افسوس کرتا ہوا پیچھے پیچھے ساتھ ہولیا۔ جب
نوفل کے روبرو لے گئے، اُس نے پوچھا کہ اس کون پکڑلایا؟ ایک بدذات
سنگدل بولا کہ ایسا کام سوائے ہمارے اور کون کرسکتا ہے؟ یہ فتح ہمارے نام
ہے، ہم نے عرش پر جھنڈا گاڑا ہے۔ ایک اور لن ترانی والا ڈینگ مارنے لگا
کہ میں کئی دن سے دوڑ دھوپ کر جنگل سے پکڑلایا ہوں، میری محنت پر نظر کیجیے

اور جو قرار ہے سو دیجئے۔ اِسی طرح اشرفیوں کے لالچ سے ہر کوئی کہتا تھا
کہ یہ کام مجھ سے ہوا۔ وہ بوڑھا چپکا ایک کونے میں لگا ہوا سب کی شیخیاں
سُن رہا تھا، اور حاتم کی خاطر کھڑا روتا تھا۔ جب اپنی اپنی دلاوری اور
مردانگی سب کہہ چکے، تب حاتم نے پادشاہ سے کہا، اگر سچ بات پوچھو تو
یہ ہے، کہ وہ بوڑھا جو الگ سب سے کھڑا ہے مجھ کو لایا ہے۔ اگر قیافہ
پہچان جانتے ہو تو دریافت کرو، اور میرے پکڑنے کی خاطر جو قول کیا ہے
پورا کرو، کہ سارے ڈیل میں زبان حلال ہے، مرد کو چاہیئے جو کہے سو کرے،
نہیں تو جیبھ حیوان کو بھی خدا نے دی ہے، پھر حیوان اور انسان میں کیا
تفاوت ہے؟

نوفل نے اُس لکڑہارے بوڑھے کو پاس بلا کر پوچھا، کہ سچ کہہ اصل کیا
ہے؟ حاتم کو کون پکڑ لایا؟ اُس بچارے نے سر سے پاؤں تک جو گذرا تھا
راست کہہ سنایا، اور کہا کہ حاتم میری خاطر آپ سے آپ چلا آیا ہے۔
نوفل یہ ہمّت حاتم کی سنکر متعجب ہوا کہ بل بے! تیری سخاوت اپنی جان کا
بھی خطرہ نہ کیا۔ جتنے جھوٹھ دعوے حاتم کے پکڑ لانے کے کرتے تھے، حکم کیا
کہ اُن کی ٹُنڈیاں کس کر پان سو اشرفی کے بدلے پان پان سے جوتیاں
ان کے سر پر لگاؤ کہ اُن کی بھی جان نکل پڑے۔ وونھیں تڑ تڑ پیزاریں پڑنے
لگیں کہ ایک دم میں سر اُن کے گنجے ہو گئے۔ سچ ہے، جھوٹھ بولنا ایسا ہی گناہ

ہے کہ کوئی گناہ اُس کو نہیں پہنچتا۔ خدا سب کو اس بلا سے محفوظ رکھے، اور جھوٹھ بولنے کا چسکا نہ دے۔ بہت آدمی جھوٹھ موٹھ بکے جاتے ہیں لیکن آزمایش کے وقت سزا پاتے ہیں۔

غرض اُن سب کو موافق اُن کے انعام دیکر، نوفل نے اپنے دل میں خیال کیا کہ حاتم سے شخص سے (کہ ایک عالم کو اُس سے فیض پہنچتا ہے اور محتاجوں کی خاطر جان اپنی دریغ نہیں کرتا، اور خدا کی راہ میں سرتاپا حاضر ہے) دشمنی رکھنی اور اُس کا مدّعی ہونا مردآدمیت اور جوانمردی سے بعید ہے۔ وونہیں حاتم کا ہاتھ بڑی دوستی اور گرمجوشی سے پکڑلیا اور کہا، کیوں نہ ہو، جب ایسے ہو تب ایسے ہو۔ تواضع تعظیم کرکر پاس بٹھلایا اور حاتم کا ملک و املاک اور مال واسباب جو کچھ ضبط کیا تھا، وونہیں چھوڑ دیا، نئے سر سے سرداری قبیلۂ طے کی اُسے دی، اور اُس بوڑھے کو پانچ سو اشرفیاں اپنے خزانے سے دلوادیں۔ وہ دعا دیتا ہوا چلا گیا۔

جب یہ ماجرا حاتم کا مَیں نے تمام سُنا، جی میں غیرت آئی، اور یہ خیال گذرا کہ حاتم اپنی قوم کا فقط رئیس تھا، جن نے ایک سخاوت کے باعث یہ نام پیدا کیا کہ آج تلک مشہور ہے۔ مَیں خدا کے حکم سے بادشاہ تمام ایران کا ہوں، اگر اس نعمت سے محروم رہوں تو بڑا افسوس ہے۔ فی الواقع دنیا میں کوئی کام بڑا داد و دہش سے نہیں، اس واسطے کہ آدمی جو کچھ دُنیا میں

دیتا ہے، اس کا عوض عاقبت میں لیتا ہے۔ اگر کوئی ایک دانہ بوتا ہے، تو
اُس سے کتنا کچھ پیدا ہوتا ہے؟ یہ بات دل میں ٹھہرا کر میرِ عمارت کو بلوا کر حکم
کیا کہ ایک مکان عالی شان جس کے چالیس دروازے بلند اور بہت کشادہ
ہوں باہر شہر کے جلد بنواؤ۔ تھوڑے عرصے میں ویسی ہی عمارت وسیع جیسا
دل چاہتا تھا، بن کر تیار ہوئی، اور اس مکان میں ہر روز ہر وقت فجر سے شام
تک محتاجوں اور بیکسوں کے تئیں روپے اشرفیاں دیتا، اور جو کوئی جس چیز
کا سوال کرتا، مَیں اُسے مالامال کرتا۔

غرض چالیسوں دروازے سے حاجتمند آتے، اور جو چاہتے سو لیجاتے۔
ایک روز کا یہ ذکر ہے کہ ایک فقیر سامنے کے دروازے سے آیا، اور سوال کیا۔
مَیں نے اُسے ایک اشرفی دی، پھر وہی دوسرے دروازے سے ہو کر آیا،
دو اشرفیاں مانگیں، میں نے پہچان کر درگذر کی اور دیں۔ اسی طرح اُن نے
ہر ایک دروازے سے آنا اور ایک ایک اشرفی بڑھانا شروع کیا، اور میں بھی
جان بوجھکر انجان ہوا، اور اُس کے سوال کے موافق دیا کیا۔ آخر چالیسویں
دروازے کی راہ سے آکر چالیس اشرفیاں مانگیں۔ وہ بھی مَیں نے دلوادیں۔
اتنا کچھ لیکر وہ درویش پھر پہلے دروازے سے گھس آیا اور سوال کیا۔ مجھے بہت
بُرا معلوم ہوا، مَیں نے کہا سن اے لالچی! تو کیسا فقیر ہے کہ ہرگز فقر کے تینوں
حرفوں سے بھی واقف نہیں؟ فقیر کا عمل اُن پر چاہیئے۔ فقیر بولا، بھلا داتا!

تمھیں بتاؤ۔ میں نے کہا ف سے فاقہ، ق سے قناعت، ر سے ریاضت نکلتی ہے۔ جس میں یے باتیں نہ ہوں وہ فقیر نہیں۔ اتنا جو تجھے ملا ہے، اس کو کھاپی کر پھر آئیو اور جو مانگے گا لیجائیو۔ یہ خیرات احتیاج رفع کرنے کے واسطے ہے، نہ جمع کرنے کے لئے، اے حریص! چالیس دروازوں سے تو نے ایک اشرفی سے چالیس اشرفیوں تک لیں، اس کا حساب تو کر کہ ریوڑی کے پھیر کی طرح کتنی اشرفیاں ہوئیں، اور اس پر بھی تجھے حرص پھر پہلے دروازے سے لے آئی۔ اتنا مال جمع کر کر کیا کریگا؟ فقیر کو چاہیئے کہ ایک روز کی فکر کرے۔ دوسرے دن پھر نئی روزی رزاق دینے والا موجود ہے۔ اب حیا و شرم پکڑ، اور صبر و قناعت کو کام فرما۔ یہ کیسی فقیری ہے جو تجھے مرشد نے بتائی ہے؟

یہ میری بات سنکر خفا اور بد دماغ ہوا، اور جتنا مجھ سے لیکر جمع کیا تھا، سب زمین میں ڈال دیا اور بولا، بس بابا! اتنے گرم مت ہو۔ اپنی کائنات لیکر رکھ چھوڑو، پھر سخاوت کا نام نہ لیجو۔ سخی ہونا بہت مشکل ہے، تم سخاوت کا بوجھ نہیں اٹھا سکتے۔ اس منزل کو کب پہنچو گے؟ ابھی دِلّی دور ہے۔ سخی کے بھی تین حرف ہیں، پہلے اُن پر عمل کرو، تب سخی کہلاؤ۔ تب تو میں ڈرا اور کہا بھلا داتا! اس کے معنے مجھے سمجھاؤ۔ کہنے لگا، س سے سمائی، اور خ سے خوفِ الٰہی، اور ی سے یاد رکھنا اپنی پیدائش اور مرنے کو۔ جب تلک اتنا نہ ہولے

توسخاوت کا نام نہ لے، اور سخی کا یہ درجہ ہے کہ اگر بدکار ہو، تو بھی دوست خدا کا ہے۔ اِس فقیر نے بہت ملکوں کی سیر کی ہے۔ لیکن سوائے بصرے کی پادشاہزادی کے کوئی سخی دیکھنے میں نہ آیا۔ سخاوت کا جامہ خدا نے اُس عورت پر قطع کیا ہے۔ اور سب نام چاہتے ہیں پر ویسا کام نہیں کرتے۔ یہ سنکر میں نے بہت منت کی، اور قسمیں دیں کہ میری تقصیر معاف کرو اور جو چاہیئے سو لو۔ میرا دیا ہرگز نہ لیا، اور یہ بات کہتا ہوا چلا، اب اگر اپنی ساری پادشاہت مجھے دے تو اُس پر بھی نہ تھوکوں، اور نہ دھر ماروں۔ وہ تو چلا گیا پر بصرے کی بادشاہزادی کی یہ تعریف سننے سے دل بیکل ہوا کسی طرح کل نہ تھی۔ اب یہ آرزو ہوئی کہ کسو صورت سے بصرے چل کر اسکو دیکھا چاہیئے۔

اِس عرصے میں بادشاہ نے وفات پائی، اور تخت پر میں بیٹھا، سلطنت ملی پر وہ خیال نہ گیا۔ وزیر اور امیروں سے (جو پائے تخت سلطنت کے اور ارکان مملکت کے تھے) مشورت کی کہ سفر بصرے کا کیا چاہتا ہوں۔ تم اپنے کام میں مستعد رہو۔ اگر زندگی ہے تو سفر کی عمر کوتاہ ہوتی ہے۔ جلد پھر آتا ہوں۔ کوئی میرے جانے پر راضی نہ ہوا۔ لاچار دل تو اُداس ہو رہا تھا، ایک دن بغیر سب کے کہے سُنے چپکے وزیر باتدبیر کو بلا کر مختار اور وکیل مطلق اپنا کیا، اور سلطنت کا مدار المہام بنایا۔ پھر میں نے گیروا بستر پہن فقیری بھیس کر، اکیلے راہ بصرے کی لی۔ تھوڑے دنوں میں اُس کی سرحد میں جا پہنچا، تب سے یہ تماشا دیکھنے لگا، کہ جہاں رات

کو جاکر مقام کرتا، نوکر چاکر اُسی ملک کے استقبال کر کر ایک مکان معقول میں اتارتے، اور جتنا لوازمہ ضیافت کا ہوتا ہے بخوبی موجود کرتے، اور خدمت میں دست بستہ تمام رات حاضر رہتے۔ دوسرے دن دوسری منزل میں یہی صورت پیش آتی۔ اس آرام سے مہینوں کی راہ طے کی، آخر بصرے میں داخل ہوا۔ دونھیں ایک جوان شکیل خوش لباس نیک خو صاحب مروت (کہ دانائی اس کے قیافے سے ظاہر تھی) میرے پاس آیا اور نپٹ شیریں زبانی سے کہنے لگا، کہ میں فقیروں کا خادم ہوں، ہمیشہ اِسی تلاش میں رہتا ہوں کہ جو کوئی مسافر فقیر یا دنیادار اِس شہر میں آوے، میرے گھر میں قدم رنجہ فرمادے، سوائے ایک مکان کے یہاں اور بدیسی کے رہنے کی جگہ نہیں ہے۔ آپ تشریف لے چلیئے اور اُس مقام کو زینت بخشیئے اور مجھے سرفراز کیجئے۔

فقیر نے پوچھا، صاحب کا اسمِ شریف کیا ہے؟ بولا اس گمنام کا نام بیدار بخت کہتے ہیں۔ اُس کی خوبی اور تملق دیکھکر یہ عاجز اُس کے ساتھ چلا، اور اُس کے مکان میں گیا۔ دیکھا تو ایک عمارتِ عالی لوازمِ شاہانہ سے تیار ہے ایک دالان میں اُس نے لیجا کر بٹھایا اور گرم پانی منگوا کر ہاتھ پاؤں دھلوائے اور دسترخوان بچھواکر مجھ تنِ تنہا کے روبرو بکاول نے ایک تورے کا تورا چُن دیا۔ چار مشقاب ایک میں یخنی پلاؤ دوسری میں قورما پلاؤ تیسری میں متنجن پلاؤ اور چوتھی میں کوکو پلاؤ، اور ایک قاب زردے کی، اور کئی طرح کے قلیئے دوپیازہ

نرگسی بادامی روغن جوش، اور روٹیاں کئی قسم کی باقرخانی تنکی شیرمال گاؤدیدہ گاؤزبان نانِ نعمت پراٹھے، اور کباب کوفتے کے تکّے کے مرغ کے خاگینہ ملغوبہ شبدیگ دم پخت حلیم ہریسا سموسے ورقی قبولی فرنی شیر برنج ملائی حلوا فالودہ پن بھتا نمش آبشورہ ساقِ عروس لوزیات مربا اچار دان دہی کی قلفیاں۔ یہ نعمتیں دیکھکر روح بھر گئی، جب ایک ایک نوالا ہر ایک سے لیا پیٹ بھی بھر گیا تب ہاتھ کھانے سے کھینچا۔

وہ شخص مجوز ہوا کہ صاحب نے کیا کھایا؟ کھانا تو سب امانت دھرا ہے، بے تکلف اور نوشجان فرمائیے۔ مَیں نے کہا کھانے میں شرم کیا ہے؟ خدا تمہارا خانہ آباد رکھے، جو کچھ میرے پیٹ میں سمایا سو مَیں نے کھایا، اور ذائقے کی اس کے کیا تعریف کروں؟ کہ اب تک زبان چاٹتا ہوں، اور جو ڈکار آتی ہے سو معطر، لو اب مزید کرو۔ جب دستر خوان اُٹھا زیر انداز کاشانی مخمل کا مقیشی بچھا کر چلمچی آفتابہ طلائی لاکر بیسن دان میں سے خوشبو بیسن دیکر گرم پانی سے میرے ہاتھ دُھلائے۔ پھر پان دان جڑاؤ میں گلوریاں سونے کی کپھروٹوں میں بندھی ہوئیں اور چوگھروں میں کھلوریاں اور چکنی سپیاریاں اور لونگ الاچیاں روپے کے ورقوں میں مڑھی ہوئیں لاکر رکھیں۔ جب مَیں پانی پینے کو مانگتا تب صراحی برف میں لگی ہوئی آبدار لے آتا۔ جب شام ہوئی فانوسوں میں کافوری شمعیں روشن ہوئیں۔ وہ عزیز بیٹھا ہوا باتیں کرتا رہا۔

جب پہر رات گئی، بولا اب اس چھپر کھٹ میں (کہ جس کے آگے ولدا پیش گیر کھڑا ہے) آرام کیجئے۔ فقیر نے کہا اے صاحب! ہم فقیروں کو ایک بوریا یا مرگ چھالا بستر کے لئے بہت ہے، یہ خدا نے تم دنیا داروں کے واسطے بنایا ہے۔

کہنے لگا، یہ سب اسباب درویشوں کی خاطر ہے، کچھ میرا مال نہیں۔ اُس کے بجد ہونے سے اُن بچھونوں پر (کہ پھولوں کی سیج سے بھی نرم تھے) جا کر لیٹا۔ دونوں پٹیوں کی طرف گلدان اور چنگیریں پھولوں کی چُنی ہوئیں، اور عودسوز اور لخلخے روشن تھے، جیدھر کی کروٹ لیتا، دماغ معطر ہو جاتا۔ اس عالم میں سو رہا۔ جب صبح ہوئی ناشتے کو بھی بادام پستے انگور انجیر ناشپاتی انار کشمش چھُہارے اور میوے کا شربت لا حاضر کیا۔ اِسی طور سے تین دن رات رہا، چوتھے روز مَیں نے رخصت مانگی۔ ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا، شاید اِس گنہگار سے صاحب کی خدمتگاری میں کچھ قصور ہوا کہ جس کے باعث مزاج تمہارا مکدر ہوا! مَیں نے حیران ہو کر کہا، برائے خدا یہ کیا مذکور ہے؟ لیکن مہمانی کی شرط تین دن تلک ہے، سو مَیں رہا، زیادہ رہنا خوب نہیں، اور علاوہ یہ فقیر واسطے سیر کے نکلا ہے، اگر ایک ہی جگہ رہ جاوے تو مناسب نہیں، اِس لئے اِجازت چاہتا ہے، نہیں تو تمہاری خوبیاں ایسی نہیں کہ جدا ہونے کو جی چاہے۔

تب وہ بولا جیسی مرضی، لیکن ایک ساعت توقف کیجیے کہ بادشاہزادی کے حضور میں جا کر عرض کروں، اور تم جو جایا چاہتے ہو، تو جو کچھ اسباب اوڑھنے بچھانے کا اور کھانے کے باسن روپے سونے کے اور جڑاؤ کے اس مہمان خانے میں ہیں یہ سب تمہارا مال ہے، اس کے ساتھ لے جانے کی خاطر جو فرماؤ تدبیر کی جائے۔ مَیں نے کہا، لاحول پڑھو، ہم فقیر نہ ہوئے بھاٹ ہوئے، اگر یہی حرص دل میں ہوتی تو فقیر کاہے کو ہوتے، دنیاداری کیا بُری تھی؟ اُس عزیز نے کہا اگر یہ احوال ملکہ سنے تو خدا جانے مجھے اس خدمت سے تغیر کر کر کیا سلوک کرے، اگر تمہیں ایسی ہی بے پروائی ہے تو ان سب کو ایک کوٹھری میں امانت بند کر کر دروازے کو سر بہ مہر کر دو، پھر جو چاہو سو کیجو۔

میں نہ قبول کرتا تھا، اور وہ بھی نہ مانتا تھا، لاچار یہی صلاح ٹھہری کہ سب اسباب کو بند کر کر قفل کر دیا، اور منتظر رخصت کا ہوا۔ اتنے میں ایک خواجہ سرا معتبر سر پر سرپیچ اور گوشپیچ اور کمر میں بندی باندھے، ایک عصا سونے کا جڑاؤ ہاتھ میں اور ساتھ اس کے کئی خدمتگار معقول عہدے لئے ہوئے اس شان و شوکت سے میرے نزدیک آیا۔ ایسی ایسی مہربانگی اور ملایمت سے گفتگو کرنے لگا کہ جس کا بیان نہیں کر سکتا، پھر بولا کہ اے میاں اگر توجہ اور کرم کر کر اس مشتاق کے غریب خانے کو اپنے قدم کی برکت سے

رونق بخشو، تو بندہ نوازی اور غریب پروری سے بعید نہیں۔

شاید شہزادی سنے کہ کوئی مسافر یہاں آیا تھا، اُس کی تواضع مدارات کسو نے نہ کی، وہ یونہیں چلا گیا، اس واسطے واللہ اعلم مجھ پر کیا آفت لاوے اور کیسی قیامت اُٹھاوے، بلکہ حرف زندگی پر ہے۔ مَیں نے اِن باتوں کو نہ مانا۔ تب خواہ مخواہ منتیں کر کے میرے تئیں اور ایک حویلی میں (کہ پہلے مکان سے بہتر تھی) لے گیا؛ اُسی پہلے میزبان کے مانند تین دن رات دونوں وقت ویسے ہی کھانے، اور صبح اور تیسرے پہر شربت، اور تفنّن کی خاطر میوے کھلائے، اور باسن نقرئی و طلائی اور فرش فروش اور اسباب جو کچھ وہاں تھا، مجھ سے کہنے لگا کہ اِن سب کے تم مالک مختار ہو جو چاہو سو کرو۔

مَیں یہ باتیں سنکر حیران ہوا، اور چاہا کہ کسی نہ کسی طرح یہاں سے رخصت ہو کر بھاگوں۔ میرے بشرے کو دیکھ کر وہ محلّی بولا اے خدا کے بندے! جو تیرا مطلب یا آرزو ہو سو مجھ سے کہہ، تو حضور میں ملکہ کی جا کر عرض کروں مَیں نے کہا، میں فقیری کے لباس میں دنیا کا مال کیا مانگوں کہ تم بغیر مانگے دیتے ہو، اور مَیں انکار کرتا ہوں؟ تب وہ کہنے لگا کہ حرص دنیا کی کسی کے جی سے نہیں گئی، چنانچہ کسو کب نے یہ کبت کہا ہے:۔

नख बिन कटा देखे, सीस भारी जटा देखे

जोगी कन फटा देखे, छार लाये तन में;
मौनी अनबोल देखे, सेवड़ा सिर छोल देखे,
करत कलोल देखे बन खंडी बन में;
बीर देखे, सूर देखे, सब गुनी और कुढ देखे,
माया के पूर देखे, भूल रहे धन में;
आदि अंत सुखी देखे, जनम ही के दुखी देखे
पर वे न देखे, जिनके लोभ नांहि मन में.

مَیں نے یہ سُنکر جواب دیا کہ یہ سچ ہے، پَر میں کچھ نہیں چاہتا، اگر فرماؤ تو ایک رقعہ سر بہ مُہر اپنے مطلب کا لکھ کر دوں، جو حضور ملکہ کے پہنچا دو، تو بڑی مہربانی ہے، گویا تمام دنیا کا مال مجھ کو دیا۔ بولا بسروچشم کیا مضائقہ۔ مَیں نے ایک رقعہ لکھا، پہلے شکر خدا کا، پھر احوال کہ یہ بندہ خدا کا کئی روز سے اِس شہر میں وارد ہے اور سرکار سے سب طرح کی خبرگیری ہوتی ہے۔ جیسی خوبیاں اور نیکنامیاں ملکہ کی سنکر اشتیاق دیکھنے کا ہوا تھا، اُس سے چار چند پایا۔ اب حضور کے ارکانِ دولت یوں کہتے ہیں کہ جو مطلب اور تمنا تیری ہو سو ظاہر کر۔ اس واسطے بے حجابانہ جو دل کی آرزو ہے سو عرض کرتا ہوں، کہ مَیں دنیا کے مال کا محتاج نہیں، اپنے ملک کا میں بھی بادشاہ ہوں۔ فقط یہاں تلک آنا اور محنت اُٹھانا آپ کے اشتیاق کے سبب سے ہوا، جو تنِ تنہا اس صورت سے آ پہنچا ہوں۔ اب امید ہے کہ حضور کی توجہ سے یہ خاک نشین مطلب دلی کو

پہنچے تو لایق ہے، آگے جو مرضیِ مُبارک۔ لیکن اگر یہ التماس خاکسار کا قبول نہ ہوگا، تو اِسی طرح خاک چھانتا پھریگا، اور اس جانِ بیقرار کو آپ کے عشق میں نثار کریگا۔ مجنوں اور فرہاد کی مانند جنگل میں یا پہاڑ پر مر رہیگا۔

یہی مدعا لکھ کر اُس خوجے کو دیا، اُس نے بادشاہزادی تلک پہنچایا۔ بعد ایک دم کے پھر آیا اور میرے تئیں بلایا اور اپنے ساتھ محل کی ڈیوڑھی پر لے گیا وہاں جاکر دیکھا تو ایک بوڑھی سی عورت صاحبِ لیاقت سنہری کرسی پر گہنا پاتا پہنے ہوئے بیٹھی ہے، اور کئی خوجے خدمتگار تکلف کے لباس پہنے ہوئے ہاتھ باندھے سامنے کھڑے ہیں۔ مَیں اُسے مختار کار جانکر اور دیرینہ سمجھ کر دست بسر ہوا۔ اُس ماما نے بہت مہربانی سے سلام کیا اور حکم کیا کہ آؤ بیٹھو خوب ہوا تم آئے۔ تمہیں نے ملکہ کے اشتیاق کا رقعہ لکھا تھا؟ مَیں شرم کھاکر چپ ہو رہا اور سر نیچا کرکے بیٹھا۔

ایک ساعت کے بعد بولی کہ اے جوان! بادشاہزادی نے سلام کہا ہے اور فرمایا ہے کہ مجھ کو خاوند کرنے سے عیب نہیں، تم نے میری درخواست کی، لیکن اپنی بادشاہت کا بیان کرنا اور اس فقیری میں اپنے تئیں بادشاہ سمجھنا اور اُس کا غرور کرنا نپٹ بیجا ہے، اس واسطے کہ سب آدمی آپس میں فی الحقیقت ایک ہیں، لیکن فضیلت دین اسلام کی البتہ ہے۔ اور میں بھی ایک مدت سے شادی کرنے کی آرزومند ہوں اور جیسے تم دولت

دنیا سے بے پرواہو، میرے تئیں بھی حق تعالیٰ نے اتنا مال دیا ہے کہ جس کا کچھ حساب نہیں۔ پر ایک شرط ہے کہ پہلے مہر ادا کرلو، اور مہر شہزادی کا ایک بات ہے جو تم سے ہوسکے۔ مَیں نے کہا، مَیں سب طرح حاضر ہوں جان و مال سے دریغ نہیں کرنے کا، وہ بات کیا ہے؟ کہو تو مَیں سنوں۔ تب اُس نے کہا، آج کے دن رہ جاؤ، کل تمہیں کہہ دونگی۔ مَیں نے خوشی سے قبول کیا اور رخصت ہو کر باہر آیا۔

دن تو گذرا، جب شام ہوئی مجھے ایک خواجہ سرا محل میں بُلا کر لے گیا۔ جا کر دیکھا تو اکابر عالم اور فاضل صاحب شرع حاضر ہیں، میں بھی اُسی جلسے میں جا کر بیٹھا کہ اتنے میں دستر خوان بچھایا گیا، اور کھانے اقسام اقسام کے شیریں اور نمکین چنے گئے۔ وے سب کھانے لگے، اور مجھے بھی تواضع کر کر شریک کیا۔ جب کھانے سے فراغت ہوئی ایک دائی اندر سے آئی اور بولی کہ بہرور کہاں ہے؟ اُسے بلاؤ۔ یساولوں نے وونہیں حاضر کیا۔ اُس کی صورت بہت مرد آدمی کی سی اور بہت سی کنجیاں روپے سونے کی کمر میں لٹکتیں ہوئیں، سلامُ علیک کر کر میرے پاس آکر بیٹھا۔ وہی دائی کہنے لگی کہ اے بہرور! تو نے جو کچھ دیکھا ہے مفصّل اس کا بیان کر۔

بہرور نے یہ داستان کہنی شروع کی اور مجھ سے مخاطب ہو کر بولا،

اے عزیز! ہماری پادشاہزادی کی سرکار میں ہزاروں غلام ہیں کہ سوداگری کے کام میں متعین ہیں، اُن میں سے ایک مَیں بھی ادنیٰ خانہ زاد ہوں۔ ہر ایک مُلک کی طرف لاکھوں روپے کا اسباب اور جنس دیکر رخصت فرماتی ہیں، جب وہ وہاں سے پھر آتا ہے تب اُس سے اس دیس کا احوال اپنے حضور میں پوچھتی ہیں اور سنتی ہیں۔ ایک بار یہ اتفاق ہوا کہ یہ کمترین تجارت کی خاطر چلا اور شہر نیمروز میں پہنچا، وہاں کے باشندوں کو دیکھا تو سب کا لباس سیاہ ہے، اور ہر دم نالہ و آہ ہے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اُن پر کچھ بڑی مصیبت پڑی ہے۔ اِس کا سبب جس سے میں پوچھتا کوئی جواب میرا نہ دیتا۔ اِسی حیرت میں کئی روز گذرے۔ ایک دن جونہیں صبح ہوئی، تمام آدمی چھوٹے بڑے لڑکے بوڑھے غریب غنی شہر کے باہر چلے۔ ایک میدان میں جاکر جمع ہوئے، اور اُس مُلک کا پادشاہ بھی سب امیروں کو ساتھ لیکر سوار ہوا۔ اور وہاں گیا تب سب برابر قطار باندھ کر کھڑے ہوئے۔

مَیں بھی اُن کے درمیان کھڑا تماشا دیکھتا تھا، پر یہ معلوم ہوتا تھا کہ وے سب کسو کا انتظار کھینچ رہے ہیں۔ ایک گھڑی کے عرصے میں دُور سے ایک جوان پریزاد صاحب جمال پندرہ سولہ برس کا سن و سال غل اور شور کرتا ہوا اور کف منہ سے جاری، زرد بیل کی سواری، ایک ہاتھ میں کچھ لیئے مقابل خلق اللہ کے آیا، اور اپنے بیل پر سے اُترا، ایک ہاتھ میں ناتھ اور ایک

ہاتھ میں ننگی تلوار لیکر دوزانو بیٹھا۔ ایک گل اندام پری چہرہ اُس کے ہمراہ تھا، اُس کو اُس جوان نے وہ چیز جو ہاتھ میں تھی دی۔ وہ تیم لیکر ایک سرے سے ہر ایک کو دکھاتا جاتا تھا، لیکن یہ حالت تھی کہ جو کوئی دیکھتا تھا، بے اختیار داڑھ مار کر روتا تھا۔ اسی طرح سب کو دکھاتا اور رلاتا ہوا سب کے سامنے سے ہو کر اپنے خاوند کے پاس پھر گیا۔

اُس کے جاتے ہی وہ جوان اُٹھا اور اس غلام کا سر شمشیر سے کاٹ کر اور سوار ہو کر جیدھر سے آیا تھا اودھر کو چلا۔ سب کھڑے دیکھا کئے، جب نظروں سے غائب ہوا لوگ شہر کی طرف پھرے۔ میں ہر ایک سے اس ماجرے کی حقیقت پوچھتا تھا، بلکہ روپیوں کا لالچ دیتا اور خوشامد منت کرتا کہ مجھے ذرا بتا دو کہ یہ جوان کون ہے؟ اور اِس نے یہ کیا حرکت کی، اور کہاں سے آیا، اور کہاں گیا؟ ہرگز کسی نے نہ بتلایا اور نہ کچھ میرے خیال میں آیا۔ یہ تعجب دیکھکر جب میں یہاں آیا اور ملکہ کے روبرو اظہار کیا تب سے پادشاہزادی بھی حیران ہو رہی ہے اور اُسکی تحقیق کرنے کی خاطر دو دلی ہو رہی ہے لہذا مہر اپنا یہی مقرر کیا ہے، کہ جو شخص اس عجوبے کی کماحقہ خبر لاوے، اُس کو پسند فرماوے اور وہی مالک سارے مال مُلک کا اور ملکہ کا ہو دے۔

یہ ماجرا تم نے سب سنا۔ اپنے دل میں غور کرو اگر تم اُس جوان کی خبر لاسکو تو قصد ملک نیمروز کا کرو اور جلد روانہ ہو۔ نہیں تو انکار کر کر اپنے گھر کی

راہ لو۔ مَیں نے جواب دیا کہ اگر خدا چاہے تو جلد اُس کا احوال سر سے پاؤں تک دریافت کر کر بادشاہزادی کے پاس آ پہنچتا ہوں اور کامیاب ہوتا ہوں۔ اور جو میری قسمت بد ہے تو اس کا کچھ علاج نہیں، لیکن ملکہ اس کا قول و قرار کریں کہ اپنے کہنے سے نہ پھریں، اور بالفعل ایک اندیشہ مشکل میرے دل میں خلش کر رہا ہے۔ اگر ملکہ غریب نوازی اور مسافر پروری سے حضور میں بلاویں اور پردے کے باہر بٹھلاویں اور میرا التماس اپنے کانوں سُنیں اور اس کا جواب اپنی زبان سے فرماویں، تو میری خاطر جمع ہو اور مجھ سے سب کچھ ہو سکے۔ یہ میرے مطلب کی بات ماما نے روبرو اُس پری پیکر کے عرض کی، بارے قدر دانی کی راہ سے حکم کیا کہ اُنھیں بُلا لو۔

دائی پھر باہر آئی اور مجھے اپنے ساتھ جس محل میں بادشاہزادی تھی لے گئی۔ کیا دیکھتا ہوں کہ دورویہ صف باندھے دست بستہ سہیلیاں اور خواصیں اور اردابیگنیاں قلماقنیاں ترکنیاں حبشنیاں اُذبکنیاں کشمیرنیاں جواہر میں جڑی عہدے لئے کھڑی ہیں۔ اندر کا اکھاڑا کہوں یا پریوں کا اُتارا؟ بے اختیار ایک آہ بیخودی سے زبان تک آئی اور کلیجہ تھلکنے لگا پر زور اپنے تئیں تھانبا۔ اُن کو دیکھتا بھالتا اور سیر کرتا ہوا آگے چلا، لیکن پاؤں سو سو من کے ہو گئے۔ جس کو دیکھوں پھر یہ نہ جی چاہے کہ آگے جاؤں۔ ایک طرف چلون پڑی تھی اور مونڈھا جڑاؤ بچھوا رکھا تھا، اور ایک چوکی بھی صندل

کی بچھی تھی۔ دائی نے مجھے بیٹھنے کی اشارت کی۔ مَیں مونڈھے پر بیٹھ گیا اور وہ چوکی پر، کہنے لگی، لو اَب جو کہنا ہے سوچ بھر کر کہو۔

مَیں نے ملکہ کی خوبیوں کی اور عدل و انصاف داد دہش کی پہلے تعریف کی، پھر کہنے لگا جب سے میں اِس ملک کی سرحد میں آیا، ہر ایک منزل میں یہی دیکھا کہ جا بجا مسافر خانے اور عمارتیں عالی بنی ہوئی ہیں، اور آدمی ہر ایک عہدے کے تعینات ہیں کہ خبر گیری مسافروں اور محتاجوں کی کرتے ہیں مجھے بھی تین تین دن ہر ایک مقام میں گذرے۔ چوتے روز جب رخصت ہونے لگا تب بھی کسو نے خوشی سے نہ کہا کہ جاؤ، اور جتنا اسباب اُس مکان میں تھا، شطرنجی، چاندنی، قالینیں سیتل پاٹی، منگل کوٹی، دیوار گیری، چھت پردے چلونیں، سائبان، نمگیرے، چھپر کھٹ معہ غلاف، ادقچہ، توشک، بالا پوش سیج بند۔ چادر، تکیئے، تکمینی، گل تکیے، مسند، گاؤ تکیئے، دیگ۔ دیگچی، پتیلی، طباق، رکابی، بادیئے، تشتری، چمچے، بکاولی، کفگیر، طعام بخش، سرپوش سینی، خوان پوش، تورہ پوش، آبخورے، بھرے، صراحی، لگن، پاندان چوگھرے، چنگیر، گلاب پاش، عود سوز، آفتابہ، چلمچی سب میرے حوالے کئے کہ یہ تمہارا مال ہے، چاہو اب لیجاؤ، نہیں تو ایک کوٹھری میں بند کر کر اپنی مہر کرو، جب تمہاری خوشی ہوگی پھرتے ہوئے لیجائیو۔ مَیں نے یونہیں کیا۔ پر یہ حیرت ہے کہ جب مجھ سے فقیر تنہا سے یہ سلوک ہوا، تو ایسے غریب

ہزاروں تمہارے ملکوں میں آتے جاتے ہونگے، پس اگر ہر ایک سے یہی مہمانداری کا طور رہتا ہوگا، تو مبلغ بے حساب خرچ ہوتے ہونگے۔ پس اتنی دولت کہ جس کا یہ صرف ہے کہاں سے آئی اور کیسی ہے؟ اگر گنجِ قارون ہو تو بھی وفا نہ کرے۔ اور ظاہر میں اگر ملکہ کی سلطنت پر نگاہ کیجئے تو اُس کی آمدنی فقط باورچی خانے کے خرچ کو بھی کفایت نہ کرتی ہوگی، اور خرچوں کا تو کیا ذکر ہے۔ اگر اس کا بیان ملکہ کی زبان سے سنوں، تو خاطر جمع ہو قصد ملک نیمروز کا کروں، اور جوں توں وہاں جا پہنچوں، پھر سب احوال دریافت کرکے ملکہ کی خدمت میں بشرطِ زندگی بارِ دِگر حاضر ہوں۔ اپنے دل کی مراد پاؤں۔

یہ سنکر ملکہ نے اپنی زبان سے کہا کہ اے جوان! اگر تجھے آرزو کمال ہے کہ یہ ماہیت دریافت کرے، تو آج کے دن بھی مقام کر، شام کو تجھے حضور میں طلب کرکر جو کچھ احوال اِس دولت بے زوال کا ہے بے کم و کاست کہا جائیگا۔ مَیں یہ تسلی پاکر اپنی استقامت کے مکان پر آکر منتظر تھا کہ کب شام ہو جو میرا مطلب تمام ہو۔ اتنے میں خواجہ سرا کئی چوگوشے تورہ پوش پڑے بھوئیوں کے سر پر دھرے آکر موجود ہوا اور بولا کہ حضور سے اُلش خاص عنایت ہوا ہے۔ اس کو تناول کرو جس وقت میرے سامنے کھولے، بوباس سے دماغ معطر ہوا اور روح بھر گئی۔ جتنا کھا سکا کھالیا، باقی اُن سبھوں کو اُٹھا دیا اور شکر نعمت

کہہ بھجایا۔ بارے جب آفتاب تمام دن کا مسافر تھکا ہوا گرتا پڑتا اپنے محل میں داخل ہوا، اور ماہتاب دیوان خانے میں اپنے مصاحبوں کو ساتھ لیکر نکل بیٹھا، اُس وقت دائی آئی، اور مجھ سے کہنے لگی کہ چلو بادشاہزادی نے یاد فرمایا ہے۔

مَیں اُس کے ہمراہ ہولیا، خلوت خاص میں لے گئی، روشنی کا یہ عالم تھا کہ شبِ قدر کو وہاں قدر نہ تھی، اور بادشاہی فرش پر مسندِ مغرق بچھی مرصع کا تکیہ لگا ہوا اور اس پر ایک شمیانہ موتیوں کی جھالر کا جڑاؤ اِستادوں پر کھڑا ہوا، اور سامنے مسند کے جواہر کے درخت پھول پات لگے ہوئے (گویا عین مین قدرتی ہیں) سونے کی کیاریوں میں جمے ہوئے، اور دونوں طرف دست راست اور دست چپ شاگردِ پیشے اور مجرائی دست بستہ با ادب آنکھیں نیچی کئے ہوئے حاضر تھے۔ اور طوائف اور گائنیں سازوں کے سُر بنائے منتظر۔ یہ سماں اور یہ تیاری کرّوفر کی دیکھ کر عقل ٹھکانے نہ رہی دائی سے پوچھا کہ دن کو وہ زیبائش اور رات کو یہ آرائش کہ دن عید اور رات شبِ برات کہا چاہیئے۔ بلکہ دنیا میں بادشاہ ہفت اقلیم کو یہ عیش میسّر نہ ہوگا، ہمیشہ یہی صورت رہتی ہے؟ دائی کہنے لگی کہ ہماری ملکہ کا جتنا کارخانہ تم نے دیکھا، یہ سب اِسی دستور سے جاری ہے، اِس میں ہرگز خلل نہیں بلکہ افزوں ہے۔ تم یہاں بیٹھو، ملکہ دوسرے مکان میں تشریف رکھتی ہیں۔ جا کر

خبر کروں۔

دائی یہ کہکر گئی، اور اُنھیں پانوں پھر آئی، کہ چلو حضور میں۔ بہ مجرد اُس مکان میں جاتے ہی بھچک رہ گیا، نہ معلوم ہوا کہ دروازہ کہاں اور دیوار کیدھر ہے، اس واسطے کہ حلبی آئینے قدِآدم چاروں طرف لگے، اور اُن کی پردازوں میں ہیرے اور موتی جڑے ہوئے تھے۔ ایک کا عکس ایک میں نظر آتا، تو یہ معلوم ہوتا کہ جواہر کا سارا مکان ہے۔ ایک طرف پردہ پڑا تھا، اُس کے پیچھے ملکہ بیٹھیں تھیں۔ وہ دائی پردے سے لگ کر بیٹھی اور مجھے بھی بیٹھنے کو کہا، تب دائی ملکہ کے فرمانے سے اِس طور پر بیان کرنے لگی کہ سن اے جوان دانا! سلطان اس اقلیم کا بڑا بادشاہ تھا، اُن کے گھر میں سات بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ ایک روز بادشاہ نے جشن فرمایا، یے ساتوں لڑکیاں سولہ سنگار بارہ ابھرن بال بال گج موتی پروکر بادشاہ کے حضور میں کھڑی تھیں۔ سلطان کے کچھ جی میں آیا، تو بیٹیوں کی طرف دیکھکر فرمایا۔ اگر تمھارا باپ بادشاہ نہ ہوتا اور کسی غریب کے گھر تم پیدا ہوتیں، تو تمھیں بادشاہ زادی اور ملکہ کون کہتا؟ خدا کا شکر کرو کہ شہزادیاں کہلاتی ہو۔ تمھاری یہ ساری خوبی میرے دم سے ہے۔

چھ لڑکیاں ایک زبان ہوکر بولیں کہ جہاں پناہ جو فرماتے ہیں بجا ہے اور آپ ہی کی سلامتی سے ہماری بھلائی ہے۔ لیکن یہ ملکہ جہاں سب بہنوں

سے چھوٹی تھیں. پر عقل و شعور میں اُس عمر میں بھی گویا سب سے بڑی تھیں چپکی کھڑی رہیں. اِس گفتگو میں بہنوں کی شریک نہ ہوئیں. اِس واسطے کہ یہ کلمہ کفر کا ہے۔ بادشاہ نے نظرِ غضب سے اُن کی طرف دیکھا اور کہا۔ کیوں بی بی! تم کچھ نہ بولیں. اس کیا کیا باعث ہے؟ تب ملکہ نے دونوں ہاتھ اپنے رومال سے باندھ کر عرض کی کہ اگر جان کی اماں پاؤں اور تقصیر معاف ہو تو یہ لونڈی اپنے دل کی بات گذارش کرے۔ حکم ہوا کہ کہہ. کیا کہتی ہے؟ تب ملکہ نے کہا کہ قبلۂ عالم! آپ نے سنا ہے کہ سچی بات کڑوی لگتی ہے، سو اِس وقت مَیں اپنی زندگی سے ہاتھ دھو کر عرض کرتی ہوں، اور جو کچھ میری قسمت میں لکھنے والے نے لکھا ہے. اُس کا مٹانے والا کوئی نہیں، کسو طرح نہیں ٹلنے کا.

خواہ تم پانو گھسو یا کہ رکھو سر بسجود بات پیشانی کی جو کچھ ہے سو پیش آتی ہے

جس بادشاہ علی الاطلاق نے آپ کو پادشاہ بنایا، اُنھیں نے مجھے بھی پادشاہزادی کہوایا. اس کی قدرت کے کارخانے میں کسو کا اختیار نہیں چلتا آپ کی ذات ہماری ولی نعمت اور قبلہ و کعبہ ہے، حضرت کے قدم مبارک کی خاک کو اگر سرمہ کروں تو بجا ہے، مگر نصیب ہر ایک کے ہر ایک کے ساتھ ہیں. بادشاہ یہ سنکر طیش میں آئے. اور یہ جواب دل پر سخت گراں معلوم ہوا بیزار ہو کر فرمایا. چھوٹا منہ بڑی بات. اب اِس کی یہی سزا ہے کہ گہنا پاتا جو کچھ اس کے ہاتھ گلے میں ہے اُتار لو، اور ایک میانے میں چڑھا کر ایسے جنگل

ہیں کہ جہاں نام و نشان آدمی آدم زاد کا نہ ہو، پھینک آؤ۔ دیکھیں اس کے نصیبوں میں کیا لکھا ہے۔

بہ موجب حکم بادشاہ کے اُس آدھی رات میں کہ (عین اندھیری تھی) ملکہ کو (جو جونرے بھونرے میں پلی تھیں اور سوائے اپنے محل کے دوسری جگہ نہ دیکھی تھی) بھوئی لیجا کر ایک میدان میں (کہ وہاں پرندہ پر نہ مارتا، انسان کا تو کیا ذکر ہے) چھوڑ کر چلے آئے۔ ملکہ کے دل پر عجب حالت گذرتی تھی کہ ایک دم میں کیا تھا اور کیا ہو گیا؟ پھر اپنے خدا کی جناب میں شکر کرتیں اور کہتیں۔ تو ایسا ہی بے نیاز ہے جو چاہا سو کیا، اور جو چاہتا ہے سو کرتا ہے، اور جو چاہے گا سو کرے گا۔ جب تلک نتھنوں میں دم ہے تجھ سے ناامید نہیں ہوتی۔ اِسی اندیشے میں آنکھ لگ گئی۔ جب وقت صبح ہونے لگی، ملکہ کی آنکھ کھل گئی، پکاریں کہ وضو کو پانی لانا، پھر ایکبارگی رات کی بات جیسے یاد آئی کہ تو کہاں اور یہ بات کہاں؟ یہ کہہ کر اُٹھ کر تیمم کیا، اور دوگانہ شکر کا پڑھا اے عزیز! ملکہ کی اِس حالت کے سننے سے چھاتی پھٹتی ہے اس بھولے بھالے جی سے پوچھا چاہیے کہ کیا کہتا ہو گا۔

غرض اُس میدان میں بیٹھی ہوئی خدا سے لَو لگائے رہیں تھیں، اور یہ کبت اس دم پڑھتی تھیں۔

जब दांत न थे तब दूध दियो । जब दांत दिये काह अन्न न दै है

जो जल में थल में पंछी पशु की सुध लेत-सो तेरी भी लै है;
काहेको सोच करे; मन मूरख सोच करे, कुछ हाथ न आय है;
जान को देत; अंजान का देत, जहान को देत, सो तोको भी दै है.

سچ ہے جب کچھ بن نہیں آتا، تب خدا ہی یاد آتا ہے۔ نہیں تو
اپنی اپنی تدبیر میں ہر ایک لقمان اور بوعلی سینا ہے۔ اب خدا کے کارخانے
کا تماشا سنو۔ اِسی طرح تین دن رات صاف گذر گئے کہ ملکہ کے منہ میں
ایک کھیل بھی اُڑکر نہ گئی، وہ پھول سا بدن سوکھ کر کانٹا ہو گیا، اور وہ رنگ
جو کندن سا دمکتا تھا۔ ہلدی سا بن گیا منہ میں پھیپھڑی بندھ گئی، آنکھیں
پتھرا گئیں، مگر ایک دم اٹک رہا تھا کہ وہ آتا جاتا تھا۔ جب تلک سانس
تب تلک آس۔ چوتھے روز صبح کو ایک درویش خضر کی سی صورت نورانی
چہرہ روشن دل آکر پیدا ہوا۔ ملکہ کو اس حالت میں دیکھ کر بولا اے بیٹی!
اگرچہ تیرا باپ بادشاہ ہے لیکن تیری قسمت میں یہ بھی بدا تھا۔ اب اس
فقیر بوڑھے کو اپنا خادم سمجھ، اور اپنے پیدا کرنے والے کا رات دن دھیان
رکھ خدا خوب کرے گا۔ اور فقیر کے کچکول میں جو ٹکڑے بھیکھ کے موجود
تھے، ملکہ کے روبرو رکھے اور پانی کی تلاش میں پھرنے لگا۔ دیکھے تو
ایک کنواں تو ہے، پر ڈول رسی کہاں، جس سے پانی بھرے؛ تھوڑے
پتے درخت سے توڑ کر دونا بنایا، اور اپنی سیلی کھول کر اُس میں باندھ کر

نکالا، اور ملکہ کو کچھ کھلایا پلایا۔ بارے ٹک ہوش آیا، اُس مردِ خدا نے بیکس
اور بے بس جان کر بہت سی تسلی دی، خاطر جمع کی، اور آپ بھی رونے لگا
ملکہ نے جب غمخواری اور دلداری اس کی بے حد دیکھی۔ تب اُن کے بھی مزاج
کو استقلال ہوا۔ اُس روز سے اُس پیر مرد نے یہ مقرر کیا کہ صبح کو بھیکھ مانگنے
کے لئے شہر میں نکل جاتا، جو ٹکڑا پارچہ پاتا، ملکہ کے پاس لے آتا اور کھلاتا۔

اِس طور سے تھوڑے روز گذرے۔ ایک دن ملکہ نے تیل سر میں
ڈالنے اور کنگھی چوٹی کرنے کا قصد کیا۔ جونہیں مُباف کھولا، چٹلے میں سے
ایک موتی کا دانہ گول آبدار نکل پڑا۔ ملکہ نے اُس درویش کو دیا اور کہا، شہر
میں سے اِس کو بیچ لاؤ۔ وہ فقیر اُس گوہر کو بیچ کر اُس کی قیمت بادشاہزادی
کے پاس لے آیا۔ تب ملکہ نے حکم کیا کہ ایک مکان موافق گذران کے اِس
جگہ بنواؤ۔ فقیر نے کہا اے بیٹی! نیو دیوار کی کھود کر تھوڑی سی مٹی جمع کرو
ایک دن میں پانی لاکر گارا کر کر گھر کی بُنیاد درست کردونگا۔ ملکہ نے اُس
کے کہنے سے مٹی کھودنی شروع کی، جب ایک گز عمیق گڑھا کھودا گیا، زمین
کے نیچے سے ایک دروازہ نمود ہوا۔ ملکہ نے اُس در کو صاف کیا، ایک بڑا
گھر جواہر اور اشرفیوں سے معمور نظر آیا۔ ملکہ نے پانچ چار لپ اشرفیوں کی
لیکر پھر بند کیا، اور مٹی دیکر اوپر سے ہموار کردیا۔ اتنے میں فقیر آیا، ملکہ نے
فرمایا کہ راج اور معمار کاریگر اور اپنے کام کے استاد اور مزدور جلد دست بُلاؤ

جو اس مکان پر ایک عمارت پادشاہانہ کہ طاقِ کسریٰ کا جفت ہو، اور قصرِ نعمان سے سبقت لے جائے، اور شہر پناہ اور قلعہ اور باغ اور باؤلی اور ایک مسافر خانہ کہ لاثانی ہو، جلد تیار کریں، لیکن پہلے نقشہ اُن کا ایک کاغذ پر درست کر کے حضور میں لاویں جو پسند کیا جائے۔

فقیر نے ایسے ہی کارکن کارکردہ ذی ہوش لا کر حاضر کیے۔ موافق فرمانے کے تعمیر عمارت کی ہونے لگی، اور نوکر چاکر ہر ایک کارخانجات کے خاطر چُن چُن کر فہمیدہ اور بادیانت ملازم ہونے لگے۔ اس عمارت عالیشان کی تیاری کی خبر رفتہ رفتہ پادشاہ ظلِّ سبحانی کو (جو قبلہ گاہ ملکہ کے تھے) پہنچی۔ سُنکر بہت متعجب ہوئے، اور ہر ایک سے پوچھا کہ یہ کون شخص ہے جس نے یہ محلات بنانے شروع کیے ہیں؟ اُس کی کیفیت سے کوئی واقف نہ تھا جو عرض کرے، سبھوں نے کانوں پر ہاتھ رکھے کہ کوئی غلام نہیں جانتا کہ اِس کا بانی کون ہے۔ تب پادشاہ نے ایک امیر کو بھیجا اور پیغام دیا کہ مَیں اُن مکانوں کے دیکھنے کو آیا چاہتا ہوں، اور یہ بھی معلوم نہیں کہ تم کہاں کی پادشاہزادی ہو اور کس خاندان سے ہو۔ یہ سب کیفیت دریافت کرنی اپنے تئیں منظور ہے۔

جونہیں ملکہ نے یہ خوش خبری سنی، دل میں بہت شاد ہو کر عرضی لکھی، کہ جہاں پناہ سلامت! حضور کے تشریف لانے کی خبر طرف غریب خانے

کی سنکر نہایت خوشی حاصل ہوئی، اور سبب حرمت اور عزت اس کمترین کا ہوا۔ زہے طالع اُس مکان کے! کہ جہاں قدم مبارک کا نشان پڑے اور وہاں کے رہنے والوں پر دامنِ دولت سایہ کرے، اور نظرِ توجہ سے وے دونوں سرفراز ہوویں۔ یہ لونڈی امیدوار ہے کہ کل روز پنجشنبہ روز مبارک ہے، اور میرے نزدیک بہتر روز نوروز سے ہے۔ آپ کی ذات مشابہ آفتاب کے ہے، تشریف فرما کر اپنے نور سے اس ذرۂ بے مقدار کو قدر و منزلت بخشئے، اور جو کچھ اس عاجزہ سے میسر ہو سکے نوش جان فرمائیے، یہ عین غریب نوازی اور مسافر پروری ہے، زیادہ حدِّ ادب۔ اور اُس عُمدہ کو بھی کچھ تواضع کر کر رخصت کیا۔

پادشاہ نے عرضی پڑھی اور کہلا بھیجا کہ ہم نے تمہاری دعوت قبول کی، البتہ آوینگے۔ ملکہ نے نوکروں اور سب کارباریوں کو حکم کیا کہ لوازمہ ضیافت کا ایسے سلیقے سے تیار ہو کہ پادشاہ دیکھ کر اور کھا کر بہت محظوظ ہوں۔ اور ادنیٰ اعلیٰ جو پادشاہ کی رکاب میں آویں، سب کھا پی کر خوش ہو کر جاویں۔ ملکہ کے فرمانے اور تاکید کرنے سے سب قسم کے کھانے سلونے اور میٹھے اس ذائقہ کے تیار ہوئے کہ اگر باہمن کی بیٹی کھاتی تو کلمہ پڑھتی۔ جب شام ہوئی، بادشاہ منڈے تخت پر سوار ہو کر ملکہ کے مکان کی طرف تشریف لائے۔ ملکہ اپنی خاص خواص سہیلیوں کو لیکر استقبال کے واسطے چلیں۔

جوں بادشاہ کے تخت پر نظر پڑی، اس آداب سے مجرا شاہانہ کیا کہ یہ قاعدہ دیکھکر بادشاہ کو اور بھی حیرت نے لیا، اور اُسی انداز سے جلوہ کرکر بادشاہ کو تختِ مرصع پر لا بٹھایا۔ ملکہ نے سوا لاکھ روپے کا چبوترہ تیار کروا رکھا تھا اور ایک سو ایک کشتی جواہر اور اشرفی اور پشمینہ اور نوربافی اور ریشمی اور طلابافی اور زردوزی کی لگا رکھی تھی، اور دو زنجیر فیل اور دس راس اسپ عراقی اور یمنی مرصع کے ساز سے تیار کر رکھے تھے، نذر گذرانے، اور آپ دونوں ہاتھ باندھے روبرو کھڑی رہیں۔ بادشاہ نے بہت مہربانی سے فرمایا کہ تم کس ملک کی شہزادی ہو، اور یہاں کس صورت سے آنا ہوا؟

ملکہ نے آداب بجا لا کر التماس کیا کہ یہ لونڈی وہی گنہگار ہے جو غضب سلطانی کے باعث اس جنگل میں پہنچی، اور یے سب تماشے خدا کے ہیں جو آپ دیکھتے ہیں۔ یہ سنتے ہی بادشاہ کے لہو نے جوش مارا، اُٹھ کر محبت سے گلے لگا لیا اور ہاتھ پکڑ کے اپنے تخت کے پاس کرسی بچھوا کر حکم بیٹھنے کا کیا۔ لیکن بادشاہ حیران اور متعجب بیٹھے تھے، فرمایا کہ بادشاہ بیگم کو کہو کہ بادشاہزادیوں کو اپنے ساتھ لیکر جلد آویں۔ جب وے آئیں ماں بہنوں نے پہچانا، اور گلے ملکر روئیں اور شکر کیا۔ ملکہ نے اپنی والدہ اور چھیوں ہمشیروں کے روبرو اتنا کچھ نقد اور جواہر رکھا کہ خزانہ تمام عالم کا اُس کے پاسنگ میں نہ چڑھے۔ پھر بادشاہ نے سب کو ساتھ بٹھا کر خاصہ نوش جان فرمایا۔

جب تلک جہاں پناہ جیتے رہے، اسی طرح گذری۔ کبھو کبھو آپ
آتے، اور کبھی ملکہ کو بھی اپنے ساتھ محلوں میں لے جاتے۔ جب پادشاہ
نے رحلت فرمائی، سلطنت اِس اقلیم کی ملکہ کو پہنچی، کہ ان کے سوا دوسرا کوئی
لائق اس کام کے نہ تھا۔ اے عزیز! سرگذشت یہ ہے جو تو نے سُنی۔ پس
دولت خداداد کو ہرگز زوال نہیں ہوتا۔ مگر آدمی کی نیت درست چاہیئے،
بلکہ جتنی خرچ کرو اُس میں اُتنی ہی برکت ہوتی ہے۔ خدا کی قدرت میں
تعجب کرنا کسی مذہب میں روا نہیں۔ دائی نے یہ بات کہہ کر کہا اب اگر
قصد وہاں کے جانے کا اور اُس خبر لانے کا دل میں مقرر رکھتے ہو، تو
جلد روانہ ہو۔ مَیں نے کہا اِسی وقت مَیں جاتا ہوں، اور خدا چاہے تو جلد پھر
آتا ہوں۔ آخر رخصت ہو کر اور فضل الٰہی پر نظر رکھ کر اُس سمت کو چلا۔
برس دن کے عرصے میں ہرج مرج کھینچتا ہوا شہر نیمروز میں جا
پہنچا۔ جتنے وہاں کے آدمی ہزاری اور بزاری نظر پڑے، سیاہ پوش تھے
جیسا احوال سُنا تھا اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ کئی دنوں کے بعد چاند رات
ہوئی۔ پہلی تاریخ سارے لوگ اُس شہر کے چھوٹے بڑے لڑکے بالے اُمرا
پادشاہ عورت مرد ایک میدان میں جمع ہوئے۔ مَیں بھی اپنی حالت
میں حیران سرگردان اُس کثرت کے ساتھ اپنے مال ملک سے جُدا فقیر
کی صورت بنا ہوا کھڑا دیکھتا تھا کہ دیکھیئے پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہوتا

ہے۔ اتنے میں ایک جوان گاؤ سوار منہ میں کف بھرے جوش خروش کرتا ہوا جنگل میں سے باہر نکلا۔ یہ عاجز جو اتنی محنت کر کے اُس کے احوال دریافت کرنے کی خاطر گیا تھا، دیکھتے ہی اُسے حواس باختہ ہو کر حیران کھڑا رہ گیا۔ وہ جواں مرد قدیم قاعدے پر جو جو کام کرتا تھا کر کر پھر گیا، اور خلقت شہر کی شہر کی طرف متوجہ ہوئی۔ جب مجھے ہوش آیا تب مَیں پچتایا کہ یہ کیا تجھ سے حرکت ہوئی۔ اَب مہینے بھر پھر راہ دیکھنی پڑی۔ لاچار سب کے ساتھ چلا آیا، اور اُس مہینے کو ماہِ رمضان کے مانند ایک ایک دن گن گن کر کاٹا۔ بارے دوسری چاند رات آئی۔ مجھے گویا عید ہوئی، غرّے کو پھر بادشاہ خلقت سمیت وہیں جا کر اکٹھے ہوئے۔ تب مَیں نے دل میں مصمم ارادہ کیا کہ اب کے بار جو ہو سو ہو۔ اپنے تئیں سنبھال کر اس ماجرائے عجیب کو معلوم کیا چاہیے۔

ناگاہ جوان بدستور زرد بَیل پر زین باندھے سوار ہو آ پہنچا، اور اُتر کر دو زانو بیٹھا۔ ایک ہاتھ میں ننگی سیف اور ایک ہاتھ میں بَیل کی ناتھ پکڑی اور مرتبان غلام کو دیا۔ غلام ہر ایک کو دکھا کر لے گیا، آدمی دیکھ کر رونے لگے، اُس جوان نے مرتبان پھوڑا۔ اور غلام کو ایک تلوار ایسی ماری کہ سر جُدا ہو گیا، اور آپ سوار ہو کر مُڑا۔ مَیں اُس کے پیچھے جلد قدم اُٹھا کر چلنے لگا۔ شہر کے آدمیوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور کہا یہ کیا کرتا ہے، کیوں جان بوجھ کر مرتا ہے؟ اگر ایسا ہی تیرا دم ناک میں آیا ہے، تو بہتیری طرحیں مرنے کی

ہیں، مر رہیو۔ ہر چند مَیں نے منت کی، اور زور بھی کیا کہ کسو صورت سے اُن کے ہاتھ سے چھوٹوں چھٹکارا نہ ہوا۔ دو چار آدمی لپٹ گئے اور پکڑے ہوئے بستی کی طرف لے آئے۔ عجب طرح کا قلق پھر مہینے بھر گذرا۔

جب وہ بھی مہینا تمام ہوا اور سلخ کا دن آیا، صبح کو اسی صورت سے سارے عالم وہاں کا ازدحام ہوا۔ مَیں الگ سب سے نماز کے وقت اُٹھکر آگے ہی جنگل میں (جو عین اُس جوان کی راہ پر تھا) گھس کر چھپ رہا، کہ یہاں تو کوئی میرا مزاحم نہوگا۔ وہ شخص اُسی قاعدے سے آیا، اور وہی حرکتیں کرکر سوار ہوا اور چلا۔ مَیں نے اُس کا پیچھا کیا اور دوڑتا دھوپتا ساتھ ہو لیا۔ اُس عزیز نے آہٹ سے معلوم کیا کہ کوئی چلا آتا ہے۔ ایکبارگی باگ موڑ کر ایک نعرہ مارا اور گھرکا۔ تلوار کھینچ کر میرے سر پر آ پہنچا، چاہتا تھا کہ حملہ کرے۔ میں نے نہایت ادب سے نہُر کر سلام کیا اور دونوں ہاتھ باندھ کر کھڑا رہ گیا۔ وہ قاعدہ داں متکلم ہوا کہ اے فقیر! تو ناحق مارا گیا ہوتا پر بچ گیا۔ تیری حیات کچھ باقی ہے۔ جا، کہاں آتا ہے؟ اور جڑاؤ خنجر موتیوں کا اور آویزہ لگا ہوا کمر سے نکال کر میرے آگے پھینکا اور کہا، اس وقت میرے پاس کچھ نقد موجود نہیں جو تجھے دوں، اِس کو بادشاہ پاس لے جا، جو تو مانگیے گا ملے گا۔ ایسی ہیبت اور ایسا رعب اُس کا مجھ پر غالب ہوا کہ نہ بولنے کی قدرت نہ چلنے کی طاقت۔ منہ میں گھگّی بندھ گئی، پاؤں بھاری ہو گئے۔

اتنا کہہ کر وہ غازی مرد نعرہ بھرتا ہوا چلا۔ مَیں نے دل میں کہا ہرچہ بادا باد، اب رہ جانا تیرے حق میں بُرا ہے، پھر ایسا وقت نہ ملے گا! اپنی جان سے ہاتھ دھو کر مَیں بھی روانہ ہوا، پھر وہ پھرا، اور بڑے غصے سے ڈانٹا، اور مقرّر ارادہ میرے قتل کا کیا۔ مَیں نے سر جھکا دیا اور سوگندیں دیں کہ اے رستم وقت کے! ایسی ہی ایک سیف مار کہ صاف دو ٹکڑے ہو جاؤں ایک تسمہ باقی نہ رہے، اور اس حیرانی اور تباہی سے چھوٹ جاؤں۔ مَیں نے اپنا خون معاف کیا۔ وہ بولا کہ اے شیطان کی صورت! کیوں اپنا خونِ ناحق میری گردن پر چڑھاتا ہے، اور مجھے گنہگار بناتا ہے؟ جا اپنی راہ لے، کیا جان بھاری پڑی ہے؟ مَیں نے اُس کا کہا نہ مانا، اور قدم آگے دھرا، پھر اُس نے دیدہ و دانستہ آنا کانی دی، اور مَیں پیچھے لگ لیا۔ جاتے جاتے دو کوس وہ جھاڑ جنگل طے کیا۔ ایک چار دیواری نظر آئی۔ وہ جوان دروازے پر گیا، اور ایک نعرۂ مہیب مارا۔ وہ در آپ سے آپ کھل گیا۔ وہ اندر پیٹھا مَیں باہر کا باہر کھڑا رہ گیا۔ الٰہی اب کیا کروں! حیراں تھا، بارے ایک دم کے بعد غلام آیا اور پیغام لایا کہ چل تجھے روبرو بلایا ہے۔ شاید تیرے سر پر اجل کا فرشتہ آیا ہے۔ کیا تجھے کم بختی لگی تھی! میں نے کہا زہے نصیب! اور بیدھڑک اُس کے ساتھ اندر باغ کے گیا۔

آخر ایک مکان میں لے گیا جہاں وہ بیٹھا تھا، مَیں نے اُسے دیکھ کر فراشی

سلام کیا۔ اُس نے اشارت بیٹھنے کی کی، مَیں ادب سے دوزانو بیٹھا
کیا دیکھتا ہوں، کہ وہ مرد اکیلا ایک مسند پر بیٹھا ہے، اور ہتھیار زرگری
کے آگے دھرے ہیں، اور ایک جھاڑ زمرد کا تیار کر چکا ہے۔ جب
اُس کے اُٹھنے کا وقت آیا، جتنے غلام اُس شہ نشین کے گرد پیش حاضر
تھے، حجروں میں چھپ گئے۔ مَیں بھی مارے وسواس کے ایک کوٹھری
میں جا گھسا۔ وہ جوان اُٹھ کر سب مکانوں کی کنڈیاں چڑھا کر باغ
کے کونے کی طرف چلا، اور اپنی سواری کے بَیل کو مارنے لگا۔ اُس کے
چلّانے کی آواز میرے کان میں آئی، کلیجہ کانپنے لگا، لیکن اِس ماجرے
کی دریافت کرنے کی خاطر یہ سب آفتیں سہیں تھیں۔ ڈرتے ڈرتے
دروازہ کھول کر ایک درخت کے تنے کی آڑ میں جا کر کھڑا ہوا اور دیکھنے
لگا۔ جوان نے وہ سونٹا جس سے مارتا تھا، ہاتھ سے ڈال دیا، اور ایک
مکان کا قفل کُنجی سے کھولا، اور اندر گیا۔ پھر وونہیں باہر نکل کر نرگاؤ
کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا، اور منہ چوما اور دانہ گھاس کھلا کر اِدھر کو چلا۔
مَیں دیکھتے ہی جلد دوڑ کر پھر کوٹھری میں جا چھپا۔

اُس جوان نے زنجیریں سب دروازوں کی کھول دیں، سارے
غلام باہر نکلے۔ زیر انداز اور سیلپچی آفتابہ لیکر حاضر ہوئے۔ وہ وضو کر کر نماز
کی خاطر کھڑا ہوا، جب نماز ادا کر چکا پکارا کہ وہ درویش کہاں ہے؟ اپنا

نام سنتے ہی میں دوڑ کر روبرو جا کھڑا ہوا۔ فرمایا بیٹھ، میں تسلیم کر کر بیٹھا۔ خاصہ آیا، اُس نے تناول فرمایا، مجھے بھی عنایت کیا، مَیں نے بھی کھایا، جب دسترخوان بڑھایا اور ہاتھ دھوئے غلاموں کو رخصت دی، کہ جا کر سو رہو۔ جب کوئی اُس مکان میں نہ رہا، تب مجھ سے ہم کلام ہوا اور پوچھا کہ اے عزیز! تجھ پر کیا ایسی آفت آئی ہے جو تو اپنی موت کو ڈھونڈھتا پھرتا ہے؟ مَیں نے اپنا احوال آغاز سے انجام تک جو کچھ گذرا تھا تفصیل وار بیان کیا، اور کہا، آپ کی توجہ سے امید ہے کہ اپنی مراد کو پہونچوں۔ اُس نے یہ سنتے ہی ایک ٹھنڈی سانس بھری اور بیہوش ہوا اور کہنے لگا، بارے خدایا! عشق کے درد سے تیرے سوا کون واقف ہے۔ جس کی نہ پھٹی ہو بوائی کیا جانے پیر پرائی۔ اس درد کی قدر جو دردمند ہو، سو جانے۔

آفتوں کو عشق کی عاشق سے پوچھا چاہیئے
کیا خبر فاسق کو ہے؟ صادق سے پوچھا چاہیئے

بعد ایک لمحے کے ہوش میں آ کر ایک آہ جگر سوز بھری، سارا مکان گونج گیا، تب مجھے یقین ہوا کہ یہ بھی اِسی عشق کی بلا میں گرفتار ہے، اور اِسی مرض کا بیمار ہے۔ تب تو مَیں نے دل چلا کر کہا کہ مَیں نے اپنا احوال سب عرض کیا، آپ توجہ فرما کر اپنی سرگذشت سے بندے کو مطلع فرمایئے تو بمقدور اپنے پہلے تمہارے واسطے سعی کروں، اور دل کا مطلب کوشش

کر کر ہاتھ میں لاؤں۔ القصہ وہ عاشق صادق مجھ کو اپنا ہمراز اور ہمدرد جان کر، اپنا ماجرا اس صورت سے بیان کرنے لگا، کہ سُن اے عزیز! میں پادشاہزادۂ جگر سوز اِس اقلیم نیمروز کا ہوں۔ پادشاہ یعنی قبلہ گاہ نے میرے پیدا ہونے کے بعد نجومی اور رمّال اور پنڈت جمع کیئے اور فرمایا کہ احوال شہزادے کے طالعوں کا دیکھو اور جانچو، اور جنم پتری درست کرو۔ اور جو جو کچھ ہونا ہے حقیقت پل پل گھڑی گھڑی اور پہر پہر اور دِن دن مہینے مہینے اور برس برس کی مفصل حضور میں عرض کرو۔ بموجب حکم پادشاہ کے سب نے متفق ہو اپنے اپنے علم کو رو سے ٹھہرا، اور سادھ کر التماس کیا، کہ خدا کے فضل سے ایسی نیک ساعت اور سُبھ لگن میں شہزادے کا تولّد اور جنم ہوا ہے، کہ چاہیئے سکندر کی سی بادشاہت کرے، اور نوشیرواں سا عادل ہو، اور جتنے علم اور ہنر ہیں، اُن میں کامل ہو، اور جس کام کی طرف دل اُس کا مائل ہو، وہ بخوبی حاصل ہو۔ سخاوت و شجاعت میں ایسا نام پیدا کرے کہ حاتم اور رستم کو لوگ بھول جاویں، لیکن چودہ برس تلک سورج اور چاند کے دیکھنے سے ایک بڑا خطرہ نظر آتا ہے، بلکہ یہ وسواس ہے کہ جنونی اور سودائی ہو کر بہت آدمیوں کا خون کرے، اور بستی سے گھبراوے، جنگل میں نکل جاوے، اور چرند و پرند کے ساتھ دل بہلاوے۔ اس کا تقیّد رہے کہ رات دن آفتاب ماہتاب

کو نہ دیکھے، بلکہ آسمان کی طرف بھی نگاہ نہ کرنے پاوے۔ جو اتنی مُدّت خیر و عافیت سے کٹے، تو پھر ساری عمر سکھ اور چین سے سلطنت کرے۔

یہ سنکر پادشاہ نے اِسی لیئے اُس باغ کی بنا ڈالی، اور مکان متعدد ہر ایک نقشے کے بنوائے۔ میرے تئیں تہہ خانے میں پلنے کا حکم کیا اور اوپر ایک بُرج مندے کا تیار کروایا، تو دھوپ اور چاندنی اُس میں سے نہ چھنے۔ مَیں دائی دودھ پلائی اور انگا چھوچھو اور کئی خواصوں کے ساتھ اِس محافظت سے اُس مکان عالی شان میں پرورش پانے لگا اور ایک اُستاد دانا کار آزمودہ واسطے میری تربیّت کے متعین کیا، تو تعلیم ہر علم اور ہنر کی اور مشق ہفت قلم لکھنے کی کرے، اور جہاں پناہ ہمیشہ میرے خبر گیراں رہتے، دمبدم کی کیفیت روزمرہ حضور میں عرض ہوتی۔ مَیں اُس مکان ہی کو عالمِ دنیا جانکر کھلونوں اور رنگ برنگ پھولوں سے کھیلا کرتا اور تمام جہان کی نعمتیں کھانے کے واسطے موجود رہتیں، جو چاہتا سو کھاتا دس برس کی عمر تک جتنی صنعتیں اور قابلیتیں تھیں تحصیل کیں۔

ایک روز اُس گنبد کے نیچے روشن دان سے ایک پھول اچنبھے کا نظر پڑا، کہ دیکھتے دیکھتے بڑا ہوتا جاتا تھا۔ مَیں نے چاہا کہ ہاتھ سے پکڑ لوں، جوں میں ہاتھ لنبا کرتا تھا وہ اونچا ہوجاتا تھا۔ میں حیران ہوکر اُسے تک رہا تھا۔ وہیں ایک آواز قہقہے کی میرے کان میں آئی، مَیں نے

اُس کے دیکھنے کو گردن اُٹھائی۔ دیکھا تو نمداچیر کر ایک ٹکڑا چاند کا سا نکل رہاہے، دیکھتے ہی اُس کے میرے عقل وہوش بجا نہ رہے، پھر اپنے تئیں سنبھال کر دیکھا تو ایک مرصع کا تخت پریزادوں کے کاندھے پر معلق کھڑا ہے، اور ایک تخت نشین تاج جواہر کا سر پر، اور خلعت جھلابور بدن میں پہنے، ہاتھ میں یاقوت کا پیالا لیئے اور شراب پیئے ہوئے بیٹھی ہے۔ وہ تخت بلندی سے آہستہ آہستہ نیچے اُتر کر اُس بُرج میں آیا تب پری نے مجھے بُلایا، اور اپنے نزدیک بٹھایا، باتیں پیار کی کرنے لگی، اور منہ سے منہ لگا کر ایک جام شراب گل گلاب کا میرے تئیں پلایا اور کہا، آدمی زاد بیوفا ہوتا ہے، لیکن دل ہمارا تجھے چاہتا ہے۔ ایک دم میں ایسی ایسی انداز و ناز کی باتیں کیں کہ دل محو ہو گیا، اور ایسی خوشی حاصل ہوئی کہ زندگانی کا مزا پایا، اور یہ سمجھا کہ آج تو دنیا میں آیا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ میں تو کیا ہوں؟ کسو نے یہ عالم نہ دیکھا ہوگا، نہ سُنا ہوگا۔ اُس مزے میں خاطر جمع سے ہم دونوں بیٹھے تھے، کہ گُریال میں غلیلا لگا۔ اب اُس حادثۂ ناگہانی کا ماجرا سُن، کہ وونھیں چار پریزاد نے آسمان پر سے اُتر کر کچھ اُس معشوقہ کے کان میں کہا۔ سنتے ہی اُس کا چہرہ تغیر ہو گیا اور مجھ سے بولی کہ اے پیارے! دل تو یہ چاہتا تھا کہ کوئی دم تیرے ساتھ بیٹھ کر دل بہلاؤں، اور اسی طرح ہمیشہ آؤں یا تجھے اپنے ساتھ لیجاؤں۔

پر یہ آسمان دو شخص کو ایک جگہ آرام سے اور خوشی سے رہنے نہیں دیتا
لے، جاناں! تیرا خدا نگہبان ہے۔ یہ سنکر میرے حواس جاتے رہے، اور
طوطی ہاتھ کی اڑ گئی۔ مَیں نے کہا کہ اجی اب پھر کب ملاقات ہوگی؟ یہ
کیا تم نے غضب کی بات سنائی؟ اگر جلد آؤگی تو مجھے جیتا پاؤگی، نہیں تو
پچتاؤگی، یا اپنا ٹھکانا اور نام ونشان بتاؤ کہ مَیں ہی اُس پتے پر ڈھونڈھتے
ڈھونڈھتے اپنے تئیں تمھارے پاس پہنچاؤں۔ یہ سُنکر بولی، دُور پار شیطان
کے کان بہرے۔ تمھاری صد وبیست سال کی عمر ہووے، اگر زندگی ہے
تو پھر ملاقات ہو رہے گی۔ مَیں جنوں کے بادشاہ کی بیٹی ہوں، اور کوہ قاف
میں رہتی ہوں۔ یہ کہہ کر تخت اُٹھایا، اور جس طرح اُترا تھا ویسہیں بلند
ہونے لگا۔

جب تلک سامھنے تھا، میری اور اُس کی چار آنکھیں ہو رہی تھیں،
جب نظروں سے غائب ہوا یہ حالت ہوگئی جیسے پری کا سایہ ہوتا ہے، عجب
طرح کی اُداسی دل پر چھا گئی، عقل و ہوش رخصت ہوا، دنیا آنکھوں کے تلے
اندھیری ہوگئی۔ حیران پریشان زار زار رونا، اور سر پر خاک اُڑانا، کپڑے
پھاڑنا، نہ کھانے کی سُدھ، نہ بھلے بُرے کی بُدھ۔

اِس عشق کی بدولت کیا کیا خرابیاں ہیں،
دل میں اُداسیاں ہیں اور اضطرابیاں ہیں۔

اِس خرابی سے دائی اور معلم خبردار ہوئے، ڈرتے ڈرتے پادشاہ کے روبرو گئے اور عرض کی، کہ پادشاہزادۂ عالمیان کا یہ حال ہے معلوم نہیں خود بخود یہ کیا غضب ٹوٹا جو اُن کا آرام اور کھانا پینا سب چھوٹا۔ تب پادشاہ وزیر امرائے صاحبِ تدبیر اور طبیبِ حاذق منجم صادق مُلّا سیانے خوب درویش سالک اور مجذوب اپنے ساتھ لیکر اُس باغ میں رونق افزا ہوئے۔ میری بے قراری اور نالہ وزاری دیکھ کر اُن کی بھی حالت اضطراب کی ہوگئی۔ آبدیدہ ہوکر بے اختیار گلے سے لگالیا اور اُس کی تدبیر کی خاطر حکم کیا۔ حکیموں نے قوتِ دِل اور خلل دماغ کے واسطے نسخے لکھے، اور مُلاؤں نے نقش و تعویذ پلانے اور پاس رکھنے کو دیئے، دعائیں پڑھ پڑھ کر پھونکنے لگے، اور نجومی بولے کہ ستاروں کی گردش کے سبب سے یہ صورت پیش آئی ہے، اس کا صدقہ دیجیے غرض ہر کوئی اپنے اپنے علم کی باتیں کہتا تھا، پر مجھ پر جو گذرتی تھی میرا دل ہی سہتا تھا، کسو کی سعی اور تدبیر میری تقدیر بد کے کام نہ آئی، دِن بدن دیوانگی کا زور ہوا، اور میرا بدن بے آب و دانے کمزور ہو چلا رات دن چلّانا اور سر پٹکنا ہی باقی رہا۔ اُس حالت میں تین سال گذرے چوتھے برس ایک سوداگر سیر و سفر کرتا ہوا آیا، اور ہر ایک ملک کے تحفہ تحائف عجیب و غریب جہاں پناہ کے حضور میں لایا، ملازمت حاصل کی۔

پادشاہ نے بہت توجہ فرمائی اور احوال پرسی اُس کی کر کے پوچھا، کہ تم نے بہت ملک دیکھے، کہیں کوئی حکیم کامل بھی نظر پڑا یا کسو سے مذکور اُس کا سنا؟ اُس نے التماس کیا کہ قبلۂ عالم! غلام نے بہت سیر کی، لیکن ہندوستان میں دریا کے بیچ ایک پہاڑی ہے، وہاں ایک گسائیں جٹا دھاری نے بڑا منڈھپ مہادیو کا اور سنگت اور باغ بڑی بہار کا بنایا ہے، اُس میں رہتا ہے اور اُس کا یہ قاعدہ ہے کہ برسویں دن شیورات کے روز اپنے استھان سے نکلکر دریا میں پیرتا ہے، اور خوشی کرتا ہے۔ اشنان کے بعد جب اپنے آسن پر جانے لگتا ہے، تب بیمار اور دردمند دیس دیس اور ملک ملک کے جو دور دور سے آتے ہیں دروازے پر جمع ہوتے ہیں۔ اُن کی بڑی بھیڑ ہوتی ہے۔

وہ مہنت (جسے اِس زمانے کا افلاطون کہا چاہیئے) قارورہ اور نبض دیکھتا ہوا اور ہر ایک کو نسخہ لکھ کر دیتا ہوا چلا جاتا ہے۔ خدا نے ایسا دستِ شفا اُس کو دیا ہے کہ دوا پیتے ہی اثر ہوتا ہے۔ اور وہ مرض بالکل جاتا رہتا ہے۔ یہ ماجرا میں نے بچشمِ خود دیکھا، اور خدا کی قدرت کو یاد کیا، کہ ایسے ایسے بندے پیدا کیے ہیں۔ اگر حکم ہو تو شہزادۂ عالمیان کو اُس کے پاس لیجاویں، اُس کو ایک نظر دکھاویں، اُمید قوی ہے کہ جلد شفائے کامل ہو۔ اور ظاہر میں بھی یہ تدبیر اچھی ہے کہ ہر ایک ملک کی ہوا کھانے سے اور جابجا کے آب و دانے سے مزاج میں فرحت آتی ہے۔ پادشاہ کو اُس کی صلاح پسند آئی، اور خوش ہو کر فرمایا

بہت بہتر شاید اُس کا ہاتھ راس آوے، اور میرے فرزند کے دل سے وحشت جاوے۔ ایک امیر معتبر جہاں دیدہ کار آزمودہ کو اور اُس تاجر کو میری رکاب میں تعینات کیا، اور اسباب ضروری ساتھ کر دیا۔ نواڑی بجرے مورپنکھی پلوار چکے کھیلنے اُلاق پٹیلیوں پر معہ سرانجام سوار کر کر رخصت کیا۔ منزل منزل چلتے چلتے اُس ٹھکانے پر جا پہنچے۔ نئی ہوا اور نیا دانہ پانی کھانے پینے سے کچھ مزاج ٹھہرا لیکن خاموشی کا وہی عالم تھا، اور رونے سے کام۔ دمبدم یاد اُس پری کی دل سے بھولتی نہ تھی۔ اگر کچھ بولتا تو یہ بیت پڑھتا۔

نجانوں کس پری رو کی نظر ہوئی　　　ابھی تو تھا بھلا چنگا مرا دل

بارے جب دو تین مہینے گذرے اُس پہاڑ پر قریب چار ہزار مریض کے جمع ہوئے لیکن سب یہی کہتے تھے کہ اب خدا چاہے تو گسائیں اپنی مٹھ سے نکلیں گے اور سب کو اُن کے فرمانے سے شفائے کلّی ہوگی۔ القصہ جس دن وہ دِن آیا صبح کو جوگی مانند آفتاب کے نکل آیا، اور دریا میں نہایا اور پیرا، پار جا کر پھر آیا اور بھبھوت بھسم تمام بدن میں لگایا، وہ گورا بدن مانند انگارے کے راکھ میں چھپایا، اور ماتھے پر ملاگیر کا ٹیکا دیا، لنگوٹ باندھ کر انگوچھا کاندھے پر ڈالا، بالوں کا جوڑا باندھا، موچھوں پر تاؤ دیکر چڑھوان جوتا اڑایا۔ اُس کے چہرے سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ ساری دنیا اُس کے نزدیک کچھ قدر نہیں رکھتی۔ ایک قلمدان جڑاؤ بغل میں لیکر ایک ایک کی طرف دیکھتا

اور نسخہ دیتا ہوا میرے نزدیک آ پہنچا۔ جب میری اور اُس کی چار نظریں ہوئیں کھڑا رہ کر غور میں گیا، اور مجھ سے کہنے لگا کہ ہمارے ساتھ آؤ۔ میں ہمراہ ہو لیا۔

جب سب کی نوبت ہو چکی میرے تئیں باغ کے اندر لے گیا، اور ایک مقطع خوش نقشے خلوت خانے میں مجھے فرمایا کہ یہاں تم رہا کرو، اور آپ اپنے استھان میں گیا۔ جب ایک چلا گذرا تو میرے پاس آیا اور آگے کی نسبت مجھے خوش پایا۔ تب مسکرا کر فرمایا کہ اس باغچے میں سیر کیا کرو، جس میوے پر جی چلے کھایا کرو۔ اور ایک قلفی چینی کی معجون سے بھری ہوئی دی، کہ اس میں سے چھ ماشے ہمیشہ بلا ناغہ نہار نوش جان فرمایا کرو۔ یہ کہکر وہ تو چلا گیا، اور مَیں نے اُس کے کہنے پر عمل کیا۔ ہر روز قوت بدن میں اور فرحت دل کو معلوم ہونے لگی، لیکن حضرتِ عشق کو کچھ اثر نہ کیا، اُس پری کی صورت نظروں کے آگے پھرتی تھی۔

ایک روز طاق میں ایک جلد کتاب کی نظر آئی، اُتار کر دیکھا تو سارے علم دین و دنیا کے اُس میں جمع کئے تھے، گویا دریا کو کوزے میں بھر دیا تھا۔ ہر گھڑی اُس کا مطالعہ کیا کرتا۔ علمِ حکمت اور تسخیر میں نہایت قوت بہم پہنچائی۔ اس عرصے میں برس دن گذر گیا۔ پھر وہی خوشی کا دن آیا، جوگی اپنے آسن پر سے اُٹھ کر باہر نکلا۔ مَیں نے سلام کیا، اُن نے قلمدان مجھے دیکر کہا ساتھ چلو،

میں بھی ساتھ ہولیا، جب دروازے سے باہر نکلا ایک عالم دعا دینے لگا، وہ امیر اور سوداگر مجھے ساتھ دیکھ کر گسائیں کے قدموں پر گرے اور ادائے شکر کرنے لگے، کہ آپ کی توجہ سے بارے اتنا تو ہوا۔ وہ اپنی عادت پر دریا کے گھاٹ تک گیا، اور اشنان پوجا جس طرح ہر سال کرتا تھا کی، پھرتی بار بیماروں کو دیکھتا بھالتا چلا آتا تھا۔

اتفاقاً سودائیوں کے غول میں ایک جوان خوبصورت شکیل کہ ضعف سے کھڑے ہونے کی طاقت اُس میں نہ تھی نظر پڑا، مجھ کو کہا کہ اُس کو ساتھ لے آؤ۔ سب کی دارو درمن کر کے جب خلوت خانے میں گیا، تھوڑی سی کھوپری اُس جوان کی تراش کر، چاہا کہ کنکھجورا جو مغز پر بیٹھا تھا زنبور سے اُٹھا لیوے۔ میرے خیال میں گذرا، اور بول اُٹھا، کہ اگر دست پناہ آگ میں گرم کر کر اُس کی پیٹھ پر رکھیئے تو خوب ہے، آپ سے آپ نکل آویگا، اور جویوں کھینچیئے گا تو مغز کی گودے کو نہ چھوڑے گا، پھر خوف زندگی کو ہے۔ یہ سنکر میری طرف دیکھا اور چپکا اُٹھ باغ کے کونے میں ایک درخت گولے میں پکڑ جٹا کی لٹ کی گلے میں پھانسی لگا کر رہ گیا۔ میں نے پاس جا کر جو دیکھا تو واہ واہ یہ تو مر گیا! یہ اچنبھا دیکھ کر نہایت افسوس ہوا، لاچار جی میں آیا اُسے گاڑ دوں۔ جوں درخت سے جدا کرنے لگا وو کنجیاں اُس کی لٹوں میں سے گر پڑیں۔ میں نے اُن کو اُٹھا لیا اور اُس گنج خوبی کو زمین میں دفن کیا۔ وے دونوں کنجیاں لے کر

سب قفلوں میں لگانے لگا۔ اتفاقاً دو حجرے کے تالے اُن تالیوں سے کھلے، دیکھا تو زمین سے چھت تلک جواہر بھرا ہوا ہے، اور ایک پیٹی مخمل سے مڑھی سونے کے پتّر لگی قفل دی ہوئی ایک طرف دھری ہے۔ اُس کو جو کھولا تو ایک کتاب دیکھی کہ اس میں اسم اعظم اور حاضرات جن و پری کے اور روحوں کی ملاقات اور تسخیر آفتاب کی ترکیب لکھی ہے۔

ایسی دولت کے ہاتھ لگنے سے نہایت خوشی حاصل ہوئی، اور اُن پر عمل کرنا شروع کیا۔ دروازہ باغ کا کھول دیا، اپنے اُس امیر کو اور ساتھ والوں کو کہا کہ کشتیاں منگوا کر یہ سب جواہر و نقد و جنس اور کتابیں یار کرلو، اور ایک نواڑی پر آپ سوار ہو کر وہاں سے بحر کو روانہ کیا۔ آتے آتے جب نزدیک اپنے ملک کے پہنچا، جہاں پناہ کو خبر ہوئی۔ سوار ہو کر استقبال کیا اور اشتیاق سے بیقرار ہو کر کلیجے سے لگا لیا۔ مَیں نے قدم بوسی کر کر کہا کہ اس خاکسار کو قدیم باغ میں رہنے کا حکم ہو۔ بولے کہ اے برخوردار! وہ مکان میرے نزدیک منحوس ٹھہرا، لہٰذا اُس کی مرمت اور تیاری موقوف کی، اب وہ مکان لائق انسان کے رہنے کے نہیں رہا، اور جس محل میں جی چاہے اُترو۔ بہتر یوں ہے کہ قلعے میں کوئی جگہ پسند کر کے میری آنکھوں کے روبرو رہو، اور بائیں باغ جیسا چاہو تیار کروا کر سیر تماشا دیکھا کرو۔ مَیں نے بہت ضد اور ہٹ کر کر اُس باغ کو نئے سرے تعمیر کروایا، اور بہشت کے مانند آراستہ کر داخل ہوا، پھر فراغت

سے جنوں کی تسخیر کی خاطر چلّے بیٹھا، اور ترکِ حیوانات کر کر حاضرات کرنے لگا۔

جب چالیس دن پورے ہوئے، تب آدھی رات کو ایسی آندھی آئی کہ بڑی بڑی عمارتیں گر پڑیں، اور درخت جڑ پیڑ سے اُکھڑ کر کہیں سے کہیں جا پڑے، اور پریزادوں کا لشکر نمود ہوا۔ ایک تخت ہوا سے اُترا، اُس پر ایک شخص شان دار موتیوں کا تاج اور خلعت پہنے ہوئے بیٹھا تھا۔ میں نے دیکھتے ہی بہت مودّب ہو کر سلام کیا۔ اُس نے میرا سلام لیا اور کہا کہ اے عزیز یہ کیا تو نے ناحق دُند مچایا؟ ہم سے تجھے کیا مدعا ہے؟ مَیں نے التماس کیا کہ یہ عاجز بہت مدت سے تمہاری بیٹی پر عاشق ہے۔ اور اِسی لیئے کہاں سے کہاں خراب و خستہ ہوا، اور جیتے جی موا۔ اب زندگی سے بہ تنگ آیا ہوں، اور اپنی جان پر کھیلا ہوں جو یہ کام کیا ہے۔ اب آپ کی ذات سے امیدوار ہوں کہ مجھ حیران و سرگردان کو اپنی توجہ سے سرفراز کرو، اور اُس کے دیدار سے زندگی اور آرام بخشو، تو بڑا ثواب ہو گا۔

یہ میری آرزو سنکر بولا، کہ آدمی خاکی اور ہم آتشی، اِن دونوں میں موافقت آنی مشکل ہے۔ مَیں نے قسم کھائی کہ مَیں اُن کے دیکھنے کا مشتاق ہوں، اور کچھ مطلب نہیں۔ پھر اُس تخت نشین نے جواب دیا کہ اِنسان اپنے قول و قرار پر نہیں رہتا، غرض کے وقت سب کچھ کہتا

ہے لیکن یاد نہیں رکھتا۔ یہ بات مَیں تیرے بھلے کے لئے کہہ سناتا ہوں، کہ اگر تو نے کبھو قصد کچھ اور کیا، تو وہ بھی اور تو بھی دونوں خراب خستہ ہوگے، بلکہ خوف جان کا ہے۔ مَیں نے پھر دوبارہ سوگند یاد کی، کہ جس میں طرفین کی بُرائی ہووے ویسا کام ہرگز نہ کرونگا، مگر ایک نظر دیکھتا رہونگا۔ یے باتیں ہوتیاں تھیں، کہ اچپت وہ پری (کہ جس کا مذکور تھا) نہایت ٹھسّے سے بناؤ کئے ہوئے آپہنچی، اور پادشاہ کا تخت وہاں سے چلا گیا۔ تب مَیں نے بے اختیار اُس پری کو جان کی طرح بغل میں لے آیا، اور یہ شعر پڑھا،

کمان ابرو مرے گھر کیوں نہ آوے — کہ جسکے واسطے کھینچے ہیں چلّے

اُسی خوشی کے عالم میں باہم اُس باغ میں رہنے لگے، مارے ڈر کے کچھ اور خیال نہ کرتا، بالائی مزے لیتا اور فقط دیکھا کرتا۔ وہ پری میرے قول و قرار کے نباہنے پر دل میں حیران رہتی، اور بعضے وقت کہتی، کہ پیارے! تم بھی اپنی بات کے بڑے سچّے ہو، لیکن ایک نصیحت مَیں دوستی کی راہ سے کرتی ہوں، اپنی کتاب سے خبردار رہیو، کہ جن کسی نہ کسی دن تمھیں غافل پاکر چُرا لے جائیں گے۔ مَیں نے کہا اِسے مَیں اپنی جان کے برابر رکھتا ہوں۔

اتفاقاً ایک روز رات کو شیطان نے ورغلانا، شہوت کی حالت

میں یہ دل میں آیا، کہ جو کچھ ہو سو ہو کہاں تلک اپنے تئیں تھانبوں؟
اُسے چھاتی سے لگالیا، اور قصد جماع کا کیا۔ وونھیں ایک آواز آئی
یہ کتاب مجھ کو دے کہ اُس میں اسم اعظم ہے۔ بے ادبی نہ کر۔ اُس مستی
کے عالم میں کچھ ہوش نہ رہا، کتاب بغل سے نکالکر بغیر جانے پہچانے
حوالے کردی۔ اور اپنے کام میں لگا۔ وہ نازنین یہ میری نادانی کی
حرکت دیکھکر بولی کہ ہے ظالم! آخر چوکا اور نصیحت بھولا۔
یہ کہکر بے ہوش ہوگئی اور میں نے اُس کے سرہانے ایک دیو
دیکھا کہ کتاب لیئے کھڑا ہے۔ چاہا کہ پکڑکر خوب ماروں اور کتاب چھین
لوں، اتنے میں اُس کے ہاتھ سے کتاب دوسرا لے بھاگا۔ میں نے جو
افسوں یاد کیئے تھے پڑھنے شروع کئے، وہ جن جو کھڑا تھا بیل بن گیا،
لیکن افسوس کہ پری ذرا بھی ہوش میں نہ آئی، اور وہی حالت بیخودی
کی رہی۔ تب میرا دل گھبرایا، سارا عیش تلخ ہوگیا۔ اُس روز سے آدمیوں
سے نفرت ہوئی، اس باغ کے گوشے میں پڑا رہتا ہوں، اور دل کے
بہلانے کی خاطر یہ مرتبان زمرّد کا جھاڑدار بنایا کرتا ہوں، اور ہر مہینے اُس
میدان میں اُسی بیل پر سوار ہو کر جایا کرتا ہوں، مرتبان کو توڑکر غلام کو مار
ڈالتا ہوں، اِس امید پر کہ سب میری یہ حالت دیکھیں، اور افسوس کھاویں
شاید کوئی ایسا خدا کا بندہ مہربان ہو کہ میرے حق میں دعا کرے، تو میں بھی

اپنے مطلب کو پہنچوں۔ اے رفیق! میرے جنون اور سودا کی یہ حقیقت ہے جو مَیں نے تجھے کہہ سُنائی۔

مَیں سُنکر آبدیدہ ہوا اور بولا کہ اے شہزادے! تو نے واقعی عشق کی بڑی محنت اُٹھائی، لیکن قسم خدا کی کھاتا ہوں کہ مَیں اپنے مطلب سے درگذرا۔ اب تیری خاطر جنگل پہاڑ میں پھرونگا، اور جو مجھ سے ہو سکے گا سو کرونگا۔ یہ وعدہ کر کر میں اُس جوان سے رخصت ہوا، اور پانچ برس تک سودائی سا ویرانے میں خاک چھانتا پھرا، سراغ نہ ملا۔ آخر اُکتا کر ایک پہاڑ پر چڑھ گیا اور چاہا کہ اپنے تئیں گرادوں کہ ہڈی پسلی کچھ ثابت نہ رہے وہی سوار برقعہ پوش آپہنچا، اور بولا کہ اپنی جان مت کھو۔ تھوڑے دنوں کے بعد تو اپنے مقصد سے کامیاب ہوگا۔ یاسائیں اللہ! تمہارے دیدار تو میتسر ہوئے۔ اب خدا کے فضل سے امیدوار ہوں کہ خوشی اور خرمی ہو، اور سب نامراد اپنی مراد کو پہنچیں

سرگذشت آزاد بخت بادشاہ کی

جب دوسرا درویش بھی اپنی سیر کا قصہ کہہ چکا، رات آخر ہوگئی، اور وقت صبح کا شروع ہونے پر آیا۔ پادشاہ آزاد بخت چپکا اپنے دولتخانے کی طرف روانہ ہوا، محل میں پہنچ کر نماز ادا کی۔ پھر غسل خانے میں جا خلعتِ فاخرہ پہن کر دیوان عام میں تخت پر نکل بیٹھا، اور حکم کیا، کہ یساول جاوے چار فقیر فلانے مکان پر وارد ہیں، اُن کو بعزّت اپنے ساتھ حضور میں لے آوے۔ بموجب حکم کے چوبدار وہاں گیا، دیکھا تو چاروں بے نوا جھاڑا جھٹکا پھر، ہاتھ منہ دھوکر، چاہتے ہیں کہ دِسا کریں اور اپنی اپنی راہ لیں چیلے نے کہا شاہ جی! بادشاہ نے چاروں صورتوں کو طلب فرمایا ہے، میرے ساتھ چلیئے۔ چاروں درویش آپس میں ایک ایک کو تکنے لگا، اور چوبدار سے کہا، بابا! ہم اپنے دل کے بادشاہ ہیں، ہمیں دنیا کے پادشاہ سے کیا کام ہے؟ اُس نے کہا میاں اللہ! مضائقہ نہیں، اگر چلو تو اچھا ہے۔

اتنے میں چاروں کو یاد آیا کہ مولا مرتضیٰ نے جو فرمایا تھا سو اب پیش آیا، خوش ہوئے اور یساول کے ہمراہ چلے۔ جب قلعے میں پہنچے

اور روبرو پادشاہ کے گئے، چاروں قلندروں نے دعا دی کہ بابا! تیرا بھلا ہو، پادشاہ دیوان خاص میں جا بیٹھے، اور دو چار خاص امیروں کو بلایا اور فرمایا، کہ چاروں گدڑی پوشوں کو بلاؤ۔ جب وہاں گئے حکم بیٹھنے کا کیا، احوال پرسی فرمائی کہ تمہارا کہاں سے آنا ہوا، اور کہاں کا ارادہ ہے؟ مکان مرشدوں کے کہاں ہیں؟

اُنھوں نے کہا کہ پادشاہ کی عمر و دولت زیادہ رہے، ہم فقیر ہیں، ایک مدت سے اِسی طرح سیر و سفر کرتے پھرتے ہیں، خانہ بدوش ہیں۔ وہ مثل ہے فقیر کو جہاں شام ہوئی وہیں گھر ہے، اور جو کچھ اِس دنیائے ناپائدار میں دیکھا ہے، کہاں تک بیان کریں؟

آزادبخت نے بہت تسلّی اور تشفّی کی، اور کھانے کو منگوا کر اپنے روبرو ناشتا کروایا۔ جب فارغ ہوئے پھر فرمایا کہ اپنا ماجرا تمام بے کم و کاست مجھ سے کہو، جو مجھ سے تمہاری خدمت ہو سکے گی قصور نہ کرونگا۔ فقیروں نے جواب دیا کہ ہم پر جو جو کچھ بیتا ہے، نہ ہمیں بیان کرنے کی طاقت ہے اور نہ پادشاہ کو سننے سے فرحت ہوگی، اس کو معاف کیجیے۔ تب پادشاہ نے تبسّم کیا اور کہا، شب کو جہاں تم بستروں پر بیٹھے اپنا اپنا احوال کہہ رہے تھے، وہاں میں بھی موجود تھا، چنانچہ دو درویش کا احوال سُن چکا ہوں اب چاہتا ہوں کہ دونوں جو باقی ہیں وے بھی کہیں، اور چندے وزبخاطرِ جمع

میرے پاس رہیں، کہ قدم درویشاں ردِّ بلا ہے۔ پادشاہ سے یہ بات سُنتے ہی مارے خوف کے کانپنے لگے، اور سر نیچے کر کے چُپ ہو رہے، طاقت گویائی کی نہ رہی۔

آزاد بخت نے جب دیکھا کہ اب ان میں مارے رعب کے حواس نہیں رہے جو کچھ بولیں، فرمایا کہ اس جہان میں کوئی شخص ایسا نہ ہوگا جس پر ایک نہ ایک وارداتِ عجیب و غریب نہ ہوئی ہوگی، باوجودیکہ میں پادشاہ ہوں لیکن میں نے بھی ایسا تماشا دیکھا ہے کہ پہلے میں ہی اُس کا بیان کرتا ہوں۔ تم بخاطر جمع سنو۔ درویشوں نے کہا پادشاہ سلامت! آپ کا الطاف فقیروں کے حال پر ایسا ہے، ارشاد فرمائیے۔ آزاد بخت نے اپنا احوال شروع کیا، اور کہا

اے شاہو! پادشاہ کا اب ماجرا سنو،
جو کچھ کہ میں نے دیکھا ہے، اور ہے سُنا، سنو۔
کہتا ہوں میں فقیروں کی خدمت میں سر بسر
احوال میرا، خوب طرح دل لگا سُنو۔

میرے قبلہ گاہ نے جب وفات پائی اور میں اِس تخت پر بیٹھا عین عالم شباب کا تھا، اور سارا یہ ملک روم کا میرے حکم میں تھا۔ اتفاقاً ایک سال کوئی سوداگر بدخشاں کے ملک سے آیا، اور اسباب تجارت کا

بہت سا لایا۔ خبرداروں نے میرے حضور میں خبر کی کہ ایسا بڑا تاجر آج تک شہر میں نہیں آیا، مَیں نے اُس کو طلب فرمایا۔

وہ تحفے ہر ایک ملک کے لائق میری نذر کے لیکر آیا۔ فی الواقع ہر ایک جنس بے بہا نظر آئی، چنانچہ ایک ڈبیا میں ایک لعل تھا، نہایت خوشرنگ اور آبدار قد و قامت درست اور وزن میں پانچ مثقال کا۔ مَیں نے باوجود سلطنت کے ایسا جواہر کبھو نہ دیکھا تھا، اور نہ کسو سے سُنا تھا، پسند کیا۔ سوداگر کو بہت سا انعام واکرام دیا اور سند راہداری کی لکھ دی کہ اُس سے ہماری تمام قلمرو میں کوئی مزاحم محصول کا نہ ہو، اور جہاں جاوے اُس کو آرام سے رکھیں۔ چوکی پہرے میں حاضر رہیں، اُس کا نقصان اپنا نقصان سمجھیں۔ وہ تاجر حضور میں دربار کے وقت حاضر رہتا اور آدابِ سلطنت سے خوب واقف تھا، اور تقریر و خوش گوئی اُس کی لائق سننے کے تھی، اور مَیں اُس لعل کو ہر روز جواہر خانے سے منگواکر ہر دربار دیکھا کرتا۔

ایک روز دیوانِ عام کیئے بیٹھا تھا، اور اُمرا ارکانِ دولت اپنے پائے پر کھڑے تھے، اور ہر ملک کے بادشاہوں کے ایلچی مبارکباد کی خاطر جو آئے تھے، وہ بھی سب حاضر تھے۔ اُس وقت مَیں نے موافق معمول کے اُس لعل کو منگوایا۔ جواہر خانے کا داروغہ لے کر آیا، میں ہاتھ میں لیکر

تعریف کرنے لگا، اور فرنگ کے ایلچی کو دیا۔ اُن نے دیکھ کر تبسم کیا اور زمانہ سازی سے صفت کی۔ اسی طرح ہاتھوں ہاتھ ہر ایک نے لیا اور دیکھا اور ایک زبان ہو کر بولے، کہ قبلۂ عالم کے اقبال کے باعث یہ میسّر ہوا ہے، وِالّا نہ کسو بادشاہ کے ہاتھ آج تک ایسا رقم بے بہا نہیں لگا۔ اس وقت میرے قبلہ گاہ کا وزیر کہ مرد دانا تھا، اور اُسی خدمت پر سرفراز تھا وزارت کی چوکی پر کھڑا تھا، آداب بجالایا اور التماس کیا کہ کچھ عرض کیا چاہتا ہوں اگر جان بخشی ہو۔

میں نے حکم کیا کہ کہہ۔ وہ بولا قبلۂ عالم! آپ بادشاہ ہیں، اور بادشاہوں سے بہت بعید ہے کہ ایک پتّھر کی اتنی تعریف کریں۔ اگرچہ رنگ ڈھنگ سنگ میں لاثانی ہے لیکن سنگ ہے، اور اس دم سب ملکوں کے ایلچی دربار میں حاضر ہیں، جب اپنے اپنے شہر میں جاویں گے البتہ یہ نقل کریں گے کہ عجب بادشاہ ہے کہ ایک لعل کہیں سے پایا ہے اُسے ایسا تحفہ بنایا ہے کہ ہر روز روبرو منگاتا ہے۔ اور آپ اُس کی تعریف کر کر سب کو دکھاتا ہے۔ پس جو بادشاہ یا راجہ یہ احوال سُنے گا، اپنی مجلس میں ہنسے گا۔ خداوند! ایک ادنیٰ سوداگر نیشاپور میں ہے، اُس نے بارہ دانے لعل کے کہ ہر ایک سات سات مثقال کا ہے پٹّے میں نصب کر کر کتّے کے گلے میں ڈال دیے ہیں۔ مجھے سنتے ہی غصہ

چڑھ آیا، اور کھسیانے ہوکر فرمایا کہ اس وزیر کی گردن مارو۔

جلادوں نے دونہیں اُس کا ہاتھ پکڑلیا، اور چاہا کہ باہر لے جاویں فرنگ کے بادشاہ کا ایلچی دست بستہ روبرو آکھڑا ہوا۔ مَیں نے پوچھا کہ تیرا کیا مطلب ہے؟ اُس نے عرض کی امیدوار ہوں کہ تقصیر سے وزیر کی واقف ہوں۔ مَیں نے فرمایا کہ جھوٹھ بولنے سے اور بڑا گناہ کونسا ہے خصوصًا بادشاہوں کے روبرو؟ اُن نے کہا، اُس کا دروغ ثابت نہیں ہوا، شاید جو کچھ کہ عرض کی ہے سچ ہو۔ ابھی بے گناہ کا قتل کرنا درست نہیں۔ اُس کا مَیں نے یہ جواب دیا، کہ ہرگز عقل میں نہیں آتا ایک تاجر کہ نفع کے واسطے شہر بشہر اور مُلک بملک خراب ہوتا پھرتا ہے اور کوڑی کوڑی جمع کرتا ہے، بارہ دانے لعل کے جو وزن میں سات سات مثقال کے ہوں، کتّے کے پٹّے میں لگادے۔ اُس نے کہا خدا کی قدرت سے تعجب نہیں۔ شاید کہ باشد۔ ایسے تحفے اکثر سوداگروں اور فقیروں کے ہاتھ آتے ہیں۔ اس واسطے کہ یے دونوں ہر ایک ملک میں جاتے ہیں اور جہاں سے جو کچھ پاتے ہیں لے آتے ہیں۔ صلاح دولت یہ ہے کہ اگر وزیر ایسا ہی تقصیروار ہے، تو حکم قید کا ہو، اس لیئے کہ وزیر بادشاہوں کی عقل ہوتے ہیں، اور یہ حرکت سلاطینوں سے بدنما ہے، کہ ایسی بات پر کہ جھوٹھ سچ اِس کا ابھی ثابت نہیں ہوا حکم قتل کا فرمائیں، اور اُس کی

تمام عمر کی خدمت اور نمک حلالی بھول جائیں۔

پادشاہ سلامت! اگلے شہریاروں نے بندی خانہ اسی سبب سے ایجاد کیا ہے، کہ پادشاہ یا سردار اگر کسو پر غضب ہوں تو اُسے قید کریں۔ کئی دن میں غصہ جاتا رہیگا اور بے تقصیری اُس کی ظاہر ہوگی، پادشاہ خونِ ناحق سے محفوظ رہیں گے، کل کو روزِ قیامت میں ماخوذ نہ ہوینگے میں نے جتنا اُس کے قائل کرنے کو چاہا، اُس نے ایسی معقول گفتگو کی کہ مجھے لاجواب کیا۔ تب میں نے کہا کہ خیر تیرا کہنا پذیرا ہوا، میں خون سے اُس کے درگذرا لیکن زندان میں مقید رہیگا، اگر ایک سال کے عرصے میں اُس کا سخن راست ہوا کہ ایسے لعل کتّے کے گلے میں ہیں تو اُس کی نجات ہوگی، اور نہیں تو بڑے عذاب سے مارا جاویگا۔ فرمایا کہ وزیر کو بنڈت خانے میں لے جاؤ۔ یہ حکم سنکر ایلچی نے زمین خدمت کی چومی اور تسلیمات کی۔

جب یہ خبر وزیر کے گھر میں گئی آہ واویلا مچا، اور ماتم سرا ہوگیا۔ اس وزیر کی ایک بیٹی تھی برس چودہ پندرہ کی، نہایت خوبصورت اور قابل، نوشت وخواند میں درست۔ وزیر اُس کو نپٹ پیار کرتا تھا اور عزیز رکھتا تھا، چنانچہ اپنے دیوان خانے کے پچھواڑے ایک رنگ محل اُس کی خاطر بنوا دیا تھا، اور لڑکیاں عمدوں کی اُس کی مصاحبت میں اور

خواصیں شکیل خدمت میں رہتیں، اُن سے ہنسی خوشی کھیلا کودا کرتی۔
اتفاقاً جس دن وزیر کو محبوس خانے میں بھیجا، وہ لڑکی اپنی ہمجولیوں
میں بیٹھی تھی، اور خوشی سے گڑیا کا بیاہ رچایا تھا، اور ڈھولک پکھاوج لیئے
ہوئے رتجگے کی تیاری کر رہی تھی، اور کڑاہی چڑھا کر گلگلے اور رحم تلتی اور
بنا رہی تھی، کہ ایکبارگی اُس کی ماں روتی پیٹتی سر کھلے پانو ننگے بیٹی کے
گھر میں گئی، اور دو ہتڑ اُس لڑکی کے سر پر ماری اور کہنے لگی۔ کاشکے تیرے
بدلے خدا اندھا بیٹا دیتا، تو میرا کلیجا ٹھنڈا ہوتا۔ اور باپ کا رفیق ہوتا۔ وزیر
زادی نے پوچھا اندھا بیٹا تمہارے کس کام آتا؟ جو کچھ بیٹا کرتا مَیں بھی کر سکتی
ہوں۔ اما نے جواب دیا خاک تیرے سر پر، باپ پر یہ بپتا بیتی ہے کہ بادشاہ
کے روبرو کچھ ایسی بات کہی کہ بندی خانے میں قید ہوا۔ اُس نے پوچھا وہ
کیا بات تھی؟ ذرا مَیں بھی سنوں۔ تب وزیر کے قبیلے نے کہا کہ تیرے باپ
نے شاید یہ کہا کہ نیشاپور میں کوئی سوداگر ہے، اُس نے بارہ عدد لعل بے بہا
کتے کے پٹے میں ٹانکے ہیں۔ بادشاہ کو باور نہ ہوا، اُسے جھوٹا سمجھا اور
اسیر کیا۔ اگر آج کے دن بیٹا ہوتا تو ہر طرح سے کوشش کر کر اس بات
کو تحقیق کرتا، اور اپنے باپ کا اُبرالا کرتا۔ اور بادشاہ سے عرض معروض
کر کے میرے خاوند کو بندی خانے سے مخلصی دلواتا۔

وزیر زادی بولی، اماجان! تقدیر سے لڑا نہیں جاتا، چاہیئے انسان

بلائے ناگہانی میں صبر کرے، اور امیدوار فضل الٰہی کا رہے۔ وہ کریم ہے مشکل کسو کی اٹکی نہیں رکھتا، اور رونا دھونا خوب نہیں۔ مبادا دشمن اور طرح سے پادشاہ کے پاس لگاویں اور لُترے چغلی کھاویں کہ باعث زیادہ خفگی کا ہو، بلکہ جہاں پناہ کے حق میں دعا کرو، ہم اُس کے خانہ زاد ہیں، وہ ہمارا خداوند ہے، وہی غضب ہوا ہے وہی مہربان ہوگا۔ اُس لڑکی نے عقلمندی سے ایسی ایسی طرح ما کو سمجھایا کہ کچھ اُس کو صبر و قرار آیا، تب اپنے محل میں گئی اور چُپکی ہو رہی۔ جب رات ہوئی، وزیرزادی نے داوا کو بُلایا۔ اُس کے ہاتھ پانو پڑی بہت سی منّت کی اور رونے لگی اور کہا میں یہ ارادہ رکھتی ہوں کہ امّاجان کا طعنہ مجھ پر نہ رہے، اور میرا باپ مخلصی پاوے، جو تو میرا رفیق ہو، تو مَیں نیشاپور کو چلوں، اور اس تاجر کو (جس کے کتّے کے گلے میں ایسے لعل ہیں) دیکھ کر جو بن آوے کر آؤں، اور اپنے باپ کو چھُڑاؤں۔

پہلے تو اُس مرد نے انکار کیا، آخر بہت کہنے سننے سے راضی ہوا، تب وزیرزادی نے فرمایا چُپکے چُپکے اسباب سفر کا درست کر اور جنس تجارت کی لائق نذر پادشاہوں کے خرید کر، اور غلام و نوکر چاکر جتنے ضرور ہوں ساتھ لے، لیکن یہ بات کسو پر نہ کھلے۔ داوا نے قبول کیا اور اُس کی تیاری میں لگا۔ جب سب اسباب مہیا کیا، اونٹوں اور خچروں پر بار

کر کر روانہ ہوا، اور وزیر زادی بھی لباس مردانہ پہن کر ساتھ جا ملی، ہرگز کسو کو گھر میں خبر نہ ہوئی۔ جب صبح ہوئی وزیر کے محل میں چرچا ہوا کہ وزیر زادی غائب ہے، معلوم نہیں کیا ہوئی۔

آخر بدنامی کے ڈر سے ماں نے بیٹی کا گم ہونا چھپایا، اور وہاں وزیر زادی نے اپنا نام سوداگر بچہ رکھا۔ منزل بہ منزل چلتے چلتے نیشاپور میں پہنچی۔ خوشی بہ خوشی کاروان سرا میں جا اُتری، اور سب اپنا اسباب اُتارا، رات کو رہی۔ فجر کو حمام میں گئی اور پوشاک پاکیزہ جیسے روم کے باشندے پہنتے ہیں پہنی، اور شہر کی سیر کے واسطے نکلی۔ آتے آتے جب چوک میں پہنچی چوراہے پر کھڑی ہوئی، ایک طرف دوکان جوہری کی نظر پڑی کہ بہت سے جواہر کا ڈھیر لگ رہا ہے، اور غلام لباس فاخرہ پہنے ہوئے دست بستہ کھڑے ہیں، اور ایک شخص جو سردار ہے، برس پچاس ایک کے اُس کی عمر ہے، طالع مندوں کی سی خلعت اور نیمہ آستین پہنے ہوئے، اور کئی مصاحب با وضع نزدیک اُس کے کرسیوں پر بیٹھے ہیں اور آپس میں باتیں کر رہے ہیں۔

وہ وزیر زادی (جس نے اپنے تئیں سوداگر بچہ کر مشہور کیا تھا) اُسے دیکھ کر متعجب ہوئی، اور دل میں سمجھ کر خوش ہوئی کہ خدا جھوٹھ نہ کرے جس سوداگر کا میرے باپ نے پادشاہ سے مذکور کیا ہے، اغلب ہے کہ یہی؛

بارے خدایا! اس کا احوال مجھ پر ظاہر کر۔ اتفاقاً ایک طرف جو دیکھا تو
ایک دوکان ہے، اُس میں دو پنجرے آہنی لٹکتے ہیں، اور اُن دونوں
میں دو آدمی قید ہیں۔ اُن کی مجنون کی سی صورت ہو رہی ہے، کہ چرم و
استخوان باقی ہے اور سر کے بال اور ناخن بڑھ گئے ہیں، سر اوندھائے
بیٹھے ہیں اور دو حبشی بدہیئت مسلّح دونوں طرف کھڑے ہیں۔ سوداگر بچّے
کو اچنبھا آیا، لاحول پڑھ کر دوسری طرف جو دیکھا تو ایک دوکان میں قالیچے
بچھے ہیں، اُن پر ایک چوکی ہاتھی دانت کی، اُس پر گدیلا مخمل کا پڑا ہوا، ایک
کتّا جواہر کا پٹّا گلے میں اور سونے کی زنجیر سے بندھا ہوا بیٹھا ہے، اور دو
غلام امرد خوبصورت اُس کی خدمت کر رہے ہیں۔ ایک تو مورچھل جڑاؤ دستے
کا لیئے جھلتا ہے، اور دوسرا رومال تارکشی کا ہاتھ میں لیکر منہ اور پانوں
اُس کا پونچھ رہا ہے۔ سوداگر بچے نے خوب غور کر کر جو دیکھا، تو پٹّے میں
کتّے کے بارھوں دانے لعل کے جیسے سُنے تھے موجود ہیں۔ شکر خدا کا کیا
اور فکر میں گیا کہ کس صورت سے اُن لعلوں کو پادشاہ پاس لے جاؤں
اور دکھا کر اپنے باپ کو چھڑاؤں؟ یہ تو اُس حیرانی میں تھا اور تمام خلقت
چوک اور رستے کی اُس کا حسن و جمال دیکھ کر حیران تھی، اور ہکّا بکّا ہو رہی
تھی۔ سب آدمی آپس میں یہ چرچا کرتے تھے کہ آج تک اِس صورت و
شبیہ کا انسان نظر نہیں آیا۔ اُس خواجہ نے بھی دیکھا، ایک غلام کو بھیجا کہ

کہ تو جا کر بمنّت اُس سوداگر بچے کو میرے پاس بُلا لا۔

وہ غلام آیا اور خواجہ کا پیام لایا، کہ اگر مہربانی فرمائیے تو ہمارا خداوند صاحب کا مشتاق ہے، چل کر ملاقات کیجئے۔ سوداگر بچہ تو چاہتا ہی تھا بولا کیا مضائقہ؛ جونہیں خواجہ کے نزدیک آیا اور اُس پر خواجہ کی نظر پڑی ایک برچھی عشق کی سینے میں گڑی، تعظیم کی خاطر سرو قد اُٹھا لیکن حواس باختہ۔ سوداگر بچے نے دریافت کیا کہ اب یہ دام میں آیا، آپس میں بغلگیری ہوئی۔ خواجہ نے سوداگر بچے کی پیشانی کو بوسہ دیا اور اپنے برابر بٹھایا، بہت سا تملّق کر کے پوچھا کہ اپنے نام و نسب سے مجھے آگاہ کرو، کہاں سے آنا ہوا اور کہاں کا ارادہ ہے؛ سوداگر بچّہ بولا کہ اس کمترین کا وطن روم ہے اور قدیم سے استنبول زاد بوم ہے، میرے قبلہ گاہ سوداگر ہیں۔ اب بسبب پیری کے طاقت سیر و سفر کی نہیں رہی اس واسطے مجھے رخصت کیا ہے کہ کار بار تجارت کا سیکھوں۔ آج تلک میں نے قدم گھر سے باہر نہ نکالا تھا، یہ پہلا ہی سفر درپیش ہوا، دریا کی راہ ہِواو نہ پڑا، خشکی کی طرف سے قصد کیا۔ لیکن اِس عجم کے ملک میں آپ کے اخلاق اور خوبیوں کا جو شور ہے، محض صاحب کی ملاقات کی آرزو میں یہاں تک آیا ہوں۔ بارے فضل الٰہی سے خدمت شریف میں مشرف ہوا، اور اس سے زیادہ پایا، تمنّا دل کی بر آئی۔ خدا سلامت رکھے۔ اب یہاں سے کوچ کرونگا۔

یہ سنتے ہی خواجہ کے عقل و ہوش جاتے رہے۔ بولا کہ اے فرزند! ایسی بات مجھے نہ سناؤ، کوئی دن غریب خانے میں کرم فرماؤ۔ بھلا یہ تو بتاؤ کہ تمہارا اسباب اور نوکر چاکر کہاں ہیں؟ سوداگر بچے نے کہا کہ مسافر کا گھر سرا ہے، انھیں وہاں چھوڑ کر میں آپ کے پاس آیا ہوں خواجہ نے کہا کہ بھٹیار خانے میں رہنا مناسب نہیں، میرا اس شہر میں اعتبار ہے اور بڑا نام ہے، جلد انھیں بلوالو۔ میں ایک مکان تمہارے اسباب کے لئے خالی کر دیتا ہوں، جو کچھ جنس لائے ہو، میں دیکھوں، ایسی تدبیر کرونگا کہ یہیں تمہیں بہت سا نفع ملے۔ تم بھی خوش ہو گے اور سفر کے ہرج مرج سے بچو گے، اور مجھے بھی چند روز رہنے سے اپنا احسان مند کرو گے۔ سوداگر بچے نے اوپری دل سے عذر کیا لیکن خواجہ نے پذیرا نہ کیا، اور اپنے گماشتے کو فرمایا کہ بار بردار جلد بھیجو اور کارواں سرا سے ان کا اسباب منگوا کر فلانے مکان میں رکھواؤ۔

سوداگر بچے نے ایک زنگی غلام کو ان کے ساتھ کر دیا کہ سب مال متاع لدوا کر لے آ۔ اور آپ شام تلک خواجہ کے ساتھ بیٹھا رہا جب گذری کا وقت ہو چکا، اور دوکان بڑھائی، خواجہ گھر کو چلا۔ تب دونوں غلاموں میں سے ایک نے کتے کو بغل میں لیا، دوسرے نے کرسی اور قالیچہ اٹھا لیا، اور ان دونوں حبشی غلاموں نے اس پنجرے کو

مزدوروں کے سر پر دھر دیا، اور آپ پانچوں ہتھیار باندھے ساتھ
ہوئے۔ خواجہ سوداگر بچے کا ہاتھ ہاتھ میں لیئے باتیں کرتا ہوا حویلی میں آیا
سوداگر بچے نے دیکھا کہ مکان عالی شان لائق بادشاہوں یا امیروں
کے ہے۔ لبِ نہر فرش چاندنی کا بچھا ہے، اور مسند کے روبرو اسباب عیش
کا چُنا ہے۔ کتے کی صندلی بھی اُسی جگہ بچھائی، اور خواجہ سوداگر بچے کو
لیکر بیٹھا، بے تکلف تواضع شراب کی کی، دونوں پینے لگے۔ جب سرخوش
ہوئے تب خواجہ نے کھانا مانگا، دسترخوان بچھا اور دنیا کی نعمت چنی گئی۔
پہلے ایک لنگری میں کھانا لیکر سرپوش طلائی ڈھانپ کر کتے کے واسطے
لے گئے، اور ایک دسترخوان زربفت کا بچھا کر اُس کے آگے دھر دی۔ کتا
صندلی سے نیچے اُتر جتنا چاہا اُتنا کھایا، اور سونے کی لگن میں پانی پیا، پھر
چوکی پر جا بیٹھا۔ غلاموں نے رومال سے ہاتھ منہ اُس کا پاک کیا، پھر اُس
طباق اور لگن کو غلام پنجرے کے نزدیک لے گئے، اور خواجہ سے کُنجی مانگ
کر قفل قفس کا کھولا۔

اُن دونوں انسانوں کو باہر نکال کر کئی سونٹے مار کر کتے کا جھوٹا
اُنھیں کھلایا اور وہی پانی پلایا، پھر تالا بند کر کر تالی خواجہ کے حوالے کی۔ جب
یہ سب ہو چکا، تب خواجہ نے آپ کھانا شروع کیا۔ سوداگر بچے کو یہ حرکت
پسند نہ آئی، گھن کھا کر ہاتھ کھانے میں نہ ڈالا۔ ہر چند خواجہ نے منت کی

پر اُس نے انکار ہی کیا۔ تب خواجہ نے سبب اُس کا پوچھا کہ تم کیوں نہیں کھاتے؟ سوداگر بچے نے کہا، یہ حرکت تمہاری اپنے تئیں بدنما معلوم ہوئی اِس لئے کہ انسان اشرف المخلوقات ہے، اور کتا نجس العین ہے۔ پس خدا کے دو بندوں کو کتے کا جھوٹا کھلانا کس مذہب و ملت میں روا ہے؟ فقط یہ غنیمت نہیں جانتے کہ وے تمہاری قید میں ہیں؟ نہیں تو تم اور وے برابر ہیں۔ اب میرے تئیں شک آئی کہ تم مسلمان نہیں، کیا جانوں کون ہو کہ کتے کو پوجتے ہو؟ مجھے تمہارا کھانا کھانا مکروہ ہے جب تلک یہ شبہ دل سے دُور نہ ہو۔

خواجہ نے کہا اے بابا! جو کچھ تو کہتا ہے مَیں یہ سب سمجھتا ہوں، اور اِسی خاطر بدنام ہوں کہ اِس شہر کی خلقت نے میرا نام خواجۂ سگ پرست رکھا ہے۔ اِسی طرح پکارتے ہیں، اور مشہور کیا ہے۔ لیکن خدا کی لعنت کافروں اور مشرکوں پر ہوجیو۔ کلمہ پڑھا اور سوداگر بچے کی خاطر جمع کی۔ تب سوداگر بچے نے پوچھا کہ اگر مسلمان بہ دل ہو، تو اس کا کیا باعث ہے؟ ایسی حرکت کر کے اپنے تئیں بدنام کیا ہے۔ خواجہ نے کہا اے فرزند! نام میرا بدنام ہے، اور دُگنا محصول اس شہر میں بھرتا ہوں، اسی واسطے کہ یہ بھید کسو پر ظاہر نہ ہو۔ عجب یہ ماجرا ہے کہ جو کوئی سُنے سوائے غم اور غصّے کے اُسے کچھ اور حاصل نہ ہو۔ تو بھی مجھے معاف رکھ، کہ نہ مجھ میں قدرت

کہنے کی اور نہ تجھ میں طاقت سننے کی رہے گی۔ سوداگر بچے نے اپنے دل میں غور کی کہ مجھے اپنے کام سے کام ہے، کیا ضرور ہے جو ناحق میں زیادہ مجوّز ہوں؟ بولا خیر اگر لائق کہنے کے نہیں تو نہ کہیئے۔ کھانے میں ہاتھ ڈالا، اور نوالہ اُٹھا کر کھانے لگا۔ دو مہینے تک اِس ہوشیاری اور عقلمندی سے سوداگر بچے نے خواجہ کے ساتھ گذران کی کہ کسو پر ہرگز نہ کھُلا کہ یہ عورت ہے۔ سب یہی جانتے تھے کہ مرد ہے، اور خواجہ سے روز بروز ایسی محبت زیادہ ہوئی کہ ایک دم اپنی آنکھوں سے جُدا نہ کرتا۔

ایک دن عین مے نوشی کی صحبت میں سوداگر بچے نے رونا شروع کیا۔ خواجہ نے دیکھتے ہی خاطر داری کی اور رومال سے آنسو پونچھنے لگا اور سبب گریہ کا پوچھا۔ سوداگر بچے نے کہا اے قبلہ! کیا کہوں؟ کاشکے تمہاری خدمت میں بندگی پیدا نہ کی ہوتی، اور یہ شفقت جو صاحب میرے حق میں کرتے ہیں نہ کرتے۔ اب دو مشکلیں میرے پیش آئی ہیں، نہ تمہاری خدمت سے جُدا ہونے کو جی چاہتا ہے اور نہ رہنے کا اتفاق یہاں ہو سکتا ہے۔ اب جانا ضرور ہوا، لیکن آپ کی جدائی سے اُمید زندگی کی نظر نہیں آتی۔

یہ بات سُنکر خواجہ بے اختیار ایسا رونے لگا کہ ہچکی بندھ گئی، اور بولا کہ اے نورِ چشم! ایسی جلدی اس اپنے بوڑھے خادم سے سیر ہوئے کہ

اسے دلگیر کیئے جاتے ہو؟ قصد روانہ ہونے کا دل سے دُور کرو، جب
جب تلک میری زندگی ہے رہو، تمہاری جُدائی سے ایک دم میں جیتا
نہ رہونگا، بغیر اجل کے مرجاؤں گا۔ اور اس ملک فارس کی آب وہوا
بہت خوب اور موافق ہے، بہتر تو یوں ہے کہ ایک آدمی معتبر بھیج کر
اپنے والدین کو معہ اسباب یہیں بلوالو، جو کچھ سواری اور برداری درکار
ہو، مَیں موجود کروں۔ جب ماباپ تمہارے اور گھربار سب آیا، اپنی خوشی
سے کاربار تجارت کا کیا کریو۔ مَیں نے بھی اِس عمر میں زمانے کی بہت
سختیاں کھینچی ہیں، اور ملک مُلک پھرا ہوں۔ اب بوڑھا ہوا، فرزند نہیں
رکھتا، مَیں تجھے بہتر اپنے بیٹے سے جانتا ہوں، اور اپنا ولی عہد و مختار کرتا
ہوں۔ میرے کارخانے سے بھی ہوشیار اور خبردار رہو۔ جب تلک جیتا ہوں
ایک ٹکڑا کھانے کو اپنے ہاتھ سے دو، جب مرجاؤں گاڑ داب دیجو، اور
سب مال و متاع میرا لیجو۔

تب سوداگر بچے نے جواب دیا کہ واقعی صاحب نے زیادہ باپ
سے میری غمخواری اور خاطرداری کی کہ مجھے ماباپ بھول گئے، لیکن اِس
عاصی کے والد نے ایک سال کی رخصت دی تھی، اگر دیر لگاؤں گا تو
وے اِس پیری میں روتے روتے مرجائیں گے، پس رضامندی پدر
کی خوشنودی خدا کی ہے، اور اگر وہ مجھ سے ناراضی ہونگے تو مَیں ڈرتا

ہوں کہ شاید دعائے بد نہ کریں کہ دونوں جہان میں خدا کی رحمت سے محروم رہوں۔

اب آپ کی یہی شفقت ہے کہ بندے کو حکم کیجیے کہ فرمانا قبلہ گاہ کا بجا لاوے، اور حقِ پدری سے ادا ہووے، اور صاحب کی توجہ کا ادائے شکر جب تلک دم میں دم ہے میری گردن پر ہے۔ اگر اپنے ملک میں بھی جاؤنگا تو ہر دم دل و جان سے یاد کیا کرونگا۔ خدا مسبب الاسباب ہے شاید پھر کوئی ایسا سبب ہو کہ قدم بوسی حاصل کروں۔ غرض سوداگر بچے نے ایسی ایسی باتیں نون مرچیں لگا کر خواجہ کو سنائیں کہ وہ بچارا لاچار ہو کر مونٹھ چاٹنے لگا۔ از بسکہ اُس پہ شیفتہ اور فریفتہ ہو رہا تھا، کہنے لگا اچھا، اگر تم نہیں رہتے تو میں ہی تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ میں تجھ کو اپنی جان کے برابر جانتا ہوں، پس جب جان چلی جاوے تو خالی بدن کس کام آوے؟ اگر تو اِسی میں رضامند ہے تو چل، اور مجھے بھی لیچل۔ سوداگر بچے سے یہ کہکر اپنی بھی تیاری سفر کی کرنے لگا، اور گماشتوں کو حکم کیا کہ باربرداری کی فکر جلدی کرو۔

جب خواجہ کے چلنے کی خبر مشہور ہوئی۔ وہاں کے سوداگروں نے سُنکر سب نے تہیۂ سفر کا کیا۔ خواجۂ سگ پرست نے گنج اور جواہر بے شمار نوکر اور غلام انگنت تحفے اور اسباب شاہانہ بہت سا ساتھ لیکر شہر کے

باہر تنبو اور قنات اور بچھولے اور سراپردے اور کندلے کھڑے کرواکر
اُن میں داخل ہوا۔ جتنے تجّار تھے اپنی اپنی بساط موافق مال سوداگری
کا لیکر ہمراہ ہوئے، برائے خود ایک لشکر ہوگیا۔

ایک دن جوگنی کو پیٹھ دیکر وہاں سے کوچ کیا، ہزاروں اونٹوں
پر شلیتے اسباب کے اور خچروں پر صندوق نقد جواہر کے لاد کر پانچ سو
غلام دشت قبچاق اور زنگ و روم کے مسلح صاحبِ شمشیر تازی اور ترکی
و عراقی و عربی گھوڑوں پر چڑھکر چلے۔ سب کے پیچھے خواجہ اور سوداگر بچہ
خلعت فاخرہ پہنے سکھپال پر سوار اور ایک تخت بغدادی اونٹ پر کسا
اُس پر کتا مسند پر سویا ہوا۔ اور اُن دونوں قیدیوں کے قفس ایک شتر پر
لٹکائے ہوئے روانہ ہوئے۔ جس منزل میں پہنچتے سب سوداگر خواجہ کی بارگاہ
میں آکر حاضر ہوتے۔ اور دسترخوان پر کھانا کھاتے اور شراب پیتے۔ خواجہ
سوداگر بچے کے ساتھ ہونے کی خوشی میں شکر خدا کا کرتا اور کوچ در کوچ
چلا جاتا تھا۔ بارے بخیر و عافیت نزدیک قسطنطنیہ کے آپہنچے۔ باہر شہر کے
مقام کیا، سوداگر بچے نے کہا اے قبلہ! اگر رخصت دیجئے تو میں جاکر ماں باپ
کو دیکھوں۔ اور مکان صاحب کے واسطے خالی کروں، جب مزاج سامی
میں آوے شہر میں داخل ہوجیئے۔

خواجہ نے کہا تمہاری خاطر تو میں یہاں آیا، اچھا جلد مل جُل کر میرے

پاس آؤ، اور اپنے نزدیک میرے اُترنے کو مکان دو۔ سوداگر بچہ رخصت ہو کر اپنے گھر میں آیا۔ سب وزیر کے محل کے آدمی حیران ہوئے کہ یہ مرد کون گھس آیا۔ سوداگر بچہ (یعنی بیٹی وزیر کی) اپنی ماں کے پاؤں پر جا گری اور روئی اور بولی، کہ مَیں تمہاری جائی ہوں۔ سُنتے ہی وزیر کی بیگم گالیاں دینے لگی کہ اے تتری! تو بڑی شتّا ہو نکلی، اپنا منہ تو نے کالا کیا، اور خاندان کو رسوا کیا، ہم تو تیری جان کو رو پیٹ کر صبر کر کے تجھ سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے، جا دفع ہو۔

تب وزیر زادی نے سر سے پگڑی اتار کر پھینک دی اور بولی، اے امّا جان! مَیں بُری جگہ نہیں گئی۔ کچھ بدی نہیں کی، تمہارے بموجب فرمانے کے بابا کو قید سے چھڑانے کی خاطر یہ سب فکر کی، الحمد للہ! کہ تمہاری دعا کی برکت سے اور اللہ کے فضل سے پورا کام کر کے آئی ہوں، کہ نیشاپور سے اُس سوداگر کو مع کتے (جس کے گلے میں وے لعل پڑے ہیں) اپنے ساتھ لائی ہوں، اور تمہاری امانت میں بھی خیانت نہیں کی۔ سفر کے لئے مردانہ بھیس کیا ہے، اب ایک روز کا کام باقی ہے وہ کر کر قبلہ گاہ کو بندی خانے سے چھڑاتی ہوں، اور اپنے گھر میں آتی ہوں، اگر حکم ہو تو پھر جاؤں اور ایک روز باہر رہ خدمت میں آؤں۔ ماں نے جب خوب معلوم کیا کہ میری بیٹی نے مردوں کا کام کیا، اور اپنے تئیں سب طرح سلامت و

محفوظ رکھا ہے، خدا کی درگاہ میں نک گھسنی کی۔ اور خوش ہو کر بیٹی کو
چھاتی سے لگالیا اور منہ چوما، بلائیں لیں دعائیں دیں اور رخصت
کیا، کہ تو جو مناسب جان سو کر، میری خاطر جمع ہوئی۔

وزیرزادی پھر سوداگر بچہ بنکر خواجہ سگ پرست پاس چلی۔ وہاں
خواجہ کو جُدائی اُس کی ازبسکہ شاق ہوئی، بے اختیار ہو کر کوچ کیا۔ اتفاقاً
نزدیک شہر کے ایدھر سے سوداگر بچہ جاتا تھا، اور اودھر سے خواجہ آتا تھا
عین راہ میں ملاقات ہوئی۔ خواجہ نے دیکھتے ہی کہا۔ بابا! مجھ بوڑھے کو
اکیلا چھوڑ کر کہاں گیا تھا؟ سوداگر بچہ بولا آپ سے اجازت لیکر اپنے گھر
گیا تھا۔ آخر ملازمت کے اشتیاق نے وہاں رہنے نہ دیا۔ آکر حاضر ہوا شہر
کے دروازے پر دریا کے کنارے ایک باغ سایہ دار دیکھ کر خیمہ استادہ کیا
اور وہیں اُترے۔ خواجہ اور سوداگر بچہ باہم بیٹھ کر شراب و کباب پینے کھانے
لگے۔ جب عصر کا وقت ہوا، سیر تماشے کی خاطر خیمے سے نکل کر صندلیوں پہ
بیٹھے۔ اتفاقاً ایک قراول بادشاہی اُدھر آنکلا، اُن کا لشکر اور نشست
برخاست دیکھ کر اچنبھے ہو رہا اور دل میں کہا، شاید ایلچی کسو بادشاہ کا آیا
ہے، کھڑا تماشا دیکھتا تھا۔

خواجہ کے شاطر نے اُس کو آگے بلایا اور پوچھا کہ تو کون ہے؟ اُس نے
کہا میں بادشاہ کا میر شکار ہوں۔ شاطر نے خواجہ سے اُس کا احوال کہا خواجہ

نے ایک غلام کافری کو کہا کہ جا کر باز دار سے کہہ، کہ ہم مسافر ہیں، اگر جی چاہے تو آؤ بیٹھو، قہوہ قلیان حاضر ہے۔ جب میر شکار نے نام سوداگر کا سنا زیادہ متعجب ہوا۔ اور یتیم کے ساتھ خواجہ کی مجلس میں آیا، لوازم اور شان وشوکت اور سیاہ و غلام دیکھے۔ خواجہ اور سوداگر بچہ کو سلام کیا اور مرتبہ سگ کا نگاہ کیا، ہوش اُس کے جاتے رہے، ہکّا بکّا سا ہو گیا خواجہ نے اُسے بٹھلا کر قہوے کی ضیافت کی، قراول نے نام و نشان خواجہ کا پوچھا۔ جب رخصت مانگی خواجہ نے کئی تھان اور کچھ تحفے اُسے دیکر اجازت دی۔ صبح کو جب بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوا، درباریوں سے خواجہ سوداگر کا ذکر کرنے لگا۔ رفتہ رفتہ مجھ کو خبر ہوئی، میر شکار کو مَیں نے روبرو طلب کیا اور سوداگر کا احوال پوچھا۔

اُس نے جو کچھ دیکھا تھا عرض کیا۔ سننے سے کتے کے تجمل کے اور دو آدمیوں کے پنجرے میں قید ہونے کے مجھ کو خفگی آئی۔ میں نے فرمایا وہ مردود تاجر واجب القتل ہے۔ نسقچیوں کو حکم کیا کہ جلد جاؤ۔ اُس بیدین کا سر کاٹ لاؤ۔ قضا کار وہی ایلچی فرنگ کا دربار میں حاضر تھا، مسکرایا۔ مجھے اور بھی غضب زیادہ ہوا، فرمایا کہ اے بے ادب! پادشاہوں کے حضور میں بے سبب دانت کھولنے ادب سے باہر ہیں، بے محل ہنسنے سے رونا بہتر ہے۔ اُس نے التماس کیا۔ جہاں پناہ! کئی باتیں خیال میں گذریں

لہذا فدوی متبسم ہوا۔ پہلی یہ کہ وزیر سچّا ہے اب قید خانے سے رہائی
پاویگا، دوسری یہ کہ پادشاہ خون ناحق سے اُس وزیر کے بچے، تیسری
یہ کہ قبلۂ عالم نے بے سبب اور بے تقصیر اُس سوداگر کو حکم قتل کا کیا۔
اِن حرکتوں سے تعجب آیا کہ بے تحقیق ایک بے وقوف کے کہنے سے آپ
ہر کسو کو حکم قتل کا کر بیٹھتے ہیں۔ خدا جانے فی الحقیقت اُس خواجہ کا احوال
کیا ہے! اُسے حضور میں طلب کیجئے، اور اُس کی واردات پوچھیے، اگر تقصیر دار
ٹھہرے تب مختار ہو، جو مرضی میں آوے اُس سے سلوک کیجئے۔

جب ایلچی نے اس طرح سے سمجھایا، مجھے بھی وزیر کا کہنا یاد آیا۔ فرمایا
جلد سوداگر کو اُس کے بیٹے کے ساتھ اور وہ سگ اور قفس حاضر کرو۔
قورچی اُس کے بلانے کو دوڑ آئے۔ ایک دم میں سب کو حضور میں لے
آئے، روبرو طلب کیا۔ پہلے خواجہ اور اُس کا پسر آیا۔ دونوں لباس فاخرہ
پہنے ہوئے۔ سوداگر بچے کا جمال دیکھنے سے سب ادنیٰ اعلیٰ حیران اور
بھچک ہوئے۔ ایک خوان طلائی جواہر سے بھرا ہوا (کہ ہر ایک رقم کی
چھوٹ نے سارے مکان کو روشن کر دیا) سوداگر بچہ ہاتھ میں لیئے آیا،
اور میرے تخت کے آگے نچھاور کیا۔ آداب کورنشات بجا لا کر کھڑا ہوا۔
خواجہ نے بھی زمین چومی اور دعا کرنے لگا، اس گویائی سے بولتا تھا کہ
گویا بلبل ہزار داستاں ہے۔ مَیں نے اُس کی لیاقت کو بہت پسند کیا،

لیکن عتاب کی رو سے کہا، اے شیطان آدمی کی صورت! تو نے یہ کیا جال پھیلایا ہے۔ اور اپنی راہ میں کنواں کھودا ہے؟ تیرا کیا دین ہے اور یہ کون آئین ہے؟ کس پیغمبر کی امت ہے؟ اگر کافر ہے تو بھی یہ کیسی مت ہے؛ اور تیرا کیا نام ہے کہ تیرا یہ کام ہے؟

اُن نے کہا قبلۂ عالم کی عمر و دولت بڑھتی رہے۔ غلام کا دین یہ ہے، کہ خدا واحد ہے، اُس کا کوئی شریک نہیں اور محمد مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا کلمہ پڑھتا ہوں، اور اُس کے بعد بارہ امام کو اپنا پیشوا جانتا ہوں اور آئین میری یہ ہے کہ پانچوں وقت کی نماز پڑھتا ہوں، اور روزہ رکھتا ہوں، اور حج بھی کر آیا ہوں، اور اپنے مال سے خمس زکوٰۃ دیتا ہوں اور مسلمان کہاتا ہوں۔ لیکن ظاہر میں یہ سارے عیب جو مجھ میں بھرے ہیں جن کے سبب سے آپ ناخوش ہوئے ہیں اور تمام خلق اللہ میں بد نام ہو رہا ہوں، اس کا ایک باعث ہے کہ ظاہر نہیں کر سکتا۔ ہر چند سگ پرست مشہور ہوں اور مضاعف محصول دیتا ہوں یہ سب قبول کیا ہے، پر دل کا بھید کسو سے نہیں کہا۔ اس بہانے سے میرا غصہ زیادہ ہوا اور کہا مجھے تو باتوں میں پُھسلاتا ہے، مَیں نہیں ماننے کا جب تلک اس اپنی گمراہی کی دلیل معقول عرض نہ کرے کہ میرے دلنشین ہو، تب تو جان سے بچیگا نہیں تو اس کے قصاص میں تیرا پیٹ چاک کراؤنگا، تو سب کو عبرت ہو

کہ بار دیگر کوئی دینِ محمدی میں رخنہ نہ کرے۔

خواجہ نے کہا، اے پادشاہ! مجھ کم بخت کے خون سے درگذر کر، اور جتنا مال میرا ہے کہ گنتی اور شمار سے باہر ہے سب کو ضبط کر لے، اور مجھے اور میرے بیٹے کو اپنے تخت کے تصدق کر کر چھوڑ دے، اور جان بخشی کر۔ مَیں نے تبسم کر کے کہا، اے بیوقوف! اپنے مال کی طمع مجھے دکھاتا ہے سوائے سچ بولنے کے اب تیری مخلصی نہیں۔ یہ سنتے ہی خواجہ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو ٹپکنے لگے، اور اپنے بیٹے کی طرف دیکھکر ایک آہ بھری اور بولا، مَیں تو پادشاہ کے روبرو گنہگار ٹھہرا، مارا جاؤنگا، اب کیا کروں؟ تجھے کس کو سونپوں؟ مَیں نے ڈانٹا کہ اے مکّار! بس اب عذر بہت کئے، جو کہنا ہے جلد کہہ۔

تب تو اُس مرد نے قدم بڑھا کر تخت کے پاس آکر پائے کو بوسہ دیا اور صفت و ثنا کرنے لگا اور بولا، اے شہنشاہ! اگر حکم قتل کا میرے حق میں نہ ہوتا، تو سب سیاستیں سہتا اور اپنا ماجرا نہ کہتا۔ لیکن جان سب سے عزیز ہے، کوئی آپ سے کوئے میں نہیں گرتا۔ پس جان کی محافظت واجب ہے، اور ترک واجب کا خلاف حکم خدا کے ہے۔ خیر جو مرضیِ مبارک یہی ہے، تو سرگذشت اِس پیر ضعیف کی سنیئے۔ پہلے حکم ہو کہ وہ دونوں قفس جن میں دو آدمی قیدی ہیں حضور میں لاکر رکھیں۔ میں اپنا احوال

کہتا ہوں، اگر کہیں جھوٹھ کہوں، تو اُن سے پوچھ کر مجھے قائل کیجئے اور انصاف فرمائیے۔ مجھے یہ بات اُس کی پسند آئی، پنجروں کو منگوا کر اُن دونوں کو نکلوا کر خواجہ کے پاس کھڑا کیا۔

خواجہ نے کہا اے پادشاہ! یہ مرد جو داہنی طرف ہے غلام کا بڑا بھائی ہے، اور جو بائیں کو کھڑا ہے منجھلا برادر ہے۔ میں اِن دونوں سے چھوٹا ہوں، میرا باپ ملک فارس میں سوداگر تھا۔ جب میں چودہ برس کا ہوا قبلہ گاہ نے رحلت کی۔ جب تجہیز و تکفین سے فراغت ہوئی، اور پھول اُٹھ چکے، ایک روز اِن دونوں بھائیوں نے مجھے کہا، کہ اب باپ کا مال جو کچھ ہے تقسیم کرلیں، جس کا دل جو چاہے سو کام کرے۔ مَیں نے سنکر کہا اے بھائیو! یہ کیا بات ہے؟ میں تمہارا غلام ہوں، بھائی چارہ کا دعویٰ نہیں رکھتا۔ ایک باپ مرگیا، تم دونوں میرے پدر کی جگہ میرے سر پر قائم ہو۔ ایک نان خشک چاہتا ہوں جس میں زندگی بسر کروں اور تمہاری خدمت میں حاضر رہوں۔ مجھے حصے بخرے سے کیا کام ہے؟ تمہارے آگے کے جھوٹے سے اپنا پیٹ بھرلونگا، اور تمہارے پاس رہونگا۔ مَیں لڑکا ہوں، کچھ پڑھا لکھا بھی نہیں، مجھ سے کیا ہوسکے گا؟ ابھی تم مجھے تربیت کرو۔

یہ سُنکر جواب دیا کہ تو چاہتا ہے اپنے ساتھ ہمیں بھی خراب اور محتاج کرے۔ میں چُپکا ایک گوشے میں جا کر رونے لگا، پھر دل کو سمجھایا کہ بھائی

آخر بزرگ ہیں، میری تعلیم کی خاطر چشم نمائی کرتے ہیں کہ کچھ سیکھے۔ اِسی فکر میں سو گیا۔ صبح کو ایک پیادہ قاضی کا آیا اور مجھے دارالشرع میں لیگیا وہاں دیکھا تو یہی دونوں بھائی حاضر ہیں۔ قاضی نے کہا کیوں اپنے باپ کا ورثہ بانٹ چونٹ نہیں لیتا؟ مَیں نے گھر میں جو کہا تھا وہاں بھی جواب دیا۔ بھائیوں نے کہا، اگر یہ بات اپنے دل سے کہتا ہے، تو ہمیں لادعویٰ لکھ دے، کہ باپ کے مال واسباب سے مجھے کچھ علاقہ نہیں۔ تب بھی مَیں نے یہی سمجھا کہ یہ دونوں میرے بزرگ ہیں، میری نصیحت کے واسطے کہتے ہیں، کہ باپ کا مال لیکر بیجا تصرف نہ کرے۔ بہ موجب ان کی مرضی کے فارغ خطی بہ مہر قاضی میں نے لکھ دی۔ یہ راضی ہوئے، مَیں گھر میں آیا۔

دوسرے دن مجھ سے کہنے لگے، اے بھائی! یہ مکان جس میں تو رہتا ہے ہمیں درکار ہے، تو اپنی بود باش کی خاطر اور جگہ لیکر جا رہ۔ تب مَیں نے دریافت کیا کہ یہ باپ کی حویلی میں بھی رہنے سے خوش نہیں، لاچار ارادہ اُٹھ جانے کا کیا۔ جہاں پناہ! جب میرا باپ جیتا تھا، تو جس وقت سفر سے آتا، ہر ایک ملک کا تحفہ بطریق سوغات کے لاتا اور مجھے دیتا۔ اس واسطے کہ چھوٹے بیٹے کو ہر کوئی زیادہ پیار کرتا ہے۔ مَیں نے اُن کو بیچ بیچ کر تھوڑی سی اپنی نج کی پونجی بہم پہنچائی تھی، اُسی سے کچھ خرید فروخت کرتا ایک بار لونڈی میری خاطر ترکستان سے میرا باپ لایا، اور ایک دفعہ گھوڑے

لیکر آیا۔ اُن میں سے ایک بچھیڑا ناکند کہ ہونہار تھا، وہ بھی مجھے دیا۔ میں اپنے پاس سے دانہ گھاس اُس کا کرتا تھا۔

آخر ان کی بے مروتی دیکھ کر ایک حویلی خرید کی۔ وہاں جا رہا، یہ کتّا بھی میرے ساتھ چلا آیا۔ واسطے ضروریات کے اسباب خانہ داری کا جمع کیا اور دو غلام خدمت کی خاطر مول لیئے، اور باقی پونجی سے ایک دوکان بزازی کی کر کے خدا کے توکل پر بیٹھا، اپنی قسمت پر راضی تھا۔ اگرچہ بھائیوں نے بدخلقی کی، پر خدا جو مہربان ہوا، تین برس کے عرصے میں ایسی دوکان جمی کہ میں صاحبِ اعتبار ہوا۔ سب سرکاروں میں جو تحفہ چاہتا، میری ہی دوکان سے جاتا۔ اُس میں بہت سے روپے کمائے، اور نہایت فراغت سے گذرنے لگی۔ ہر دم جناب باری میں شکرانہ کرتا۔ اور آرام سے رہتا، یہ کبت اکثر اپنے احوال پر پڑھتا۔

रूठे क्यूं न राजा? वा तें कच्छ नाहीं काजा;
एक तूसे महाराजा, और कौन को सराहिये?
रूठे क्यूं न भाई? वा तें कुच्छ न बसाई;
एक तूही है सहाई, और कौन पास जाइये?
रूठे क्यूं न मित्र शत्रु; आठों जाम एक
रावरे चरन के नेह को निभाइये.
संसार है रूठा, एक तू है अनूठा, सब चूमेंगे
अंगूठा, एक तू न रूठा चाहिये.

اتفاقاً جمعے کے روز میں اپنے گھر بیٹھا تھا کہ ایک غلام میرا سودے سلف کو بازار گیا تھا، بعد ایک دم کے روتا ہوا آیا۔ میں نے سبب پوچھا کہ تجھے کیا ہوا؟ خفا ہو کر بولا کہ تمہیں کیا کام ہے؟ تم خوشی مناؤ، لیکن قیامت میں کیا جواب دوگے؟ میں نے کہا اے حبشی! ایسی کیا بلا تجھ پر نازل ہوئی؟ اُس نے کہا یہ غضب ہے کہ تمہارے بڑے بھائیوں کی چوک کے چوراہے میں ایک یہودی نے مشکیں باندھی ہیں، اور قمچیاں مارتا ہے، اور ہنستا ہے کہ اگر میرا روپے نہ دوگے تو مارتے مارتے مار ہی ڈالوں گا، بھلا مجھے ثواب تو ہوگا۔ پس تمہارے بھائیوں کی یہ نوبت اور تم بے فکر ہو۔ یہ بات اچھی ہے، لوگ کیا کہیں گے؟ یہ بات غلام سے سنتے ہی لہو نے جوش کیا، ننگے پاؤں بازار کی طرف دوڑا اور غلاموں کو کہا جلد روپے لیکر آؤ۔ جونہیں وہاں گیا، دیکھا تو جو کچھ غلام نے کہا تھا سچ ہے، ان پر مار پڑ رہی ہے۔ حاکم کے پیادوں کو کہا، واسطے خدا کے ذرا رہ جاؤ، میں یہودی سے پوچھوں کہ ایسی کیا تقصیر کی ہے جس کے بدلے یہ تعزیر کی ہے؟

یہ کہکر میں یہودی کے نزدیک گیا اور کہا، آج روز آدینہ ہے، اِن کو کیوں ضربِ شلاق کر رہا ہے؟ اُس نے جواب دیا اگر حمایت کرتے ہو، تو پوری کرو، اِن کے عوض روپے حوالے کرو، نہیں تو اپنے گھر کی راہ لو۔ میں نے کہا، کیسے روپے؟ دست آویز نکال، میں روپے گن دیتا ہوں۔

اُن نے کہا تمسک حاکم کے پاس دے آیا ہوں۔ اِس میں میرے دونوں غلام دو بدرہ روپے لیکر آئے، ہزار روپے مَیں نے یہودی کو دیئے اور بھائیوں کو چھڑایا۔ ان کی یہ صورت ہو رہی تھی کہ بدن سے ننگے اور بھوکھے پیاسے اپنے ہمراہ گھر میں لایا، وونھیں حمام میں نہلوایا، نئی پوشاک پہنائی کھانا کھلایا۔ ہرگز ان سے یہ نہ کہا، کہ اتنا مال باپ کا تم نے کیا کیا؟ شاید شرمندہ ہوں۔

اے پادشاہ! یے دونوں موجود ہیں، پوچھیئے کہ سچ کہتا ہوں یا کوئی بات جھوٹھ بھی ہے؟ خیر جب کئی دن میں مار کی کوفت سے بحال ہوئے، ایک روز مَیں نے کہا، کہ اے بھائیو! اب اس شہر میں تم بے اعتبار ہو گئے ہو، بہتر یہ ہے کہ چند روز سفر کرو۔ یہ سُن کر چُپ ہو رہے۔ مَیں نے معلوم کیا کہ راضی ہیں، سفر کی تیاری کرنے لگا۔ پال پرتل بار برداری اور سواری کی فکر کرکے بیس ہزار روپے کی جنس تجارت کی خرید کی۔ ایک قافلہ سوداگروں کا بُخارے کو جاتا تھا، اُن کے ساتھ کر دیا۔

بعد ایک سال کے وہ کاروان پھر آیا، اِن کی خیر خبر کچھ نہ پائی، آخر ایک آشنا سے قسمیں دیکر پوچھا۔ اُس نے کہا جب بخارے میں گئے ایک نے جوئے خانے میں اپنا تمام مال ہار دیا، اب وہاں کی جاروب کشی کرتا ہے اور پھڑ کو لیپتا پوتتا ہے، جواری جو جمع ہوتے ہیں اُن کی خدمت کرتا ہے،

وہ بطریق خیرات کے کچھ دیتے ہیں، وہاں گرگا بنا پڑا رہتا ہے۔ اور دوسرا بوزہ فروش کی لڑکی پر عاشق ہوا اپنا مال سارا صرف کیا۔ اب وہ بوزہ خانے کی ٹہل کیا کرتا ہے۔ قافلے کے آدمی اِس لیئے نہیں کہتے کہ تو شرمندہ ہوگا

یہ احوال اُس شخص سے سُنکر میری عجب حالت ہوئی، مارے فکر کے نیند بھوکھ جاتی رہی۔ زادراہ لیکر قصد بخارے کا کیا۔ جب وہاں پہنچا دونوں کو ڈھونڈھ ڈھانڈھ کر اپنے مکان میں لایا غسل کرواکر نئی پوشاک پہنائی۔ اور ان کی خجالت کے ڈر سے ایک بات منہ پر نہ رکھی۔ پھر مال سوداگری کا اِن کے واسطے خریدا، اور ارادہ گھر کا کیا۔ جب نزدیک نیشاپور کے آیا، ایک گانو میں بہ معہ مال اسباب ان کو چھوڑ کر گھر میں آیا، اس لیئے کہ میرے آنے کی کسو کو خبر نہ ہو۔ بعد دو دن کے مشہور کیا کہ میرے بھائی سفر سے آئے ہیں، کل اُن کے استقبال کی خاطر جاؤنگا صبح کو چاہا کہ جاؤں، ایک گرہست اُسی موضع کا میرے پاس آیا اور فریاد کرنے لگا۔ مَیں اُس کی آواز سُنکر باہر آیا، اُسے روتا دیکھکر پوچھا کہ کیوں زاری کرتا ہے؟ وہ بولا تمہارے بھائیوں کے سبب سے ہمارے گھر لوٹے گئے۔ کاشکے اُن کو تم وہاں نہ چھوڑ آتے!

مَیں نے پوچھا کیا مصیبت گذری؟ بولا کہ رات کو ڈاکا آیا، اُن کا مال و اسباب لوٹا اور ہمارے گھر بھی لوٹ لے گئے۔ مَیں نے افسوس

کیا اور پوچھا کہ اب وے دونوں کہاں ہیں؟ کہا شہر کے باہر ننگے منگے خراب خستہ بیٹھے ہیں۔ وو نفیس دو جوڑے کپڑوں کے ساتھ لیکر گیا، پہنا کر گھر میں لایا۔ لوگ سنکر اُن کے دیکھنے کو آتے تھے، اور بے مارے شرمندگی کے باہر نہ نکلتے تھے۔ تین مہینے اسی طرح گذرے، تب میں نے اپنے دل میں غور کی، کہ کب تلک یہ کونے میں دبکے بیٹھے رہیں گے۔ بنے تو اِن کو اپنے ساتھ سفر میں لے جاؤں۔

بھائیوں سے کہا، اگر فرمائیے تو یہ فدوی آپ کے ساتھ چلے۔ یے خاموش رہے، پھر لوازمہ سفر کا اور جنس سوداگری کی تیار کر کے چلا اور اُن کو ساتھ لیا۔ جس وقت مال کی زکوٰۃ دیکر اسباب کشتی پر چڑھایا اور لنگر اُٹھایا، ناؤ چلی۔ یہ کتّا کنارے پر سو رہا تھا، جب چونکا اور جہاز کو مانجھ دھار میں دیکھا حیران ہو کر بھونکا، اور دریا میں کود پڑا اور پیرنے لگا میں نے ایک پنسوئی دوڑا دی، بارے سگ کو لیکر کشتی میں پہنچایا۔ ایک مہینا خیر و عافیت سے دریا میں گذرا، کہیں منجھلا بھائی میری لونڈی پر عاشق ہوا۔ ایک دن بڑے بھائی سے کہنے لگا، کہ چھوٹے بھائی کی منت اُٹھانے سے بڑی شرمندگی حاصل ہوئی، اس کا تدارک کیا کریں؟ بڑے نے جواب دیا کہ ایک صلاح دل میں ٹھہرائی ہے، اگر بن آوے تو بڑی بات ہے۔ آخر دونوں نے مصلحت کر کے تجویز کی کہ اسے مار ڈالیں

اور سارے مال اسباب کے قابض متصرف ہوں۔

ایک دن مَیں جہاز کی کوٹھری میں سوتا تھا، اور لونڈی پانو داب رہی تھی کہ منجھلا بھائی آیا اور جلدی سے مجھے جگایا۔ مَیں ہڑبڑا کر چونکا اور باہر نکلا، یہ کتّا بھی میرے ساتھ ہولیا۔ دیکھوں تو بڑا بھائی جہاز کی باڑ پر ہاتھ ٹیکے نہوڑا ہوا تماشا دریا کا دیکھ رہا ہے، اور مجھے پکارتا ہے۔ مَیں نے پاس جاکر کہا خیر تو ہے؟ بولا عجب طرح کا تماشا ہو رہا ہے کہ دریائی آدمی موتی کی سیپیاں اور مونگے کے درخت ہاتھ میں لیئے ہوئے ناچتے ہیں۔ اگر اور کوئی ایسی بات خلاف قیاس کہتا تو میں نہ مانتا، بڑے بھائی کے کہنے کو راست جانا۔ دیکھنے کو سر جھکایا۔ ہر چند نگاہ کی کچھ نظر نہ آیا، اور وہ یہی کہتا رہا، اب دیکھا؟ لیکن کچھ ہو تو دیکھوں۔ اِس میں مجھے غافل پاکر منجھلے نے اچانک پیچھے آکر ایسا ڈھکیلا کہ بے اختیار پانی میں گر پڑا، اور وہ رونے دھونے لگے کہ دوڑیو ہمارا بھائی دریا میں ڈوبا۔

اتنے میں ناؤ بڑھ گئی، اور دریا کی لہر مجھے کہیں سے کہیں لیگئی۔ غوطے پر غوطے کھاتا تھا، اور موجوں میں چلا جاتا تھا۔ آخر تھک گیا، خدا کو یاد کرتا تھا، کچھ بس نہ چلتا تھا۔ ایکبارگی کسو چیز پر ہاتھ پڑا، آنکھ کھول کر دیکھا تو یہی کتّا ہے۔ شاید جس دم مجھے دریا میں ڈالا، میرے ساتھ یہ

بھی کودا اور پیرتا ہوا میرے ساتھ لپٹا چلا جاتا تھا۔ میں نے اُس کی دم پکڑلی۔ اللہ نے اُس کو میری زندگی کا سبب کیا۔ سات، دن اور رات یہی صورت گذری۔ آٹھویں دن کنارے جا لگے، طاقت مطلق نہ تھی، لیٹے لیٹے کروٹیں کھا کر جوں توں اپنے تئیں خشکی میں ڈالا۔ ایک دن بیہوش پڑا تھا دوسرے دن کتّے کی آواز کان میں گئی، ہوش میں آیا، خدا کا شکر بجا لایا۔ ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ دور سے سواد شہر کا نظر آیا لیکن قوت کہاں کہ ارادہ کروں! لاچار دو قدم چلتا پھر بیٹھتا، اسی حالت سے شام تک کوس بھر راہ کاٹی۔

بیچ میں ایک پہاڑ ملا، رات کو وہاں گر رہا، صبح کو شہر میں داخل ہوا۔ جب بازار میں گیا، نان بائی اور حلوائیوں کی دوکانیں نظر آئیں دل ترسنے لگا، نہ پاس پیسا جو خرید کروں، نہ جی چاہے کہ مفت مانگوں اسی طرح اپنے دل کو تسلی دیتا ہوا کہ اگلی دوکان سے لونگا چلا جاتا تھا آخر طاقت نہ رہی اور پیٹ میں آگ لگی، نزدیک تھا کہ روح بدن سے نکلی۔ ناگاہ دو جوان کو دیکھا کہ لباس عجم کا پہنے، اور ہاتھ پکڑے چلے آتے ہیں۔ ان کو دیکھ کر خوش ہوا کہ یہ اپنے ملک کے انسان ہیں شاید آشنا صورت ہوں، ان سے اپنا احوال کہونگا۔ جب نزدیک آئے تو میرے دونوں برادر حقیقی تھے۔ دیکھ کر نپٹ شاد ہوا، شکر

خدا کا کیا کہ خدا نے آبرو رکھ لی، غیر کے آگے ہاتھ نہ پسارا۔ نزدیک جاکر سلام کیا اور بڑے بھائی کا ہاتھ چوما۔ انھوں نے مجھے دیکھتے ہی غل و شور کیا منجھلے بھائی نے طمانچہ مارا کہ میں لڑکھڑا کر گر پڑا۔ بڑے بھائی کا دامن پکڑا کہ شاید یہ حمایت کرے گا۔ اس نے لات ماری۔

غرض دونوں نے مجھے خوب خورد خام کیا، اور حضرت یوسف کے بھائیوں کا سا کام کیا۔ ہر چند میں نے خدا کے واسطے دیے اور گھگیایا پر ہرگز رحم نہ کھایا۔ ایک خلقت اکٹھی ہوئی، سب نے پوچھا اس کا کیا گناہ ہے؟ تب بھائیوں نے کہا، یہ حرام زادہ ہمارے بھائی کا نوکر تھا۔ سو اس کو دریا میں ڈال دیا، اور مال اسباب سب لے لیا۔ ہم مدت سے تلاش میں تھے آج اس صورت سے نظر آیا۔ اور مجھ سے پوچھتے تھے کہ اے ظالم! یہ کیا تیرے دل میں آیا کہ ہمارے بھائی کو مار کھپایا! کیا اس نے تیری تقصیر کی تھی؟ اُن نے تجھ سے کیا بُرا سلوک کیا تھا کہ اپنا مختار بنایا تھا؟ پھر ان دونوں نے اپنے گریبان چاک کر ڈالے، اور بے اختیار جھوٹ موٹھ بھائی کی خاطر روتے تھے، اور لات مُکے مجھ پر کرتے تھے۔

اس میں حاکم کے پیادے آئے، ان کو ڈانٹا کہ کیوں مارتے ہو؟ اور میرا ہاتھ پکڑ کر کوتوال کے پاس لے گئے۔ یے دونوں بھی ساتھ چلے اور حاکم سے بھی یہی کہا، اور بطور رشوت کے کچھ دیکر اپنا انصاف چاہا، اور

خون ناحق کا دعویٰ کیا۔ حاکم نے مجھ سے پوچھا۔ میری یہ حالت تھی کہ مارے
بھوکھ اور مار پیٹ کے طاقت گویائی کی نہ تھی۔ سر نیچے کیئے کھڑا تھا، کچھ
منہ سے جواب نہ نکلا۔ حاکم کو بھی یقین ہوا کہ یہ مقرر خونی ہے، فرمایا کہ اسے
میدان میں لیجا کر سولی دو۔ جہاں پناہ! مَیں نے روپے دیکر ان کو یہودی
کی قید سے چھڑایا تھا، اس کے عوض انھوں نے بھی روپے خرچ کر کے
میری جان کا قصد کیا۔ یہ دونوں حاضر ہیں، ان سے پوچھیئے کہ میں اس
میں سر مو تفاوت کہتا ہوں۔ خیر مجھے لے گئے، جب دار کو دیکھا، ہاتھ
زندگی سے دھوئے۔

سوائے اس کتے کے کوئی میرا رونے والا نہ تھا، اس کی یہ حالت
تھی کہ ہر ایک آدمی کے پانوں میں لوٹتا اور چلاتا تھا۔ کوئی لکڑی کوئی پتھر
سے مارتا لیکن یہ اُس جگہ سے نہ سرکتا، اور میں روبقبلہ کھڑا ہو خدا کو کہتا
تھا، کہ اس وقت میں تیری ذات کے سوا میرا کوئی نہیں جو آڑے آوے
اور بیگناہ کو بچاوے، اب تو ہی بچاوے تو بچتا ہوں۔ یہ کہکر کلمہ شہادت
کا پڑھکر تیورا کر گر پڑا۔ خدا کی حکمت سے اُس شہر کے بادشاہ کو قُلنج کی
بیماری ہوئی، اُمرا اور حکیم جمع ہوئے، جو علاج کرتے تھے فائدہ مند نہ ہوتا
تھا۔ ایک بزرگ نے کہا کہ سب سے بہتر یہ دوا ہے کہ محتاجوں کو کچھ خیرات
کرو اور بندیوانوں کو آزاد کرو، دوا سے دعا میں بڑا اثر ہے۔ دوخیں

بادشاہی چیلے پنڈت خانوں کی طرف دوڑے۔

اتفاقاً ایک اُس میدان میں آنکلا، ازدہام دیکھ کر معلوم کیا کہ کسو کو سولی چڑھاتے ہیں۔ یہ سنتے ہی گھوڑے کو دار کے نزدیک لاکر تلوار سے طنابیں کاٹ دیں۔ حاکم کے پیادوں کو ڈانٹا اور تنبیہ کی کہ ایسے وقت میں کہ پادشاہ کی یہ حالت ہے، تم خدا کے بندے کو قتل کرتے ہو! اور مجھے چُھڑوا دیا۔ تب یہ دونوں بھائی پھر حاکم کے پاس گئے، اور میرے قتل کے واسطے کہا۔ شحنہ نے تو رشوت کھائی تھی، جو یہ کہتے تھے سو کرتا تھا۔

کوتوال نے اُن سے کہا کہ خاطر جمع رکھو، اب میں اسے ایسا قید کرتا ہوں کہ آپ سے آپ مارے بھوکھوں کے بے آب ودانہ مرجاوے، کسو کو خبر نہ ہووے۔ مجھے پکڑ لائے اور ایک گوشے میں رکھا۔ اُس شہر سے باہر کوس ایک پر ایک پہاڑ تھا کہ حضرت سلیمان کے وقت میں دیووں نے ایک کوّاں تنگ وتاریک اس میں کھودا تھا، اُس کا نام زندان سلیمان کہتے تھے۔ جس پر بڑا غضب پادشاہی ہوتا، اُسے وہاں محبوس کرتے۔ وہ خود بخود مرجاتا۔ القصہ رات کو چپکے یے دونوں بھائی اور کوتوال کے ڈنڈے نے مجھے اُس پہاڑ پر لے گئے، اور اُس غار میں ڈال کر اپنی خاطر جمع کرکے پھرے۔ اے بادشاہ! یہ کتا میرے ساتھ چلا گیا، جب مجھے کوئیں میں گرایا، تب یہ اُس کی مینڈ پر لیٹ رہا۔ میں اندر بیہوش پڑا

تھا۔ ذرہ سرت آئی تو میں اپنے تئیں مردہ خیال کیا اور اُس مکان کو گور سمجھا۔ اس میں دو شخصوں کی آواز کان میں پڑی کہ کچھ آپس میں باتیں کرتے ہیں۔ یہی معلوم کیا کہ نکیر منکر ہیں، تجھ سے سوال کرنے آئے ہیں۔ سرسراہٹ رسّی کی سُنی، جیسے کسو نے وہاں لٹکائی۔ میں حیرت میں تھا، زمین کو ٹٹولتا تو ہڈیاں ہاتھ میں آتیں۔

بعد ایک ساعت کے آواز چپڑ چپڑ منہ چلانے کی میرے کان میں آئی، جیسے کوئی کچھ کھاتا ہے۔ میں نے پوچھا کہ اے خدا کے بندو! تم کون ہو؟ خدا کے واسطے بتاؤ۔ وہ ہنسے اور بولے، یہ زندان مہتر سلیمان کا ہے، اور ہم قیدی ہیں۔ مَیں نے اُن سے پوچھا، کیا مَیں جیتا ہوں؟ پھر کھلکھلا کر ہنسے اور کہا، اب تلک تو تو زندہ ہے، پر اب مریگا۔ مَیں نے کہا تم کھاتے ہو، کیا ہو جو مجھے بھی تھوڑا سا دو۔ تب جھنجلا کر خالی جواب دیا اور کچھ نہ دیا۔ وہ کھا پی کر سو رہے، مَیں مارے ضعف و ناتوانی کے غش میں پڑا روتا تھا، اور خدا کو یاد کرتا تھا۔ قبلۂ عالم! سات دن دریا میں اور اتنے دن بھائیوں کے بہتان کے سبب دانہ نہ میسّر آیا۔ علاوہ کھانے کے بدلے مار پیٹ کھائی، اور ایسے زندان میں پھنسا کہ صورت رہائی کی مطلق خیال میں بھی نہ آتی تھی۔

آخر جان کندنی کی نوبت پہنچی، کبھو دم آتا کبھو نکل جاتا تھا، لیکن کبھو کبھو

آدھی رات کو ایک شخص آتا اور رومال میں روٹیاں اور پانی کی صراحی ڈوری میں باندھ کر لٹکا دیتا اور پکارتا۔ وہ دونوں آدمی جو میرے پاس محبوس تھے لے لیتے اور کھاتے پیتے۔ اوپر سے کتے نے ہمیشہ یہ احوال دیکھتے دیکھتے عقل دوڑائی، کہ جس طرح یہ شخص آب و نان کوئیں میں لٹکا دیتا ہے، تو بھی ایسی فکر کر کہ کچھ اس بیکس کو جو میرا خاوند ہے آزوقہ پہنچے تو اُس کا دم بچے۔ یہ خیال کر کے شہر میں گیا۔ نان بائی کی دوکان میں تنبیر پر گردے چُنے ہوئے دھرے تھے، جست مار کر ایک کلچہ منہ میں لیا اور بھاگا۔ لوگ پیچھے دوڑے۔ ڈھیلے مارتے تھے لیکن اُس نے نان کو نہ چھوڑا۔ آدمی تھک کر پھرے۔ شہر کے کتے پیچھے لگے، اُن سے لڑتا بھڑتا روٹی کو بچائے اُس چاہ پر آیا۔ اور نان کو اندر ڈال دیا۔ روز روشن تھا، میں نے روٹی کو اپنے پاس پڑا دیکھا اور کتے کی آواز سنی کلچے کو اُٹھا لیا، اور یہ کتا روٹی پھینک کر پانی کی تلاش میں گیا۔

کسی گاؤں کے کنارے ایک بُڑھیا کی جھوپڑی تھی، ٹھلیا اور بدھنا پانی سے بھرا ہوا دھرا تھا، اور وہ پیرزن چرخا کاتتی تھی۔ کتا کونے کے نزدیک گیا، چاہا کہ لوٹے کو اُٹھاوے، عورت نے ڈانٹا، لوٹا اُس کے منہ سے چھوٹا، گھڑے پر گرا، مٹکا پھوٹا، باقی باسن لڑھ گئے، پانی بہہ چلا۔ بڑھیا لکڑی لیکر مارنے کو اُٹھی، یہ سگ اُس کے دامن میں

لپٹ گیا، اُس کے پاؤں پر منہ ملنے اور دُم ہلانے لگا، اور پہاڑ کی طرف دوڑ گیا، پھر اُس کے پاس آکر کبھو رسّی اُٹھاتا، کبھو ڈول منہ میں پکڑ کر دکھاتا، اور مُنہ اُس کے قدموں پر رگڑتا، اور آنچل چادر کا پکڑ کر کھینچتا خدا نے اُس عورت کے دل میں رحم دیا کہ ڈول رسّی کو لیکر اُس کے ہمراہ چلی۔ یہ اُس کا آنچل پکڑے گھر سے باہر ہو کر آگے آگے ہولیا۔

آخر اُس کو پہاڑ ہی پر لے آیا، عورت کے جی میں کتے کی اس حرکت سے الہام ہوا کہ اس کا میاں مقرر اس غار میں گرفتار ہے، شاید اُس کی خاطر پانی چاہتا ہے۔ غرض پیرزن کو لیئے ہوئے غار کے منہ پر آیا۔ عورت نے لوٹا پانی کا بھر کر رسی سے لٹکایا، مَیں نے وہ باسن لے لیا اور نان کا ٹکڑا کھایا، دو تین گھونٹ پانی پیا، اس پیٹ کے کتے کو راضی کیا۔ خدا کا شکر کر کر ایک کنارے بیٹھا اور خدا کی رحمت کا منتظر تھا، کہ دیکھیے اب کیا ہوتا ہے؟ یہ حیوان بے زبان اسی طور سے نان لے آتا، اور بڑھیا کے ہاتھ پانی پلواتا۔ جب بھٹھیاروں نے دیکھا کہ کتا ہمیشہ روٹی لیجاتا ہے ترس کھا کر مقرر کیا کہ جب اسے دیکھتے ایک گردا اس کے آگے پھینکدیتے اور اگر وہ عورت پانی نہ لاتی، تو یہ اُس کے باسن پھوڑ ڈالتا۔ لاچار وہ بھی ہر روز ایک صراحی پانی کی دے جاتی۔ اُس رفیق نے آب و نان سے میری خاطر جمع کی، اور آپ زندان کے منہ پر پڑا رہتا۔ اِس طرح چھ مہینے

گذرے، لیکن جو آدمی ایسے زندان میں رہے کہ دنیا کی ہوا اُس کو نہ لگے اُس کا کیا حال ہو! نرا پوست و استخوان مجھ میں باقی رہا۔ زندگی وبال ہوئی، جی میں آوے کہ یا الٰہی! یہ دم نکل جاوے تو بہتر ہے۔

ایک روز رات کو وہ دونوں قیدی سوتے تھے، میرا دل اُمنڈ آیا بے اختیار رونے لگا، اور خدا کی درگاہ میں ناک گھستی کرنے۔ پچھلے پہر کیا دیکھتا ہوں، کہ خدا کی قدرت سے ایک رسّی غار میں لٹکی، اور آواز سہج میں سنی کہ اے کم بخت بدنصیب! ڈور کا سرا اپنے ہاتھ میں مضبوط باندھ اور یہاں سے نکل۔ مَیں نے سنکر دل میں خیال کیا کہ آخر بھائی مجھ پر مہربان ہوکر لہو کے جوش سے آپ ہی نکالنے آئے۔ نہایت خوشی سے اُس طناب کو کمر میں خوب کسا، کسو نے مجھے اوپر کھینچا۔ رات ایسی اندھیری تھی کہ جن نے مجھے نکالا اُس کو مَیں نے نہ پہچانا کہ کون ہے۔ جب مَیں باہر آیا تب اُس نے کہا جلد آ، یہاں کھڑے ہونے کی جگہ نہیں۔ مجھ میں طاقت تو نہ تھی پر مارے ڈر کے لڑھتا پڑتا پہاڑ سے نیچے آیا۔ دیکھوں تو دو گھوڑے زین بندھے ہوئے کھڑے ہیں۔ اُس شخص نے ایک پر مجھے سوار کیا، اور ایک پر آپ چڑھ لیا اور آگے ہوا۔ جاتے جاتے دریا کے کنارے پر پہنچا۔

صبح ہو گئی اُس شہر سے دس بارہ کوس نکل آئے، اُس جوان کو دیکھا کہ اوپچی بنا ہوا زرہ بکتر پہنے چار آئینہ باندھے گھوڑے پر پاکھر ڈالے

میری طرف غضب کی نظروں سے گھور کر اور ہاتھ اپنا دانتوں سے کاٹ
کر تلوار میان سے کھینچی اور گھوڑے کو جست کر کر مجھ پر چلائی۔ میں نے
اپنے تئیں گھوڑے پر سے نیچے گرا دیا اور گھگھیانے لگا۔ کہ میں بے تقصیر ہوں
مجھے کیوں قتل کرتا ہے؟ اے صاحب مروّت! ویسے زندان سے میرے
تئیں تو نے نکالا، اب یہ بے مروّتی کیا ہے؟ اُس نے کہا سچ کہہ تو کون
ہے؟ مَیں نے جواب دیا کہ مسافر ہوں، ناحق کی بلا میں گرفتار ہو گیا تھا، تمہارے
تصدق سے بارے جیتا نکلا ہوں۔ اور بہت باتیں خوشامد کی کیں۔

خدا نے اُس کے دل میں رحم دیا، شمشیر کو غلاف کیا اور بولا، خیر خدا
جو چاہے سو کرے۔ جا تیری جان بخشی کی، جلد سوار ہو یہاں توقف کا
مکان نہیں۔ گھوڑوں کو جلد کیا اور چلے، راہ میں افسوس کھاتا اور
پچھتاتا جاتا تھا۔ ظہر کے وقت تک ایک جزیرے میں جا پہنچے۔ وہاں گھوڑے
سے اُترا، مجھے بھی اُتارا۔ زین خو گیر مرکبوں کی پیٹھ سے کھولا اور چرنے
کو چھوڑ دیا۔ اپنی بھی کمر سے ہتھیار کھول ڈالے اور بیٹھا مجھ سے بولا،
اے بدنصیب! اب اپنا احوال کہہ تو معلوم ہو کہ تو کون ہے۔ مَیں نے
اپنا نام و نشان بتایا، اور جو جو کچھ بپتا بیتی تھی اُس سے آخر تک کہی۔

اُس جوان نے جب میری سرگذشت سب سُنی، رونے لگا، اور
مخاطب ہوا کہ اے جوان! اب میرا ماجرا سن، میں کنیا زیرباد کے دیس

کے راجا کی ہوں، اور وہ گبرو جو زندانِ سلیمان میں قید ہے اس کا نام بہرہ مند ہے، میرے پتا کے منتری کا بیٹا ہے۔ ایک روز مہاراج نے اگیا دی کہ جتنے راجا اور کنور ہیں، میدان میں زیر جھروکھے نکل کر تیر اندازی اور چوگان بازی کریں، تو گھڑ چڑھی اور کسب ہر ایک کا ظاہر ہو۔ میں رانی کے نیڑے جو میری ماتا تھیں اٹاری پر او جھل میں بیٹھی تھی اور دائیاں اور سہیلیاں حاضر تھیں، تماشا دیکھتی تھی۔ یہ دیوان کا پوت سب میں سندر تھا، اور گھوڑے کو کاوے دیکر کسب کر رہا تھا، مجھ کو بھایا اور دل سے اُس پر ریجھی مدت تلک یہ بات گپت رکھی۔

آخر جب بہت بیاکل ہوئی، تب دائی سے کہا اور ڈھیر سا انعام دیا۔ وہ اُس جوان کو کسو نہ کسو ڈھب سے پوشیدہ میرے دھرا ہر میں لے آئی، تب یہ بھی مجھے چاہنے لگا۔ بہت دن اس عشق مشک میں کٹے۔ ایک روز چوکیداروں نے آدھی رات کو ہتھیار باندھے اور محل میں آتے دیکھ کر اُسے پکڑا اور راجہ سے کہا۔ اُسے حکمِ قتل کیا، سب ارکان دولت نے کہہ سُنکر جان بخشی کروائی، تب فرمایا کہ اس کو زندان سلیمان میں ڈال دو۔ اور دوسرا جوان جو اُس کے ہمراہ اسیر ہے، اُس کا بھگنا ہے، اُس رین کو وہ بھی اُس کے ساتھ تھا، دونوں کو اُس کوئیں میں چھوڑ دیا۔ آج تین برس ہوئے کہ وے پھنسے ہیں، مگر کسو نے نہیں دریافت کیا کہ یہ جوان راجہ

کے گھر میں کیوں آیا تھا۔ بھگوان نے میری پت رکھی۔ اس کے شکرانے کے بدلے مَیں نے اپنے اوپر لازم کیا ہے، کہ اَن اور جَل اس کو پہنچایا کروں جب سے اٹھوارے میں ایک دن آتی ہوں، اور آٹھ دن کا آزقہ اکٹھا دے جاتی ہوں۔

کل کی رات سپنے میں دیکھا کہ کوئی مانس کہتا ہے کہ شتابی اُٹھ، اور گھوڑا جوڑا اور کمند اور کچھ نقد خرچ کے واسطے لے کر اُس غار پر جا، اور اُس بچارے کو وہاں سے نکال۔ یہ سُنکر مَیں چونک پڑی اور مگن ہو کر مردانہ بھیس کیا، اور ایک صندوقچہ جواہر و اشرفی سے بھر لیا، اور یہ گھوڑا اور کپڑا جوڑا لیکر وہاں گئی کہ کمند سے اُسے کھینچوں۔ کرم میں تیرے تھا کہ وَیسی قید سے اس طرح چھٹکارا پاوے، اور میرے اس کرتب سے محرم کوئی نہیں، شاید وہ کوئی دیوتا تھا کہ تیری مخلصی کی خاطر مجھے بھجوایا۔ خیر جو میرے بھاگ میں تھا سو ہوا۔ یہ کتھا کہکر پوری کچوری ماس کا سالن انگوچھے سے کھولا، پہلے قند نکال ایک کٹورے میں گھولا اور عرق بید مشک کا اُس میں ڈالکر مجھے دیا۔ مَیں نے اُس کے ہاتھ سے لیکر پیا، پھر تھوڑا سا ناشتا کیا۔ بعد ایک ساعت کے میرے تئیں لنگی بندھوا کر دریا میں لے گئی، قینچی سے میرے سر کے بال کترے، ناخن لیئے، نہلا دُھلا کر کپڑے پہنائے، نئے سر سے آدمی بنایا۔ مَیں دوگانہ شکرانے کا رو بقبلہ ہو کر پڑھنے لگا، وہ نازنین اِس میری

حرکت کو دیکھتی رہی۔

جب نماز سے فارغ ہوا پوچھنے لگی، کہ یہ تو نے کیا کام کیا؟ میں نے کہا جس خالق نے ساری خلقت کو پیدا کیا اور تجھ سی محبوبہ سے میری خدمت کروائی اور تیرے دل کو مجھ پر مہربان کیا اور ویسے زندان سے خلاص کروایا، اُس کی ذات لاشریک ہے، اُس کی میں نے عبادت کی، اور بندگی بجالایا اور ادائے شکر کیا۔ یہ بات سنکر کہنے لگی، تم مسلمان ہو؟ مَیں نے کہا شکر الحمدللہ۔ بولی میرا دل تمہاری باتوں سے خوش ہوا، میرے تئیں بھی سکھاؤ اور کلمہ پڑھاؤ۔ مَیں نے دل میں کہا الحمدللہ کہ یہ ہمارے دین کی شریک ہوئی۔ غرض مَیں نے لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ پڑھا، اور اُس سے پڑھوایا۔ پھر وہاں سے گھوڑوں پر سوار ہوکر ہم دونوں چلے رات کو اُترتے تو وہ ذکر دین ایمان کا کرتی اور سنتی اور خوش ہوتی۔ اسی طرح دو مہینے تلک پیہم شبانہ روز چلے گئے۔

آخر ایک ولایت میں پہنچے کہ درمیان سرحدِ ملک زیر باد اور سراندیپ کے تھی، ایک شہر نظر آیا کہ آبادی میں اِستنبول سے بڑا، اور آب و ہوا بہت خوش اور موافق۔ بادشاہ اُس شہر کا کسریٰ سے زیادہ عادل اور رعیت پرور دیکھ کر دل نپٹ شاد ہوا۔ ایک حویلی خرید کرکے بودباش مقرر کی۔ جب کئی دن میں رنج سفر سے آسودہ ہوئے، کچھ اسباب ضروری درست

کر کے اُس بی بی سے موافق شرع محمدی کے نکاح کیا اور رہنے لگا۔ تین سال میں وہاں کے اکابر و اصاغر سے مل جل کر اعتبار بہم پہنچایا۔ اور تجارت کا ٹھاٹھ پھیلایا۔ آخر وہاں کے سب سوداگروں سے سبقت لے گیا۔ ایک روز وزیر اعظم کی خدمت میں سلام کے لئے چلا، ایک میدان میں کثرت خلق اللہ کی دیکھی۔ کسو سے پوچھا کہ کیوں اتنا ازدہام ہے؟ معلوم ہوا کہ دو شخصوں کو زنا اور چوری کرتے پکڑا ہے، اور شاید خون بھی کیا ہے، اُن کو سنگسار کرنے کو لائے ہیں۔

مجھے سنتے ہی اپنا احوال یاد آیا کہ ایک دن مجھے بھی اسی طرح سولی چڑھانے لے گئے تھے۔ خدا نے بچا لیا۔ آیا یے کون ہیں گے کہ ایسی بلا میں گرفتار ہوئے ہیں؟ معلوم نہیں کہ راست ہے یا میری طرح تہمت میں گرفتار ہوئے ہیں۔ بھیڑ کو چیر کر اندر گھسا، دیکھا تو یہی میرے دونوں بھائی ہیں کہ ٹنڈیاں کسے سر و پا برہنہ اُن کو لئے جاتے ہیں۔ اُن کی صورت دیکھتے ہی خون نے جوش کیا اور کلیجہ جلا، محصلوں کو ایک مٹھی اشرفیاں دیں اور کہا، ایک ساعت توقف کرو، اور وہاں سے گھوڑے کو سرپٹ پھینک کر حاکم کے گھر گیا۔ ایک دانہ یاقوت بے بہا کا نذر گذرانا، اور ان کی شفاعت کی۔ حاکم نے کہا، ایک شخص ان کا مدعی ہے، اور اُن کے گناہ ثابت ہوئے ہیں، اور بادشاہ کا حکم ہو چکا ہے، میں لاچار ہوں۔

بارے بہت منت وزاری سے حاکم نے مدعی کو بلوا کر پانچ ہزار روپے پر راضی کیا، کہ وہ دعوائے خون کا معاف کرے۔ میں نے روپے گن دیئے اور لا دعوائے لکھوا لیا اور ایسی بلا سے مخلصی دلوائی۔ جہاں پناہ اِن سے پوچھیئے کہ سچ کہتا ہوں یا جھوٹھ بکتا ہوں۔ وے دونوں بھائی سر نیچے کئے شرمندہ سے کھڑے تھے۔ خیر ان کو چھڑوا کر گھر میں لایا، حمام کروا کر لباس پہنوایا، دیوان خانے میں مکان رہنے کو دیا۔ اس مرتبہ اپنے قبیلے کو ان کے روبرو نہ کیا، ان کی خدمت میں حاضر رہتا، اور ان کے ساتھ کھانا کھاتا، سونے کے وقت گھر میں جاتا۔ تین برس تک ان کی خاطرداری میں گذری اور ان سے بھی کوئی حرکت بد واقع نہ ہوئی کہ باعث رنجیدگی کا ہووے جو میں سوار ہو کر کہیں جاتا تو یے گھر میں رہتے۔

اتفاقاً وہ بی بی نیک بخت ایک دن حمام کو گئی تھی، جب دیوانخانے میں آئی کوئی مرد نظر نہ پڑا۔ اُس نے برقع اُتارا، شاید یہ منجھلا بھائی لیٹا ہوا جاگتا تھا، دیکھتے ہی عاشق ہوا۔ بڑے بھائی سے کہا۔ دونوں نے میرے مار ڈالنے کی باہم صلاح کی۔ مَیں اس حرکت سے مطلق خبر نہ رکھتا تھا، بلکہ دل میں کہتا تھا کہ الحمد للہ اس مرتبہ اب تک انھوں نے کچھ ایسی بات نہیں کی، اب ان کی وضع درست ہوئی، شاید غیرت کو کام فرمایا۔ ایک روز بعد کھانے کے بڑے بھائی صاحب آبدیدہ ہوئے۔ اور اپنے وطن کی تعریف اور

ایران کی خوبیاں بیان کرنے لگے۔ یہ سُنکر دوسرے بھی لبسورنے لگے۔ میں نے کہا اگر ارادہ وطن کا ہے تو بہتر، مَیں تابع مرضی کے ہوں، میری بھی یہی آرزو ہے۔ اب انشاء اللہ تعالیٰ میں بھی آپ کی رکاب میں چلتا ہوں۔ اُس بی بی سے دونوں بھائیوں کی اُداسی کا مذکور کیا، اور اپنا ارادہ بھی کہا۔ وہ عاقلہ بولی کہ تم جانو لیکن پھر کچھ دغا کیا چاہتے ہیں، یہ تمہاری جان کے دشمن ہیں، تم نے سانپ آستین میں پالے ہیں، اوران کی دوستی کا بھروسا رکھتے ہو! جو جی چاہے سو کرو۔ لیکن موذیوں سے خبردار رہو۔ بہر تقدیر تھوڑے عرصے میں تیاری سفر کی کرکے خیمہ میدان میں استادہ کیا۔ بڑا قافلہ جمع ہوا، اور میری سرداری اور قافلہ باشی پر راضی ہوئے اچھی ساعت دیکھ کر روانہ ہوا، لیکن ان کی طرف سے اپنی جانب مَیں ہوشیار رہتا، اور سب صورت سے فرماں برداری اور دلجوئی انکی کرتا۔

ایک روز ایک منزل میں منجھلے بھائی نے مذکور کیا، کہ ایک فرسخ اس مکان سے ایک چشمہ جاری ہے مانند سلسبیل کے، اور میدان میں خودرو کوسوں تلک لالہ ونافرمان اور نرگس و گلاب پھولا ہے۔ واقعی عجب مکان سَیر کا ہے، اگر اپنا اختیار ہوتا تو کل وہاں جاکر تفریح طبیعت کی کرتے اور ماندگی بھی رفع ہوتی۔ میں بولا کہ صاحب مختار ہیں، فرماؤ تو کل کے دن مقام کریں، اور وہاں چلکر سیر کرتے پھریں۔ یے بولے، ازیں چہ بہتر؟

مَیں نے حکم کیا کہ سارے قافلے میں پکار دو کہ کل مقام ہے۔ اور بکاول کو کہا کہ حاضری قسم بہ قسم کی تیار کر، کل سیر کو چلیں گے۔ جب صبح ہوئی، ان دونوں برادروں نے کپڑے پہن کمر باندھ کر مجھے یاد دلایا، کہ جلد ٹھنڈے ٹھنڈے چلیئے اور سیر کیجیئے۔ میں نے سواری مانگی، بولے کہ پا پیادہ جو لطف سَیر کا ہوتا ہے سو سواری میں معلوم؟ نفروں کو کہہ دو گھوڑے ڈُریا کر لے آویں۔

دونوں غلاموں نے قلیان اور قہوہ دان لے لیا، اور ساتھ ہوئے۔ راہ میں تیراندازی کرتے ہوئے چلے جاتے تھے۔ جب قافلے سے دُور نکل گئے، ایک غلام کو انھوں نے کسی کام کو بھیجا۔ تھوڑی دُور آگے بڑھکر دوسرے کو بھی اُس کے بلانے کو رخصت کیا۔ کم بختی جو آئی میرے منہ میں جیسے کسو نے مہر دے دی۔ جو وہ چاہتے تھے سو کرتے تھے، اور مجھے باتوں میں پرچائے لیئے جاتے تھے، مگر یہ کتا ساتھ رہ گیا۔ بہت دُور نکل گئے: نہ چشمہ نظر آیا نہ گلزار، مگر ایک میدان پرخار تھا، وہاں مجھے پیشاب لگا۔ میں بول کرنے کو بیٹھا۔ اپنے پیچھے چمک تلوار کی سی دیکھی، مڑکر دیکھوں تو منجھلے بھائی صاحب نے مجھ پر تلوار ماری کہ سر دوپارہ ہو گیا۔ جب تلک بولوں کہ اے ظالم! مجھے کیوں مارتا ہے؟ بڑے بھائی نے شانے پر لگائی۔ دونوں زخم کاری لگے، بیتورا کر گرا، تب ان دونوں بے رحموں

نے بخاطر جمع میرے تئیں چور زخمی کیا اور لہولہان کر دیا۔ یہ کتا میرا احوال
دیکھ کر ان پر بھپکا، اس کو بھی گھایل کیا۔ بعد اس کے اپنے ہاتھوں سے
اپنے بدنوں میں زخموں کے نشان کئے، اور سر و پا برہنہ قافلے میں گئے
اور ظاہر کیا کہ حرامیوں نے اس میدان میں ہمارے بھائی کو شہید کیا،
اور ہم بھی لڑ بھڑ کر زخمی ہوئے۔ جلدی کوچ کرو نہیں تو اب کاروان پر گر کر
سب کو ننگیا لینگے۔ قافلے کے لوگوں نے بدوؤں کا نام جو سُنا وونہیں بد
حواس ہوئے۔ اور گھبرا کر کوچ کیا اور چل نکلے۔

میرے قبیلے نے سلوک اور خوبیاں اُن کی سُن رکھی تھیں، جو جو مجھ
سے دغائیں کیں تھیں، یہ واردات اِن کاذبوں سے سُنکر جلد خنجر سے
اپنے تئیں ہلاک کیا اور جاں بحق تسلیم ہوئی۔ اے درویشو! اُس خواجہ
سگ پرست نے جب اپنی کیفیت اور مصیبت اس طرح سے یہاں تلک
کہی، سنتے ہی مجھے بے اختیار رونا آیا۔ وہ سوداگر دیکھ کر کہنے لگا کہ
قبلۂ عالم! اگر بے ادبی نہ ہوتی تو برہنہ ہو کر میں اپنا سارا بدن کھول کر
دکھاتا۔ تس پر بھی اپنی راستی پر گریبان مونڈھے تلک چیر کر دکھایا۔ واقعی
چار انگل تن اُس کا بغیر زخم کے ثابت نہ تھا۔ میرے حضور سر سے عمامہ
اُتارا، کھوپری میں ایسا بڑا گڑھا پڑا تھا کہ ایک انار سموچا اُس میں سماوے
ارکان دولت جتنے حاضر تھے سب نے اپنی آنکھیں بند کر لیں، طاقت دیکھنے

کی نہ رہی۔

پھر خواجہ بولا کہ بادشاہ سلامت! جب یے بھائی اپنی دانست میں میرا کام تمام کر کے چلے گئے، ایک طرف میں اور ایک طرف یہ سگ میرے نزدیک زخمی پڑا تھا۔ لہو اتنا بدن سے گیا کہ مطلق طاقت اور ہوش کچھ باقی نہ تھا، کیا جانوں دم کہاں اٹک رہا تھا کہ جیتا تھا۔ جس جگہ میں پڑا تھا ولایت سراندیپ کی سرحد تھی، اور ایک شہر بہت آباد اُس کے قریب تھا۔ اُس شہر میں بڑا بت خانہ تھا، اور وہاں کے بادشاہ کی ایک بیٹی تھی نہایت قبول صورت اور صاحب جمال۔

اکثر بادشاہ اور شہزادے اُس کے عشق میں خراب تھے۔ وہاں رسم حجاب کی نہ تھی، اِس سے وہ لڑکی تمام دن ہمجولیوں کے ساتھ سیر شکار کرتی پھرتی۔ ہم سے نزدیک ایک بادشاہی باغ تھا، اُس روز بادشاہ سے اجازت لے کر اُسی باغ میں آئی تھی۔ سیر کی خاطر اُس میدان میں پھرتی پھرتی آنکلی، کئی خواصیں بھی ساتھ سوار تھیں۔ جہاں مَیں پڑا تھا آئیں، میرا کراہنا سُنکر پاس کھڑی ہوئیں۔ مجھے اس حالت میں دیکھکر وے بھاگیں اور شہزادی سے کہا، کہ ایک مردوا اور ایک کتّا لہو میں شور بور پڑا ہے۔ اُن سے یہ سُنکر آپ ملکہ میرے سر پہ آئی، افسوس کھاکر کہا، دیکھو تو کچھ جان باقی ہے؟ دو چار دائیوں نے اُتر کر دیکھا اور عرض کی، اب تلک

تو جیتا ہے۔ تُرت فرمایا کہ امانت قالیچے پر لٹا کر باغ میں لیچلو۔

وہاں لیجا کر جراح سرکار کا بلاکر میرے اور میرے کتے کے علاج کی خاطر بہت تاکید کی، اور امیدوار انعام و بخشش کا کیا۔ اُس حجام نے سارا بدن میرا پونچھ پانچھ کر خاک و خون سے پاک کیا، اور شراب سے دھو دھاکر زخموں کو ٹانکے مرہم لگایا، اور بید مُشک کا عرق پانی کے بدلے میرے حلق میں چوایا۔ ملکہ آپ میرے سرہانے بیٹھی رہتی، اور میری خدمت کرواتی اور تمام دن رات میں دو چار بار کچھ شوربا یا شربت اپنے ہاتھ سے پلاتی۔ بارے مجھے ہوش آیا تو دیکھا کہ ملکہ نہایت افسوس سے کہتی ہے، کس ظالم خونخوار نے تجھ پر یہ ستم کیا، بڑے بُت سے بھی نہ ڈرا! بعد دس روز کے عرق اور شربت اور معجونوں کی قوت سے مَیں نے آنکھ کھولی، دیکھا تو اندر کا اکھاڑا میرے آس پاس جمع ہے، اور ملکہ سرہانے کھڑی ہے۔ ایک آہ بھری اور چاہا کہ کچھ حرکت کروں، طاقت نہ پائی، بادشاہزادی مہربانی سے بولی کہ اے عجمی! خاطر جمع رکھ کڑھ مت، اگرچہ کسو ظالم نے تیرا یہ احوال کیا لیکن بڑے بت نے مجھ کو تجھ پر مہربان کیا ہے، اب چنگا ہو جاویگا۔

قسم اُس خدا کی جو واحد اور لاشریک ہے۔ مَیں اُسے دیکھ کر پھر بے ہوش ہو گیا، ملکہ نے بھی دریافت کیا اور گلاب پاش سے گلاب اپنے ہاتھ سے چھڑکا بیس دن کے عرصے میں زخم بھر آئے اور انگور کر لائے۔

ملکہ ہمیشہ رات کو جب سب سو جاتے، میرے پاس آتی اور کھلا پلا جاتی۔ غرض ایک چلّے میں غسل کیا، بادشاہزادی نہایت خوش ہوئی حجام کو انعام بہت سا دیا اور مجھکو پوشاک پہنوائی۔ خدا کے فضل سے اور خبر گیری اور سعی سے ملکہ کے خوب چاق چوبند ہوا، اور بدن نہایت تیار ہوا، اور کتا بھی فربہ ہو گیا۔ روز مجھے شراب پلاتی اور باتیں سنتی اور خوش ہوتی۔ میں بھی ایک آدھ نقل یا کہانی انوٹھی کہکر اُسکے دل کو بہلاتا۔

ایک دن پوچھنے لگی کہ اپنا احوال تو بیان کرو کہ تم کون ہو، اور یہ واردات تم پر کیوں کر ہوئی؟ میں نے سارا ماجرا اپنا اول سے آخر تک کہہ سنایا، سُنکر رونے لگی اور بولی، کہ اب مَیں تجھ سے ایسا سلوک کرونگی کہ اپنی ساری مصیبت بھول جاویگا۔ میں نے کہا خدا تمھیں سلامت رکھے، تم نے نئے سر سے میری جان بخشی کی ہے، اب مَیں تمہارا ہو رہا ہوں، واسطے خدا کے اِسی طرح ہمیشہ مجھ پر اپنی مہربانی کی نظر رکھیو۔ غرض تمام رات اکیلی میرے پاس بیٹھی رہتی، اور صحبت رکھتی۔ بعضے دن دائی اس کی بھی ساتھ رہتی، ہر ایک طور کا ذکر مذکور سُنتی اور کہتی۔ جب ملکہ اُٹھ جاتی اور مَیں تنہا ہوتا طہارت کر کونے میں چھپ کر نماز پڑھ لیتا۔

ایک بار ایسا اتفاق ہوا کہ ملکہ اپنے باپ کے پاس گئی تھی۔ میں خاطر جمع سے وضو کر کے نماز پڑھ رہا تھا کہ اچانک شہزادی دائی سے بولتی

ہوئی آئی، کہ دیکھیں عجمی اس وقت کیا کرتا ہے، سوتا ہے یا جاگتا ہے۔ مجھے مکان پر جو نہ دیکھا تعجب میں ہوئی، کہ ایں یہ کہاں گیا ہے؟ کسو سے کچھ لگا تو نہیں لگایا۔ کونا کھُدرا دیکھنے لگی اور تلاش کرنے لگی، آخر جہاں میں نماز کر رہا تھا، وہاں آنکلی، اس لڑکی نے کبھو نماز کا ہیکو دیکھی تھی، چُپکی کھڑی دیکھا کی۔ جب میں نے نماز تمام کر کے دعا کے لئے ہاتھ اُٹھائے اور سجدے میں گیا، بے اختیار کھلکھلا کر ہنسی اور بولی کیا یہ آدمی سودائی ہو گیا، یہ کیسی کیسی حرکتیں کر رہا ہے؟

میں ہنسنے کی آواز سُنکر دل میں ڈرا۔ ملکہ آگے آکر پوچھنے لگی کہ اے عجمی! یہ تو کیا کرتا تھا؟ مَیں کچھ جواب نہ دے سکا۔ اِس میں دائی بولی، بلا لوں، تیرے صدقے گئی، مجھے یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص مسلمان ہے اور لات منات کا دشمن ہے۔ اَن دیکھے خدا کو پوجتا ہے۔ ملکہ نے یہ سنتے ہی ہاتھ ہاتھ پر مارا، بہت غصّے ہوئی کہ میں کیا جانتی تھی کہ یہ ترک ہے، اور ہمارے خداؤں سے منکر ہے۔ تبھی ہمارے بُت کے غضب میں پڑا تھا مَیں نے ناحق اس کی پرورش کی اور اپنے گھر میں رکھا۔ یہ کہتی ہوئی چلی گئی، مَیں سنتے ہی بدحواس ہوا کہ دیکھئے اب کیا سلوک کرے، مارے خوف کے نیند اُچاٹ ہو گئی، صبح تک بے اختیار رویا کیا اور آنسوؤں منہ دھویا کیا۔

تین دن رات اِسی خوف ورجا میں روتے گذرے، ہرگز آنکھ نہ جھپکی۔ تیسری شب ملکہ شراب کے نشہ میں مخمور اور دائی ساتھ لئے میرے مکان پر آئی۔ غصہ میں بھری ہوئی اور تیر کمان ہاتھ میں لئے باہر چمن کے کنارے بیٹھی۔ دائی سے پیالا شراب کا مانگا، پیکر کہا دیا! وہ عجمی جو ہمارے بڑے بت کے قہر میں گرفتار ہے، مُوا یا اب تک جیتا ہے؟ دائی نے کہا بلیا لوں کچھ دم باقی ہے۔ بولی کہ اب وہ ہماری نظروں سے گرا لیکن کہہ کہ باہر آوے۔ دائی نے مجھے پکارا، مَیں دوڑا دیکھوں تو ملکہ کا چہرہ مارے غصہ کے تمتا رہا ہے۔ اور سُرخ ہو گیا ہے۔ روح قالب میں نہ رہی، سلام کیا اور ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوا۔ غضب کی نگاہ سے مجھے دیکھ کر دائی سے بولی، اگر مَیں اس دین کے دشمن کو تیر سے مارول، تو میری خطا بڑا بت معاف کریگا یا نہیں؟ یہ مجھ سے بڑا گناہ ہوا ہے۔ کہ مَیں نے اُسے اپنے گھر میں رکھ کر خاطرداری کی۔

دائی نے کہا، پادشاہزادی کی کیا تقصیر ہے؟ کچھ دشمن جان کر نہیں رکھا۔ تم نے اُس پر ترس کھایا، تم کو نیکی کے عوض نیکی ملے گی اور یہ اپنی بدی کا ثمرہ بڑے بُت سے پارہے گا۔ یہ سُنکر کہا، دائی! اِسے بیٹھنے کو کہو، دائی نے مجھے اشارت کی کہ بیٹھ جا، میں بیٹھ گیا۔ ملکہ نے اور جام شراب کا پیا اور دائی سے کہا، کہ اس کم بخت کو بھی ایک

پیالا دے، تو آسانی سے مارا جاوے۔ دائی نے جام دیا، میں نے بے عذر پیا اور سلام کیا۔ ہرگز میری طرف نگاہ نہ کی، مگر کن انکھیوں سے چوری چوری دیکھتی تھی۔ جب مجھے سُرور ہوا کچھ شعر پڑھنے لگا۔ از انجملہ ایک بیت یہ بھی پڑھی:-

قابو میں ہوں میں تیرے گو اب جیا تو پھر کیا خنجر تلے کسو نے ٹک دم لیا تو پھر کیا؟

سُنکر مسکرائی اور دائی کی طرف دیکھ کر بولی، کیا تجھے نیند آتی ہے؟ دائی نے مرضی پا کر کہا کہ ہاں مجھ پر خواب نے غلبہ کیا ہے۔ وہ تو رخصت ہو کر جہنم واصل ہوئی۔ بعد ایک دم کے ملکہ نے پیالہ مجھ سے مانگا، میں جلد بھر کر روبرو لے گیا۔ ایک ادا سے میرے ہاتھ سے لیکر پی لیا، تب میں قدموں پر گرا، ملکہ نے ہاتھ مجھ پر جھاڑا اور کہنے لگی، اے جاہل! ہمارے بڑے بُت میں کیا بُرائی دیکھی جو غائب خدا کی پرستش کرنے لگا؟ مَیں نے کہا انصاف شرط ہے، ٹک غور فرمائیے کہ بندگی کے لائق وہ خدا ہے کہ جس نے ایک قطرے پانی سے تم سار کا محبوب پیدا کیا، اور یہ حُسن و جمال دیا کہ ایک آن میں ہزاروں انسان کے دل کو دیوانہ کر ڈالو۔ بُت کیا چیز ہے کہ کوئی اُس کی پوجا کرے؟ ایک پتھر کو سنگ تراشوں نے گڑھ کر صورت بنائی اور دام احمقوں کے واسطے بچھایا۔ جن کو شیطان نے ورغلانا ہے۔ وے مصنوع

کو صانع جانتے ہیں ۔ جسے اپنے ہاتھوں سے بناتے ہیں، اُس کے آگے سر جُھکاتے ہیں ۔ اور ہم مسلمان ہیں، جس نے ہمیں بنایا ہے ہم اُسے مانتے ہیں، اُن کے واسطے دوزخ، ہمارے لیئے بہشت بنایا ہے ۔ اگر بادشاہزادی ایمان خدا پر لاوے، تب اُس کا مزا پاوے، اور حق و باطل میں فرق کرے اور اپنے اعتقاد کو غلط سمجھے ۔

بارے ایسی ایسی نصیحتیں سنکر اُس سنگدل کا دل ملائم ہوا ۔ خدا کے فضل و کرم سے رونے لگی اور بولی، اچھا مجھے بھی اپنا دین سکھاؤ ۔ مَیں نے کلمہ تلقین کیا، اُن نے بہ صدق دل پڑھا، اور توبہ استغفار کر کر مسلمان ہوئی ۔ تب مَیں اُس کے پانوں پڑا، صبح تک کلمہ پڑھتی اور استغفار کرتی رہی، پھر کہنے لگی، بھلا مَیں نے تو تمہارا دین قبول کیا لیکن ماباپ کافر ہیں، اُن کا کیا علاج؟ مَیں نے کہا، تمہاری بلا سے جو جیسا کرے گا ویسا پاویگا ۔ بولی کہ مجھے چچا کے بیٹے سے منسوب کیا ہے اور وہ بت پرست ہے، کل کو خدانخواستہ بیاہ ہو اور وہ کافر مجھ سے ملے اور اُس کا نطفہ میرے پیٹ میں ٹھہر جاوے تو بڑی قباحت ہے، اس کی فکر ابھی سے کیا چاہیئے، کہ اِس بلا سے نجات پاؤں ۔ مَیں نے کہا تم بات تو معقول کہتی ہو، جو مزاج میں آوے سو کرو ۔ بولی کہ مَیں اب یہاں نہ رہونگی کہیں نکل جاؤنگی ۔ مَیں نے پوچھا کس صورت سے

بھاگنے پاؤ گی، اور کہاں جاؤ گی؟ جواب دیا کہ پہلے تم میرے پاس سے جاؤ، مسلمانوں کے ساتھ سرا میں جا رہو، تو سب آدمی سُنیں اور تم پر گمان نہ لے جاویں۔ تم وہاں کشتیوں کی تلاش میں رہو، جو جہاز عجم کی طرف چلے مجھے خبر کیجو، مَیں اس واسطے دائی کو تمہارے پاس اکثر بھیجا کرونگی، جب تم کہلا بھیجو گے مَیں نکل کر آؤنگی اور کشتی پر سوار ہو کر چلی جاؤنگی، اِن کم بخت بے دینوں کے ہاتھ سے مخلصی پاؤنگی۔ میں نے کہا تمہاری جان و ایمان کے قربان ہوا، دائی کو کیا کرو گی؟ بولی اس کی فکر سہل ہے، ایک پیالے میں زہر ہلاہل پلا دونگی۔ یہی صلاح مقرر ہوئی۔ جب دن ہوا میں کاروان سرا میں گیا، ایک حجرہ کرائے لیا اور جا رہا، اُس جدائی میں فقط وصل کی توقع پر جیتا تھا۔ جب دو مہینے میں سوداگر روم و شام و اصفہان کے جمع ہوئے، ارادہ کوچ کا تری کی راہ سے کیا اور اپنا اسباب جہاز پر چڑھانے لگے۔ ایک جگہ رہنے سے اکثر آشنا صورت ہو گئے تھے۔ مجھ سے کہنے لگے کیوں صاحب! تم بھی چلو نہ، یہاں کفرستان میں کب تلک رہو گے؟ میں نے جواب دیا کہ میرے پاس کیا ہے جو اپنے وطن کو جاؤں؟ یہی ایک لونڈی ایک کتا ایک صندق بساط میں رکھتا ہوں۔ اگر تھوڑی سی جگہ بیٹھ رہنے کو دو، اور اس کا نول مقرر کرو تو میری خاطر جمع ہو، مَیں بھی سوار ہوں۔

سوداگروں نے ایک کوٹھری میرے تحت میں کردی، میں نے اُس کے نَول کا روپیہ بھردیا، دل جمعی کرکر کسو بہانے سے دائی کے گھر گیا اور کہا، اے امّا! تجھ سے رخصت ہونے آیا ہوں، اب وطن کو جاتا ہوں، اگر تیری توجہ سے ایک نظر ملکہ کو دیکھ لوں تو بڑی بات ہے۔ بارے دائی نے قبول کیا، مَیں نے کہا مَیں رات کو آؤنگا فلانے مکان پر کھڑا رہونگا۔ بولی اچھا۔ مَیں کہکر سرا میں آیا، صندوق اور بچھونے اُٹھاکر جہاز میں لایا اور ناخدا کو سونپ کر کہا، کل فجر کو اپنی کنیز کو لیکر آؤنگا۔ ناخدا بولا جلد آیو، صبح ہم لنگر اُٹھاوینگے۔ مَیں نے کہا بہت خوب۔ جب رات ہوئی اُسی مکان پر جہاں دائی سے وعدہ کیا تھا، جاکر کھڑا رہا۔ پہر رات گئے محل کا دروازہ کھلا، اور ملکہ میلے کچیلے کپڑے پہنے ایک پیٹی جواہر کی لیئے باہر نکلی، وہ پٹاری میرے حوالے کی اور ساتھ چلی۔ صبح ہوتے کنارے دریا کے ہم پہنچے۔ ایک لنبوت پر سوار ہوکر جہاز میں جا اُترے، یہ وفادار کتا بھی ساتھ تھا۔ جب صبح خوب روشن ہوئی لنگر اُٹھایا اور روانہ ہوئے، بہ خاطر جمع چلے جاتے تھے۔ ایک بندر سے آواز توپوں کی شلک کی آئی۔ سب حیران اور فکرمند ہوئے، جہاز کو لنگر کیا اور آپس میں چرچا ہونے لگا، کہ کیا شاہِ بندر کچھ دغا کرے گا، توپ چھوڑنے کا کیا سبب ہے؟

اتفاقاً سب سوداگروں کے پاس خوبصورت لونڈیاں تھیں۔ شاہ بندر

کے خوف سے کہ مبادا چھین لے سب نے کنیزکوں کو صندوقوں میں بند کیا۔ مَیں نے بھی ایسا ہی کیا کہ اپنی شہزادی کو صندوق میں بٹھا کر قفل کر دیا۔ اس عرصے میں شاہ بندر ایک غراب پر مع نوکر چاکر بیٹھا ہوا نظر آیا آتے آتے جہاز پر آ چڑھا، شاید اُس کے آنے کا یہ سبب تھا کہ پادشاہ کو دائی کے مرنے کی اور ملکہ کے غائب ہونے کی جب خبر معلوم ہوئی، مارے غیرت کے اس کا تو نام نہ لیا، مگر شاہ بندر کو حکم کیا کہ مَیں نے سنا ہے عجمی سوداگروں کے پاس لونڈیاں خوب خوب ہیں، سو میں شہزادی کے واسطے لیا چاہتا ہوں، تم اُن کو روک کر جتنی لونڈیاں جہاز میں ہوں حضور میں حاضر کرو گے۔ اُنھیں دیکھ کر جو پسند آوینگی اُن کی قیمت دی جائیگی، نہیں تو واپس ہونگی۔

بہ موجب حکم پادشاہ کے یہ شاہ بندر اِس لئے آپ جہاز پر آیا، اور میرے نزدیک ایک اور شخص تھا، اُس کے پاس بھی ایک باندی قبول صورت صندوق میں بند تھی۔ شاہ بندر اُسی صندوق پر آ کر بیٹھا اور لونڈیوں کو نکلوانے لگا۔ میں نے خدا کا شکر کیا کہ بھلا پادشاہزادی کا مذکور نہیں۔ غرض جتنی لونڈیاں پائیں شاہ بندر کے آدمیوں نے ناؤ پر چڑھائیں۔ اور خود شاہ بندر جس صندوق پر بیٹھا تھا اُس کے مالک سے بھی ہنستے ہنستے پوچھا کہ تیرے پاس بھی تو لونڈی تھی، اُس احمق نے کہا

آپ کے قدموں کی سوگند، میں نے ہی یہ کام نہیں کیا، سبھوں نے تمہارے ڈر سے لونڈیاں صندوقوں میں چھپائیں ہیں۔ شاہ بندر نے یہ بات سنکر سب صندوقوں کا جھاڑالینا شروع کیا۔ میرا بھی صندوق کھولا اور ملکہ کو نکال کر سب کے ساتھ لے گیا۔ عجب طرح کی مایوسی ہوئی کہ یہ ایسی حرکت پیش آئی کہ تیری جان تو مفت گئی اور ملکہ سے دیکھئے کیا سلوک کرے۔

اُس کی فکر میں اپنی بھی جان کا ڈر بھول گیا، سارے دن رات خدا سے دعا مانگتا رہا۔ جب بڑی فجر ہوئی، سب لونڈیوں کو کشتی پر سوار کر کے لائے، سوداگر خوش ہوئے، اپنی اپنی کنیزکیں لیں، سب آئیں مگر ایک ملکہ اُن میں نہ تھی۔ مَیں نے پوچھا کہ میری لونڈی نہیں آئی، اس کا کیا سبب ہے؟ اُنھوں نے جواب دیا کہ ہم واقف نہیں، شاید بادشاہ نے پسند کی ہوگی۔ سب سوداگر مجھے تسلّی اور دلاسا دینے لگے، کہ خیر جو ہو سو ہوا تو کُڑھ مت۔ اُس کی قیمت ہم سب بھری کر کر تجھے دینگے۔ میرے حواس باختہ ہوگئے، مَیں نے کہا کہ اَب مَیں عجم نہیں جانے کا، کشتی والوں سے کہا یارو! مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلو، کنارے پر اُتار دیجو۔ وے راضی ہوئے، مَیں جہاز سے اُتر کر غراب میں آبیٹھا، یہ کتّا بھی میرے ساتھ چلا آیا۔

جب بندر میں پہنچا ایک صندوقچہ جواہر کا جو ملکہ اپنے ساتھ لائی

تھی اُسے تو رکھ لیا، اور سب اسباب شاہ بندر کے نوکروں کو دیا، اور مَیں جاسوسی میں ہر کہیں پھرنے لگا کہ شاید خبر ملکہ کی پاؤں، لیکن ہرگز سراغ نہ ملا اور نہ اس بات کا پتا پایا۔ ایک رات کو کسی مکر سے بادشاہ کے بھی محل میں گیا اور ڈھونڈھا، کچھ خبر نہ ملی۔ قریب ایک مہینے کے شہر کے کوچے اور محلّے چھان مارے، اور اُس غم سے اپنے تئیں قریب ہلاکت کے پہنچایا، اور سودائی سا پھرنے لگا۔ آخر اپنے دل میں خیال کیا، کہ غالب ہے شاہ بندر کے گھر میں میری بادشاہزادی ہووے تو ہووے، نہیں تو اور کہیں نہیں۔ شاہ بندر کی حویلی کے گرد پیش دیکھتا پھرتا تھا، کہ کہیں سے بھی جانے کی راہ پاؤں تو اندر جاؤں۔

ایک بدر رو نظر پڑی کہ موافق آدمی کے آمد و رفت کے ہے، مگر جالی آہنی اُس کے دہانے پر جڑی ہے۔ یہ قصد کیا کہ اس بدر رو کی راہ سے چلوں، کپڑے بدن سے اتارے اور اس نجس کیچڑ میں اُترا۔ ہزار محنت سے اُس جالی کو توڑا اور سنڈاس کی راہ سے چور محل میں گیا۔ عورتوں کا سا لباس بنا کر ہر طرف دیکھنے بھالنے لگا۔ ایک مکان سے آواز میرے کان میں پڑی جیسے کوئی مناجات کر رہا ہے۔ آگے جا کر دیکھوں تو ملکہ ہے کہ عجب حالت سے روتی ہے، اور ناک گھسنی کر رہی ہے اور خدا سے دُعا مانگتی ہے، کہ صدقے اپنے رسول کے اور اُس کی آل پاک کے مجھے اس

کفرستان سے نجات دے، اور جس شخص نے مجھے اسلام کی راہ بتائی ہے اُس سے ایک بار خیریت سے ملا۔ مَیں دیکھتے ہی دوڑ کر پانوں پر گر پڑا، ملکہ نے مجھے گلے لگا لیا، ہم دونوں پر ایک دم بیہوشی کا عالم ہوگیا۔ جب حواس بجا ہوئے مَیں نے کیفیت ملکہ سے پوچھی، بولی جب شاہ بندر سب لونڈیوں کو کنارے پر لے گیا، مَیں خدا سے یہی دعا مانگتی تھی کہ کہیں میرا راز فاش نہ ہو، اور مَیں پہچانی نہ جاؤں اور تیری جان پر آفت نہ آوے۔ وہ ایسا ستار ہے کہ ہرگز کسو نے نہ دریافت کیا کہ یہ ملکہ ہے، شاہ بندر ہر ایک کو بہ نظر خریداری دیکھتا تھا۔ جب میری باری ہوئی، مجھے پسند کر کر اپنے گھر میں چپکے بھیج دیا، اوروں کو بادشاہ کے حضور میں گذرانا۔

میرے باپ نے جب اُن میں مجھے نہ دیکھا سب کو رخصت کیا، یہ سب پرپنچ میرے واسطے کیا تھا۔ اب یوں مشہور کیا ہے کہ بادشاہزادی بہت بیمار ہے، اگر میں ظاہر نہ ہوئی تو کوئی دن میں میرے مرنے کی خبر سارے ملک میں اُڑے گی، تو بدنامی بادشاہ کی نہ ہووے۔ لیکن اب مَیں اِس عذاب میں ہوں کہ شاہ بندر مجھ سے اور ارادہ دل میں رکھتا ہے، اور ہمیشہ ساتھ سونے کو بُلاتا ہے، میں راضی نہیں ہوتی۔ از بسکہ چاہتا ہے، ابتک میری رضامندی منظور ہے، لہذا چپ ہو رہتا ہے۔ پر حیران ہوں اس طرح کہاں تک نبھے گی، سو مَیں نے بھی جی میں یہ

ٹھہرایا ہے کہ جب مجھ سے کچھ اور قصد کریگا تو مَیں اپنی جان دونگی اور مر رہونگی۔ لیکن تیرے ملنے سے ایک اور تدبیر دل میں سوجھی ہے، خدا چاہے تو سوائے اس فکر کے دوسری کوئی طرح مخلصی کی نظر نہیں آتی۔

میں نے کہا فرماؤ تو، وہ کون سی تدبیر ہے؟ کہنے لگی اگر تو سعی اور محنت کرے تو ہو سکے۔ مَیں نے کہا میں فرمانبردار ہوں، اگر حکم کرو تو جلتی آگ میں کود پڑوں، اور سیڑھی پاؤں تو تمہاری خاطر آسمان پر چلا جاؤں، جو کچھ فرماؤ سو بجا لاؤں۔ ملکہ نے کہا تو بڑے بت کے بت خانے میں جا اور جس جگہ جوتیاں اُتارتے ہیں، وہاں ایک سیاہ ٹاٹ پڑا رہتا ہے اس ملک کی رسم ہے کہ جو کوئی مفلس اور محتاج ہو جاتا ہے، اُس جگہ وہ ٹاٹ اوڑھکر بیٹھتا ہے، یہاں کے لوگ جو زیارت کو جاتے ہیں موافق اپنے اپنے مقدور کے اُسے دیتے ہیں۔

جب دو چار دن میں مال جمع ہوتا ہے، پنڈے ایک خلعت بڑے بت کی سرکار سے دیکر اُسے رخصت کرتے ہیں، وہ تونگر ہوکر چلا جاتا ہے کوئی نہیں معلوم کرتا کہ یہ کون تھا۔ تو بھی جاکر اُس پلاس کے نیچے بیٹھ اور ہاتھ منہ اپنا خوب طرح چھپالے اور کسو سے نہ بول۔ بعد تین دن کے باہمن اور بت پرست ہر چند تجھے خلعت دیکر رخصت کریں، تو وہاں سے ہرگز نہ اُٹھ۔ جب نہایت منت کریں تب تو بولیو کہ مجھے روپیہ پیسا

کچھ درکار نہیں، میں مال کا بھوکا نہیں، مَیں مظلوم ہوں، فریاد کو آیا ہوں، اگر برہمنوں کی ماتا میری داد دے تو بہتر، نہیں بڑا بت میرا انصاف کریگا اور اُس ظالم سے یہی بڑا بت میری فریاد کو پہنچے گا۔ جب تک وہ ماں باہمنوں کی آپ تیرے پاس نہ آوے بہتیرا کوئی منادے تو راضی نہ ہوجیو۔ آخر لاچار ہوکر وہ خود تیرے نزدیک آوے گی۔ وہ بہت بوڑھی ہے دو سو چالیس برس کی عمر ہے، اور چھتیس بیٹے اس کے جنے ہوئے بت خانے کے سردار ہیں، اور اُس کا بڑے بُت کے پاس بڑا درجا ہے۔ اس سبب اس کا اتنا بڑا حکم ہے کہ جتنے چھوٹے بڑے اس مُلک کے ہیں اُس کے کہنے کو اپنی سعادت جانتے ہیں، جو وہ فرماتی ہے بسروچشم مانتے ہیں۔ اس کا دامن پکڑ کر کہیو اے مائی! اگر مجھ مظلوم مسافر کا انصاف ظالم سے نہ کرے گی، تو میں بڑے بت کی خدمت میں ٹکریں مارونگا، آخر وہ رحم کھاکر تجھ سے میری سفارش کرے گا۔

اس کے بعد وہ برہمنوں کی ماتا جب تیرا سب احوال پوچھے تو کہیو کہ مَیں عجم کا رہنے والا ہوں۔ بڑے بت کی زیارت کی خاطر اور تمہاری عدالت سنکر کالے کوسوں سے یہاں آیا ہوں۔ کئی دنوں آرام سے رہا۔ میری بی بی بھی میرے ساتھ آئی تھی، وہ جوان ہے اور صورت شکل بھی اچھی ہے اور آنکھ ناک سے درست ہے، معلوم نہیں کہ شاہ بندر نے اُسے کیوں کر

دیکھا، بہ زور مجھ سے چھین کر اپنے گھر میں ڈال دیا۔ اور ہم مسلمانوں کا یہ قاعدہ ہے کہ، جو نامحرم عورت کو ان کی دیکھے یا چھین لے تو واجب ہے کہ اُس کو جس طرح ہو مار ڈالیں اور اپنی جورو کو لے لیں، اور نہیں تو کھانا پینا چھوڑ دیں، کیونکہ جب تلک وہ جیتا رہے وہ عورت خاوند پر حرام ہے۔ اب یہاں لاچار ہو کر آیا ہوں، دیکھیئے تم کیا انصاف کرتی ہو۔ جب ملکہ نے مجھے یہ سب سکھا پڑھا دیا میں رخصت ہو اُسی نابدان کی راہ سے نکلا، اور وہ جالی آہنی پھر لگا دی۔

صبح ہوتے بت خانے میں گیا اور وہ سیاہ پلاس اوڑھ کر بیٹھا تین روز میں اتنا روپیہ اور اشرفی اور کپڑا میرے نزدیک جمع ہوا کہ انبار لگ گیا چوتھے دن پنڈے بھجن کرتے اور گاتے بجاتے خلعت لیئے میرے پاس آئے اور رخصت کرنے لگے۔ میں راضی نہ ہوا، اور دُہائی بڑے بت کی دی، کہ مَیں گدائی نہیں کرنے آیا، بلکہ انصاف کے لیئے بڑے بت اور برہمنوں کی ماتا کے پاس آیا ہوں، جب تلک اپنی داد نہ پاؤنگا یہاں سے نہ جاؤنگا وے سُنکر اُس پیر زال کے روبرو گئے، اور میرا احوال بیان کیا۔ بعد اُس کے ایک چوبے آیا اور میرے تئیں کہنے لگا، کہ چل ماتا بُلاتی ہے۔ مَیں وونھیں ٹاٹ کالا سر سے پاؤں تک اوڑھے ہوئے دِھری میں گیا۔ دیکھتا ہوں کہ ایک جڑاؤ سنگھاسن پر جس میں لعل الماس اور موتی مونگا لگا ہوا

ہے، بڑا بت بیٹھا ہے، اور ایک کرسیِ زرّیں پر فرش معقول بچھا ہے
اُس پر ایک بُڑھیا سیاہ پوش مسند تکیئے لگائے اور دو لڑکے دس بارہ
برس کے ایک داہنے ایک بائیں شان و شوکت اور تجمّل سے بیٹھی
ہے۔ مجھے آگے بلایا، مَیں ادب سے آگے گیا اور تخت کے پائے کو بوسہ
دیا، پھر اُس کا دامن پکڑلیا۔ اس نے میرا احوال پوچھا، مَیں نے اُسی طرح
جس طور سے ملکہ نے تعلیم کردیا تھا ظاہر کیا۔
سنکر بولی کہ کیا مسلمان اپنی استریوں کو اوجھل میں رکھتے ہیں؟ مَیں
نے کہا ہاں تمہارے بچوں کی خیر ہو، یہ ہماری رسم قدیم ہے۔ بولی کہ تیرا اچھا
مذہب ہے۔ مَیں ابھی حکم کرتی ہوں کہ شاہ بندر بمعہ تیری جورو آن کر حاضر
ہوتا ہے، اور اس گیدی کو ایسی سیاست کروں کہ بار دیگر ایسی حرکت نہ
کرے، اور سب کے کان کھڑے ہوں اور ڈریں۔ اپنے لوگوں سے پوچھنے
لگی کہ شاہ بندر کون ہے؟ اُس کی یہ مجال ہوئی کہ بِگانی تریا کو بزور چھین لیتا
ہے؟ لوگوں نے کہا کہ فلانا شخص ہے۔ یہ سُن کر اُن دونوں لڑکوں کو (جو
پاس بیٹھے تھے) فرمایا کہ جلدی اس مانس کو ساتھ لیکر بادشاہ کے پاس
جاؤ، اور کہو کہ ماتا فرماتی ہے کہ حکم بڑے بت کا یہ ہے کہ شاہ بندر آدمیوں
پر زور زیادتی کرتا ہے، چنانچہ اس غریب کی عورت کو چھین لیا ہے۔ اُس
کی تقصیر بڑی ثابت ہوئی۔ جلد اس گمراہ کے مال کا تالیقہ کر کر اِس ترک

کے (کہ ہمارا منظور نظر ہے) حوالے کر، نہیں تو آج رات کو تو ستیاناس ہوگا، اور ہمارے غضب میں پڑیگا۔ وے دونوں طفل اُٹھ کر منڈل سے باہر آئے اور سوار ہوئے، سب پنڈے سنکھ بجاتے اور آرتی گاتے جلو میں ہو لیئے۔

غرض وہاں کے بڑے چھوٹے جہاں اُن لڑکوں کا پانو پڑتا تھا، وہاں کی مٹی تبرک جان کر اُٹھا لیتے، اور آنکھوں سے لگاتے۔ اُسی طرح پادشاہ کے قلعے تک گئے۔ بادشاہ کو خبر ہوئی، ننگے پانوں استقبال کی خاطر نکل آیا، اور اُن کو بڑی مان مہت سے لیجاکر اپنے پاس تخت پر بٹھایا اور پوچھا آج کیوں کر تشریف فرمانا ہوا؟ اُن دونوں برہمن بچوں نے ما کی طرف سے جو کچھ سُن آئے تھے کہا، اور بڑے بت کی خفگی سے ڈرایا۔

پادشاہ نے سنتے ہی فرمایا بہت خوب، اور اپنے نوکروں کو حکم کیا کہ محصل جاویں اور شاہِ بندر کو معہ اس عورت کے جلد حضور میں حاضر کریں تو میں تقصیر اُس کی تجویز کر کے سزا دوں۔ یہ سنکر مَیں اپنے دل میں گھبرایا کہ یہ بات تو اچھی نہ ہوئی۔ اگر شاہ بندر کے ساتھ ملکہ کو بھی لاویں تو پردہ فاش ہوگا اور میرا کیا احوال ہوگا؟ دل میں نہایت خوفزدہ ہو کر خدا کی طرف رجوع کی، لیکن میرے منہ پر ہوائیاں اڑنے لگیں، اور بدن کانپنے لگا۔ لڑکوں نے یہ میرا رنگ دیکھ شاید دریافت کیا کہ یہ حکم اس کی مرضی کے موافق نہ ہوا۔

دونھیں خفا و برہم ہو کر اُٹھے، اور پادشاہ کو جھڑک کر بولے اے مردک! تو دیوانہ ہوا ہے جو فرماں برداری سے بڑے بت کی نکلا۔ اور ہمارے بچن کو جھوٹھ سمجھا، جو دونوں کو بلوا کر تحقیق کیا چاہتا ہے؟ اب خبردار تو غضب میں بڑے بُت کے پڑا، ہم نے تجھے حکم پہنچا دیا، اب تو جان اور بڑا بت جانے۔

اِس کہنے سے پادشاہ کی عجب حالت ہوئی کہ ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا اور سر سے پانوں تلک رعشہ ہو گیا۔ منت کر کے منانے لگا، یے دونوں ہرگز نہ بیٹھے لیکن کھڑے رہے۔ اس میں جتنے امیر اُمرا وہاں حاضر تھے ایک منہ ہو کر بد گوئی شاہ بندر کی کرنے لگے، کہ وہ ایسا ہی حرامزادہ بدکار اور پاپی ہے، ایسی ایسی حرکتیں کرتا ہے کہ حضور میں پادشاہ کے کیا کیا عرض کریں؛ جو کچھ برہمنوں کی ماتا نے کہلا بھیجا ہے درست ہے، اس واسطے کہ حکم بڑے بت کا ہے، یہ دروغ کیوں کر ہو گا؟ پادشاہ نے جب سب کی زبانی ایک ہی بات سُنی، اپنے کہنے سے بہت خجل اور نادم ہوا۔ جلد ایک خلعت پاکیزہ مجھے دی، اور حکمنامہ اپنے ہاتھ سے لکھ اُس پر دستی مہر کر کر میرے حوالے کیا، اور ایک رقعہ مادرِ برہمناں کو لکھا اور جواہر اشرفیوں کے خوان لڑکوں کے روبرو پیشکش رکھکر رخصت کیا۔ میں خوشی بہ خوشی بُت خانے میں آیا اور اُس بڑھیا کے پاس گیا۔

بادشاہ کا خط جو آیا تھا، اُس کا یہ مضمون تھا: القاب کے بعد بندگی عجز و نیاز لکھ کر لکھا تھا، کہ موافق حکم حضور کے اِس مرد مسلمان کو خدمت شاہ بندر کی مقرر ہوئی، اور خلعت دی گئی۔ اب یہ اُس کے قتل کرنے کا مختار ہے۔ اور سارا مال و اموال اس کا اس ترک کا ہوا، جو چاہے سو کرے۔ امیدوار ہوں کہ میری تقصیر معاف ہو۔ برہمنوں کی ماں نے خوش ہو کر فرمایا کہ نوبت خانے میں بت خانے کی نوبت بجے۔ اور پانچ سو سپاہی برقنداز جو بال باندھی کوڑی ماریں مسلح میرے ہمراہ کر دئیے، اور حکم کیا کہ بندر میں جا کر شاہ بندر کو دستگیر کر کے اس مسلمان کے حوالے کریں۔ جس طرح کے عذاب سے اس کا جی چاہے اُسے مارے۔ اور خبردار سوائے اس عزیز کے کوئی محل سرا میں داخل نہ ہووے، اور اُس کے مال و خزانے کو امانت اُس کی سپرد کریں۔ جب یہ بہ خوشی رخصت کرے رسید اور صافی نامہ اُس سے لیکر پھر آویں، اور ایک سری پاؤ بت بزرگ کی سرکار سے میرے تئیں دیکر سوار کروا کر وداع کیا۔

جب میں بندر میں پہنچا ایک آدمی نے بڑھکر شاہ بندر کو خبر کی، وہ حیران سا بیٹھا تھا کہ میں جا پہنچا۔ غصہ تو دل میں بھر ہی رہا تھا۔ دیکھتے ہی شاہ بندر کو تلوار کھینچ کر ایسی گردن میں لگائی کہ اس کا سر الگ بھٹا سا اڑ گیا۔ اور وہاں کے گماشتے خزانچی مشرف داروغوں کو پکڑوا کر سب دفتر

ضبط کئے، اور مَیں محل میں داخل ہوا۔ ملکہ سے ملاقات کی، آپس میں گلے لگ کر روئے اور شکر خدا کا کیا۔ مَیں نے اُس کے اُس نے میرے آنسو پونچھے۔ پھر باہر مسند پر بیٹھ کر اہل کاروں کو خلعتیں دیں۔ اور اپنی اپنی خدمتوں پہ سب کو بحال کیا۔ نوکر اور غلاموں کو سرفرازی دی۔ وہ لوگ جو منڈپ سے میرے ساتھ متعین ہوئے تھے، ہر ایک کو انعام وبخشش دیکر اور اُن کے جمعدار رسالہ دار کو جوڑے پہنا کر رخصت کیا، اور جواہر بیش قیمت اور تھان نور بافی اور شال بافی اور زردوزی اور جنس و تحفے ہر ایک ملک کے اور نقد بہت سا پادشاہ کی نذر کی خاطر اور موافق ہر ایک امراؤں کے درجہ بدرجہ اور پنڈیاین کے لئے اور سب پنڈوں کے تقسیم کرنے کی خاطر اپنے ساتھ لیکر بعد ایک ہفتے کے میں تبکدے میں آیا، اور اُس ماتا کے آگے بہ طریق بھینٹ کے رکھا۔

اُس نے ایک اور خلعت سرفرازی کی مجھے بخشی اور خطاب دیا۔ پھر بادشاہ کے دربار میں جاکر پیشکش گذرانی اور جو جو ظلم و فساد شاہ بندر نے ایجاد کیا تھا اُس کے موقوف کرنے کی خاطر عرض کی۔ اس سبب سے بادشاہ اور امیر سوداگر سب مجھ سے راضی ہوئے۔ بہت نوازش مجھ پر فرمائی اور خلعت اور گھوڑا دیکر منصب جاگیر عنایت کی، اور آبرو حرمت بخشی۔ جب پادشاہ کے حضور سے باہر آیا، شاگرد پیشوں کو اور اہل

کاروں کو اتنا کچھ دیکر راضی کیا کہ سب میرا کلمہ پڑھنے لگے۔ غرض میں
بہت مرفہ الحال ہوگیا اور نہایت چین و آرام سے اس ملک میں
ملکہ سے عقد باندھ کر رہنے لگا، اور خدا کی بندگی کرنے لگا۔ میرے انصاف
کے باعث رعیت پرجا سب خوش تھے۔ مہینے میں ایک بار بت خانے
میں اور بادشاہ کے حضور آتا جاتا، بادشاہ روز بروز زیادہ سرفرازی فرماتا۔

آخر مصاحبت میں مجھے داخل کیا، میری بے صلاح کوئی کام نہ
کرتا، نہایت بے فکری سے زندگی گذرنے لگی، مگر خدا ہی جانتا ہے اکثر
اندیشہ اِن دونوں بھائیوں کا دل میں آتا کہ وے کہاں ہونگے اور کس
طرح ہونگے۔ بعد مدت دو برس کے ایک قافلہ سوداگروں کا ملک زیرباد
سے اُس بندر میں آیا، وے سب قصد عجم کا رکھتے تھے، اُنھوں نے یہ
چاہا کہ دریا کی راہ سے اپنے ملک کو جاویں۔ وہاں کا یہ قاعدہ تھا کہ جو
کاروان آتا اس کا سردار سوغات و تحفہ ہر ایک ملک کا میرے پاس
لاتا اور نذر گذرانتا، دوسرے روز میں اُس کے مکان پر جاتا دہ یکی
بطریق محصول کے اُس کے مال سے لیتا اور پروانگی کوچ کی دیتا۔ اسی
طرح وہ سوداگر زیرباد کے بھی میری ملاقات کو آئے اور بے بہا پیشکش
لائے، دوسرے دن مَیں اُن کے خیمے میں گیا۔ دیکھا تو دو آدمی پھٹے
پُرانے کپڑے پہنے گٹھری بقچے سرپر اُٹھا کر میرے روبرو لاتے ہیں۔

بعد ملاحظہ کرنے کے پھر اُٹھائے جاتے ہیں، اور بڑی محنت اور خدمت کر رہے ہیں۔

مَیں نے خوب نجھا کر جو دیکھا تو یہی میرے دونوں بھائی ہیں۔ اُس وقت غیرت اور حمیت نے نہ چاہا کہ ان کو اس طرح خدمتگاری میں دیکھوں۔ جب اپنے گھر کو چلا آدمیوں کو کہا کہ ان دونو شخصوں کو لیئے آؤ۔ اُن کو لائے، پھر لباس اور پوشاک بنوادی اور اپنے پاس رکھا۔ اُن بد ذاتوں نے پھر میرے مارنے کا منصوبہ کر کر ایک روز آدھی رات میں سب کو غافل پاکر چوٹوں کی طرح میرے سرہانے آپہنچے۔ مَیں نے اپنی جان کے ڈر سے چوکیداروں کو دروازے پر رکھا تھا اور یہ کتّا وفادار میری چارپائی کی پٹّی تلے سوتا تھا۔ جوں انھوں نے تلواریں میان سے کھینچیں پہلے کتّے نے بھونک کر اُن پر حملہ کیا، اُس کی آواز سے سب جاگ پڑے، مَیں بھی ہل بلا کر چونکا۔ آدمیوں نے اُن کو پکڑا، معلوم ہوا کہ آپ ہی ہیں۔ سب لعنتیاں دینے لگے، کہ باوجود اس خاطرداری کے یہ کیا حرکت اُن سے ظہور میں آئی؟

بادشاہ سلامت! تب تو میں بھی ڈرا، مثل مشہور ہے، ایک خطا دو خطا تیسری خطا مادر بخطا۔ دل میں یہی صلاح ٹھہری کہ اب ان کو مقید کروں، لیکن اگر بندی خانے میں رکھوں تو اِن کا کون خبر گیراں رہیگا؟

بھوکھ پیاس سے مرجائیں گے، یا کوئی اور سوانگ لائیں گے۔ اس واسطے قفس میں رکھا ہے کہ ہمیشہ میری نظروں کے تلے رہیں تو میری خاطر جمع رہے، مبادا آنکھوں سے اوجھل ہو کر کچھ اور مکر کریں۔ اور اُس کتّے کی عزت اور حرمت اُس کی نمک حلالی اور وفاداری کا سبب ہے سُبحان اللہ! آدمی بیوفا بدتر حیوا ان باوفا سے ہے۔ میری یہ سرگذشت تھی جو حضور میں عرض کی، اب خواہ قتل فرمایئے یا جان بخشی کیجئے حکم پادشاہ کا ہے۔

میں نے سُنکر اُس جوان باایمان پر آفریں کی، اور کہا تیری مروت میں کچھ خلل نہیں، اور ان کی بے حیائی اور حرامزادگی میں ہرگز قصور نہیں، سچ ہے کتّے کی دُم کو بارہ برس گاڑو تو بھی ٹیڑھی کی ٹیڑھی رہے۔ اُس کے بعد مَیں نے حقیقت اُن بارھوں لعل کی (کہ اُس کتے کے پٹے میں تھے) پوچھی۔ خواجہ بولا کہ پادشاہ کی صد و بیست سال کی عمر ہو، اُسی بندر میں جہاں میں حاکم تھا، بعد تین چار سال کے ایک روز بالا خانے پر محل کے (کہ بلند تھا) واسطے سیر اور تماشے دریا اور صحرا کے مَیں بیٹھا تھا، اور ہر طرف دیکھتا تھا۔ ناگاہ ایک طرف جنگل میں کہ وہاں شاہ راہ نہ تھی دو آدمی کی تصویر سی نظر آئی کہ چلے جاتے ہیں۔ دُوربین لیکر دیکھا تو عجب ہیئت کے انسان دکھائی دیئے۔ چوبداروں کو اُن کے بلانے کے واسطے

دوڑایا۔

جب وے آئے معلوم ہوا کہ ایک عورت اور ایک مرد ہے۔ رنڈی کو محل سرا میں ملکہ کے پاس بھیج دیا، اور مرد کو روبرو بلایا۔ دیکھا تو ایک جوان برس بیس بائیس کا داڑھی موچھ آغاز ہے، لیکن دھوپ کی گرمی سے اُس کے چہرے کا رنگ کالے توے کا سا ہو رہا ہے، اور سر کے بال اور ہاتھوں کے ناخن بڑھ کر بن مانس کی صورت بن رہا ہے، اور ایک لڑکا برس تین چار یک کا کاندھے پر، اور دو آستینیں کرتے کے بھری ہوئیں ہیکل کی طرح گلے میں ڈالے، عجب صورت اور عجب وضع اس کی دیکھی۔ میں نے نہایت حیران ہو کر پوچھا اے عزیز! تو کون ہے اور کس ملک کا باشندہ ہے اور یہ کیا تیری حالت ہے؟ وہ جوان بے اختیار رونے لگا اور وہ ہمیانی کھول کر میرے آگے زمین پر رکھی اور بولا۔ الجوع الجوع! واسطے خدا کے کچھ کھانے کو دو۔ مدت سے گھاس اور بناس پتیاں کھاتا چلا آتا ہوں، ایک ذرا قوت مجھ میں باقی نہیں رہی۔ وونھیں نان وکباب اور شراب میں نے منگوا دی، وہ کھانے لگا۔

اتنے میں خواجہ سرا محل سے کئی تھیلیاں اور اُس کے قبیلے کے پاس سے لے آیا۔ میں نے اُن سب کو کھلوایا، ہر ایک قسم کے جواہر دیکھے کہ ایک ایک دانہ اُن کا خراج سلطنت کا کہا چاہیئے۔ ایک سے ایک انمول

ڈول میں اور تول میں اور آبداری میں، اور اُن کی چھوٹ پڑنے سے سارا مکان بوقلموں ہوگیا۔ جب اُس نے ٹکڑا کھایا اور ایک جام دارو کا پیا اور دم لیا، حواس بجا ہوئے، تب میں نے پوچھا یہ پتھر تجھے کہاں ہاتھ لگے؟ جواب دیا کہ میرا وطن ولایت آذربائیجان ہے، لڑکپن میں گھر بار ماں باپ سے جدا ہوکر بہت سختیاں کھینچیں، اور ایک مدّت تلک میں زندہ درگور تھا، اور کئی بار ملک الموت کے پنجے سے بچا ہوں۔ مَیں نے کہا اے مردِ آدمی مفصل کہہ تو معلوم ہو۔ تب وہ اپنا احوال بیان کرنے لگا، کہ میرا باپ سوداگر پیشہ تھا، ہمیشہ سفر ہندوستان و روم و چین و خطا و فرنگ کا کرتا۔ جب میں دس برس کا ہوا باپ ہندوستان کو چلا، مجھے اپنے ساتھ لے جانے کو چاہا۔ ہر چند والدہ نے اور خالا ممانی پھوپھی نے کہا کہ ابھی یہ لڑکا ہے لائق سفرِ کے نہیں ہوا، والد نے نہ مانا اور کہا، کہ مَیں بوڑھا ہوا اگر یہ میرے روبرو تربیّت نہ ہوگا، تو یہ حسرت گور میں لیجاؤنگا، مرد بچّہ ہے اب نہ سیکھے گا تو کب سیکھے گا۔

یہ کہکر مجھے خواہ مخواہ ساتھ لیا اور روانہ ہوا، خیر و عافیت سے راہ کٹی، جب ہندوستان میں پہنچے کچھ جنس وہاں بیچی، اور وہاں کے سوغات لیکر زیرباد کے ملک کو گئے۔ یہ بھی سفر بہ خوبی ہوا۔ وہاں سے بھی خرید و فروخت کرکے جہاز پر سوار ہوئے کہ جلدی وطن میں پہنچیں۔ بعد ایک مہینے کے ایک

روز آندھی اور طوفان آیا اور مینہ موسلا دھار برسنے لگا، سارا زمین و آسمان دھواں دھار ہوگیا اور پتوار جہاز کی ٹوٹ گئی۔ معلّم ناخدا سر پیٹنے لگے، دس دن تلک ہوا اور موج جیدھر چاہتی تھی لئے جاتی تھی، گیارھویں روز ایک پہاڑ سے ٹکر کھا کے جہاز پُرزے پُرزے ہوگیا، نہ معلوم ہوا کہ باپ اور نوکر چاکر اور اسباب کہاں گیا۔

مَیں نے اپنے تئیں ایک تختے پر دیکھا، سہ شبانہ روز وہ بڑا بے اختیار چلا گیا۔ چوتھے دن کنارے پر جا لگا، مجھ میں فقط جان باقی تھی۔ اُس پر سے اُتر کر گھٹنیوں چلکر بارے کسو نہ کسو طرح زمین پر پہنچا۔ دُور سے کھیت نظر آئے اور بہت سے آدمی وہاں جمع تھے، لیکن سب سیاہ فام اور ننگے مادرزاد، مجھ سے کچھ بولے لیکن مَیں نے اُن کی زبان مطلق نہ سمجھی۔ وہ کھیت چنوں کا تھا، وہ آدمی آگ کا الاؤ جلا کر بوٹوں کے ہولے کرتے تھے اور کھاتے تھے، اور کئی دن ایک گھر بھی وہاں نظر آئے۔ شاید اُن کی خوراک یہی تھی اور وہیں بستے تھے، مجھے بھی اشارت کرنے لگے کہ تو بھی کھا۔ میں نے بھی ایک مٹھی اکھاڑ کر بھُونے اور پھانکنے لگا، تھوڑا سا پانی پی کر ایک گوشے میں سو رہا۔

بعد دیر کے جب جاگا اُن میں سے ایک شخص میرے نزدیک آیا اور راہ دکھانے لگا۔ مَیں نے تھوڑے سے چنے اُکھیڑ لیئے اور اُس راہ پر چلا۔

ایک کفِ دست میدان تھا گویا صحرائے قیامت کا نمونہ کہا چاہیئے، یہی بونٹ کھاتا ہوا چلا جاتا تھا۔ بعد چار دن کے ایک قلعہ نظر آیا۔ جب پاس گیا تو ایک کوٹ دیکھا بہت بلند تمام پتھر کا اور ہر ایک لنگ اُس کی دو دو کوس کی، اور دروازہ ایک سنگ کا تراشا ہوا ایک قفل بڑا سا جڑا تھا، لیکن وہاں انسان کا نشان نظر نہ پڑا۔ وہاں سے آگے چلا ایک ٹیلا دیکھا کہ اس کی خاک سُرمے کے رنگ سیاہ تھی، جب اُس تل کے پار ہوا تو ایک شہر نظر پڑا بہت بڑا، گرد شہر پناہ اور جا بہ جا برج، ایک طرف شہر کے دریا تھا بڑے پاٹ کا۔ جاتے جاتے دروازے پر گیا اور بسم اللہ کہکر قدم اندر رکھا۔ ایک شخص کو دیکھا پوشاک اہل فرنگ کی پہنے ہوئے کُرسی پر بیٹھا ہے۔ جوں اُن نے مجھے اجنبی مسافر دیکھا، اور میرے منہ سے بسم اللہ سُنی پُکارا کہ آگے آؤ۔ میں نے جاکر سلام کیا، نہایت مہربانی سے سلام کا جواب دیا، ترت میز پر پانو روٹی اور مسکہ اور مرغ کا کباب اور شراب رکھکر کہا پیٹ بھر کر کھاؤ۔ میں نے تھوڑا سا کھایا اور پیا اور بے خبر ہو کر سویا۔ جب رات ہو گئی تب آنکھ کُھلی ہاتھ منہ دھویا، پھر مجھے کھانا کھلایا اور کہا کہ اے بیٹا! اپنا احوال کہہ۔ جو کچھ مجھ پر گذرا تھا سب کہہ سنایا، تب بولا کہ یہاں تو کیوں آیا؟ مَیں نے دق ہو کر کہا شاید تو دیوانہ ہے، مَیں نے بعد مدت کی محنت کے اب بستی کی صورت دیکھی ہے

خدا نے یہاں تلک پہنچایا، اور تو کہتا ہے کیوں آیا۔ کہنے لگا اب تو آرام کر، کل جو کہنا ہوگا کہونگا۔

جب صبح ہوئی بولا کوٹھری میں پھاوڑا اور چھلنی اور توبڑہ ہے باہر لے آ، مَیں نے دل میں کہا کہ خدا جانے روٹی کھلا کر کیا محنت مجھ سے کروائیگا۔ لاچار وہ سب نکال کر اُس کے روبرو لایا۔ تب اُس نے فرمایا کہ اُس ٹیلے پر جا، اور ایک گز کے موافق گڑھا کھود وہاں سے جو کچھ نکلے اِس چھلنی میں چھان، جو نہ چھن سکے اُس توبڑے میں بھر کر میرے پاس لا۔ مَیں وہ سب چیزیں لیکر وہاں گیا اور اُتنا ہی کھود کر چھان چھون کر توبڑے میں ڈالا، دیکھا تو سب جواہر رنگ برنگ کے تھے، ان کی جوت سے آنکھیں چوندھیا گئیں۔ اُسی طرح تھیلی کو موںھاں منہ بھر کر اُس عزیز کے پاس لے گیا۔ دیکھکر بولا کہ جو اس میں بھرا ہے تو لے اور یہاں سے جا کہ تیرا رہنا اس شہر میں خوب نہیں۔ مَیں نے جواب دیا کہ صاحب نے اپنی جانب میں بڑی مہربانگی کی کہ اتنا کچھ کنکر پتھر دیا، لیکن میرے کس کام کا؟ جب بھوکھا ہونگا تو نہ ان کو چبا سکونگا، نہ پیٹ بھرے گا، پس اگر اور بھی دو تو میرے کس کام آئیں گے؟ وہ مرد ہنسا اور کہنے لگا کہ مجھکو تجھ پر افسوس آتا ہے کہ تو بھی ہماری مانند ملک عجم کا متوطن ہے، اس لئے میں منع کرتا ہوں نہیں تو جان، اگر خواہ نخواہ تیرا یہی قصد ہے کہ شہر میں جاؤں، تو میری انگوٹھی لیتا جا۔ جب بازار کے

چوک میں جاوے تو ایک شخص سفید ریش وہاں بیٹھا ہوگا۔ اور اُس کی صورت شکل مجھ سے بہت مشابہ ہے میرا بڑا بھائی ہے۔ اُس کو یہ چھاپ دیجو تو وہ تیری خبرگیری کریگا، اور جو کچھ وہ کہے اُسی موافق کام کیجو، نہیں تو مفت مارا جائیگا اور میرا حکم یہیں تلک ہے، شہر میں میرا دخل نہیں، تب مَیں نے وہ خاتم اس سے لی، اور سلام کر کر رخصت ہوا۔ شہر میں گیا بہت خاصہ شہر دیکھا، کوچہ و بازار صاف اور زن و مرد بے حجاب آپس میں خرید و فروخت کرتے، سب خوش لباس۔ مَیں سیر کرتا اور تماشا دیکھتا جب چوک کے چوراہے میں پہنچا، ایسا اژدحام تھا کہ تھالی پھینکیئے تو آدمیوں کے سر ول چلی جائے۔ خلقت کا یہ ٹھٹھ بندر رہا تھا کہ آدمی کو راہ چلنا مشکل تھا جب کچھ بھیڑ چھٹی مَیں بھی دھکّم دھکّا کرتا ہوا آگے گیا۔ بارے اس عزیز کو دیکھا کہ ایک چوکی پر بیٹھا ہے، اور ایک جڑاؤ چمّاق رو برو دھرا ہے۔ مَیں نے جا کر سلام کیا اور وہ مہر دی، نظر غضب سے میری طرف دیکھا اور بولا۔ کیوں تو یہاں آیا، اور اپنے تئیں بلا میں ڈالا؟ مگر میرے بیوقوف بھائی نے تجھے منع نہ کیا تھا؟

میں نے کہا، انھوں نے تو کہا لیکن مَیں نے نہ مانا، اور تمام کیفیت اپنی ابتدا سے انتہا تک کہہ سنائی۔ وہ شخص اُٹھا اور مجھے ساتھ لیکر اپنے گھر کی طرف چلا۔ اُس کا مکان پادشاہوں کا سا دیکھنے میں آیا، اور بہت سے

نوکر چاکر اُس کے تھے۔ جب خلوت میں جاکر بیٹھا بہ ملایمت بولا، کہ اے فرزند! یہ کیا تو نے حماقت کی کہ اپنے پانوں سے گور میں آیا؟ کوئی بھی اس کم بخت طلسماتی شہر میں آتا ہے؟ میں نے کہا میں اپنا احوال بیشتر کہہ چکا ہوں، اب تو قسمت لے آئی، لیکن شفقت فرما کر یہاں کے راہ ورسم سے مطلع کیجیئے تو معلوم کروں کہ اس واسطے تم نے وتمہارے بھائی نے مجھے منع کیا۔ تب وہ جوانمرد بولا کہ پادشاہ اور تمام رئیس اس شہر کے راندے ہوئے ہیں، عجب طرح کا اُن کا رویّا اور مذہب ہے۔ یہاں بت خانے میں ایک بت ہے کہ شیطان اُس کے پیٹ میں سے نام اور ذات اور دین ہر کسو کا بیان کرتا ہے، پس جو کوئی غریب مسافر آتا ہے پادشاہ کو خبر ہوتی ہے، اُسے مندر میں لیجاتا ہے، اور بت کو سجدہ کرواتا ہے۔ اگر ڈنڈوت کی تو بہتر، نہیں تو بچارے کو دریا میں ڈبوا دیتا ہے۔ اگر وہ چاہے کہ دریا سے نکل کر بھاگے، تو آلت اور خصیئے اُس کے لمبے ہو جاتے ہیں ایسے کہ زمین میں گھسٹتے، ایسا طلسم اس شہر میں بنایا ہے۔ مجھ کو تیری جوانی پر رحم آتا ہے، مگر تیری خاطر ایک تدبیر کرتا ہوں، کہ بھلا کوئی دن تو تو جیتا رہے، اور اس عذاب سے بچے۔

مَیں نے پوچھا وہ کیا صورت تجویز کی ہے؟ ارشاد ہو۔ کہنے لگا تجھے کتخدا کروں اور وزیر کی لڑکی تیری خاطر بیاہ لاؤں۔ میں نے جواب دیا، کہ وزیر اپنی

بیٹی مجھ سے مفلس کو کب دیگا؟ مگر جب اُن کا دین قبول کروں؟ سو یہ
مجھ سے نہ ہو سکے گا۔ کہنے لگا اِس شہر کی یہ رسم ہے کہ جو کوئی اُس بت کو
سجدہ کرے، اگر فقیر ہو اور پادشاہ کی بیٹی کو مانگے، تو اُس کی خوشی کی خاطر
حوالے کریں اور اُسے رنجیدہ نہ کریں۔ اور میرا بھی بادشاہ کے نزدیک اعتبار
ہے اور عزیز رکھتا ہے، لہٰذا سب ارکان اور اکابر یہاں کے میری قدر
کرتے ہیں۔ اور درمیان ایک ہفتے میں دو دن بتکدے میں زیارت کو
جاتے ہیں، اور عبادت بجالاتے ہیں، چنانچہ کل سب جمع ہووینگے مَیں
تجھے لیجاؤنگا۔ یہ کہکر کھلا پلا کر سُلا رکھا، جب صبح ہوئی مجھے ساتھ لیکر بتخانے
کی طرف چلا، وہاں جاکر جو دیکھا تو آدمی آتے جاتے ہیں اور پرستش کرتے ہیں
بادشاہ اور امیر بُت کے سامھنے پنڈتوں کے پاس سر ننگے کئے
ادب سے دوزانو بیٹھے تھے، اور ناکتخدا لڑکیاں اور لڑکے خوبصورت جیسے
حور و غلمان چاروں طرف صف باندھے کھڑے تھے۔ تب وہ عزیز مجھ سے
مخاطب ہوا، کہ اب مَیں جو کہوں سو کر۔ مَیں نے قبول کیا، کہ جو فرماؤ سو
بجالاؤں۔ بولا کہ پہلے بادشاہ کے ہاتھ پانوں کو بوسہ دے، بعد اُس کے وزیر
کا دامن پکڑ۔ میں نے ویسا ہی کیا۔ بادشاہ نے پوچھا، کہ یہ کون ہے اور کیا
کہتا ہے؟ اُس مرد نے کہا یہ جوان میرے رشتے میں ہے، بادشاہ کی قدم
بوسی کی آرزو میں دُور سے آیا ہے، اس توقع پر کہ وزیر اُس کو اپنی غلامی

میں سربلند کرے، اگر حکم بت کلاں کا اور مرضی حضور کی ہووے۔ بادشاہ نے پوچھا کہ ہمارا مذہب اور دین وآئین قبول کرے گا، تو مبارک ہے۔ وونہیں بت خانے کا نقارخانہ بجنے لگا، اور بھاری خلعت مجھے پہنائی، اور ایک رسّی سیاہ میرے گلے میں ڈال کر کھینچے ہوئے بُت کی سنگھاسن کے آگے لیجاکر سجدہ کرواکر کھڑا کیا۔

بت سے آواز نکلی کہ اے خواجہ زادے! خوب ہوا کہ تو ہماری بندگی میں آیا، اب ہماری رحمت اور عنایت کا امیدوار رہ۔ یہ سنکر سب خلقت نے سجدہ کیا اور زمین میں لوٹنے لگے اور پکارے، دَھن ہے کیوں نہ ہو تم ایسے ہی ٹھاکر ہو۔ جب شام ہوئی بادشاہ اور وزیر سوار ہوکر وزیر کے محل میں داخل ہوئے، اور وزیر کی بیٹی کو اپنے طور کی ریت رسم کرکے میرے حوالے کیا، اور بہت سا دان دہیز دیا اور بہت منت وار ہوئے کہ بموجب حکم بڑے بت کے اُسے تمہاری خدمت میں دیا ہے۔ ایک مکان میں ہم دونوں کو رکھا، اس نازنین کو جو میں نے دیکھا تو فی الواقع اُس کا عالم پری کا سا تھا نکھ سکھ سے درست۔ جو جو خوبیاں پدمنی کی سُنی جاتی ہیں سو سب اُس میں موجود تھیں، بفراغت تمام میں نے صحبت کی اور حظ اُٹھایا۔ صبح کو غسل کرکے بادشاہ کے مجرے میں حاضر ہوا بادشاہ نے خلعت دامادی کی عنایت کی، اور حکم فرمایا کہ ہمیشہ دربار میں

حاضر رہا کرے۔ آخر کو بعد چند روز کے پادشاہ کی مصاحبت میں داخل ہوا۔

پادشاہ میری صحبت سے نہایت محظوظ ہوتے، اور اکثر خلعت اور انعام عنایت کرتے۔ اگرچہ دنیا کے مال سے میں غنی تھا اس واسطے کہ میرے قبیلے کے پاس اتنا نقد و جنس اور جواہر تھا کہ جس کی حد و نہایت نہ تھی۔ دو سال تک بہت عیش و آرام سے گذری۔ اتفاقاً وزیرزادی کو پیٹ رہا، جب ستواں سا ہوا اور انگنا مہینا گذر کر پورے دن ہوئے بیریاں لگیں، دائی جنائی آئی، تو مُوا لڑکا پیٹ میں سے نکلا، اُس کا بِس جِیا کو چڑھا، وہ بھی مر گئی۔ مَیں مارے غم کے دیوانہ ہو گیا کہ یہ کیا آفت ٹوٹی! اُس کے سرہانے بیٹھا روتا تھا، ایکبار گی رونے کی آواز سارے محل میں بلند ہوئی اور چاروں طرف سے عورتیں آنے لگیں۔ جو آتی تھی ایک دو ہتّڑ میرے سر پر مارتی اور اپنی کُس اور کُون کو ننگا کر کے میرے منہ کے مقابل کھڑی رہتی، اور رونا شروع کرتی۔ اتنی رنڈیاں اکٹھی ہوئیں کہ مَیں اُن کے چوتڑوں میں چھپ گیا، نزدیک تھا کہ جان نکل جاوے۔

اتنے میں کسو نے پیچھے سے گریبان میرا کھینچ کر گھسیٹا، دیکھوں تو وہی مرد عجمی ہے جس نے مجھے بیاہا تھا۔ کہنے لگا کہ احمق تو کس لئے روتا ہے؟ مَیں نے کہا اے ظالم یہ تو نے کیا بات کہی؟ میری بادشاہت لٹ گئی، آرام خانہ داری کا گیا گذرا، تو کہتا ہے کیوں غم کرتا ہے! وہ عزیز تبسّم

کرکے بولا، کہ اب اپنی موت کی خاطر رو۔ مَیں نے پہلے ہی تجھے کہا تھا کہ شاید اس شہر میں تیری اجل لے آئی ہے، سو ہی ہوا، اب سوائے مرنے کے تیری رہائی نہیں۔ آخر لوگ مجھے پکڑ کر بت خانے میں لیگئے دیکھا تو پادشاہ اور امرا اور چھتیس فرقہ رعیت پرجا وہاں جمع ہیں اور وزیر زادی کا مال اموال سب دھرا ہے، جو چیز جس کا جی چاہتا ہے لیتا ہے، اور اُس کی قیمت کے روپے دھر دیتا ہے۔

غرض سب اسباب کے نقد رُپے ہوئے۔ اُن رُپیوں کا جواہر خریدا گیا، اور ایک صندوقچے میں بند کیا اور ایک دوسرے صندوق میں نان وحلوا اور گوشت کے کباب اور میوہ خشک وتر اور کھانے کی چیزیں لیکر بھریں، اور لاش اُس بی بی کی ایک صندوق میں رکھ کر صندوق آذوقے کا ایک اونٹ پر لدوا دیا، اور مجھے سوار کیا اور صندوقچہ جواہر کا میری بغل میں دیا اور سارے باہمن آگے آگے بھجن کرتے سنکھ بجاتے چلے، اور پیچھے ایک خلقت مبارکبادی کہتی ہوئی ساتھ ہولی۔ اس طور سے اسی دروازے سے کہ مَیں پہلے روز آیا تھا شہر کے باہر نکلا۔ جونہیں داروغہ کی نگاہ مجھ پر پڑی رونے لگا اور بولا کہ اے کم بخت اجل گرفتہ! میری بات نہ سنی، اور اُس شہر میں جاکر مفت اپنی جان دی، میری تقصیر نہیں، مَیں نے منع کیا تھا۔ اُن نے یہ بات کہی، لیکن مَیں تو ہکا بکا ہو رہا تھا، نہ زبان یاری

دیتی تھی کہ جواب دوں، نہ اوسان بجا تھے کہ دیکھئے انجام میرا کیا ہوتا ہے۔
آخر اُسی قلعے کے پاس جس کا مَیں نے پہلے روز دروازہ بند دیکھا تھا لے گئے اور بہت سے آدمیوں نے ملکر قفل کو کھولا اور تابوت اور صندوق کو اندر لے چلے۔ ایک پنڈت میرے نزدیک آیا اور سمجھانے لگا۔ کہ مانُس ایک دن جنم پاتا ہے، اور ایک روز ناس ہوتا ہے۔ دنیا کا یہی آواگون ہے اب یہ تیری استری اور پوت اور دَھن اور چالیس دن کا اسباب بھوجن کا موجود ہے، اس کو لے اور یہاں رہ جب تلک بڑا بت تجھ پر مہربان ہووے۔ مَیں نے غصے میں چاہا کہ اُس بت پر اور وہاں کے رہنے والوں پر اور اس ریت رسم پر لعنت کہوں، اور اس باہمن کو دھول چپکڑ کروں۔ وہی مردِ عجمی اپنی زبان میں مانع ہوا، کہ خبردار ہرگز دم مت مار، اگر کچھ بھی بولا تو اسی وقت تجھے جلادیں گے۔ خیر جو تیری قسمت میں تھا سو ہوا، اب خدا کے کرم سے امیدوار رہ، شاید اللہ تجھے یہاں سے جیتا نکالے۔
آخر سب مجھے تنِ تنہا چھوڑ کر اُس حصار سے باہر نکلے، اور دروازہ پھر مقفّل کردیا۔ اُس وقت مَیں اپنی تنہائی اور بے بسی پر بے اختیار رویا، اور اُس عورت کی لوتھ پر لاتیں مارنے لگا، کہ اے مردار اگر تجھے جنتے ہی مر جانا تھا بیاہ کاہیکو کیا تھا، اور پیٹ سے کیوں ہوئی تھی؟ مار مور کر پھر چپکا بیٹھا۔ اس میں دن چڑھا اور دھوپ گرم ہوئی سر کا بھیجا پکنے لگا، اور تعفن

کے مارے روح نکلنے لگی۔ جیدھر دیکھتا ہوں مُردوں کی ہڈیاں اور صندوق جواہر کے ڈھیر لگے ہیں۔ تب کئی صندوق پُرانے لیکر نیچے اوپر رکھے کہ دن کو دھوپ سے اور رات کو اوس سے بچاؤ ہو۔ آپ پانی کی تلاش کرنے لگا، ایک طرف جھرنا سا دیکھا کہ قلعے کی دیوار میں پتھر کا تراشا ہوا گھڑے کے منہ کے موافق ہے۔ بارے کئی دن اُس پانی اور کھانے سے زندگی ہوئی۔

آخر آذوقہ تمام ہوا، میں گھبرایا اور خدا کی جناب میں فریاد کی۔ وہ ایسا کریم ہے کہ دروازہ کوٹ کا کھلا، اور ایک مردے کو لائے۔ اُس کے ساتھ ایک پیر مرد آیا۔ جب اُسے بھی چھوڑ کر گئے، یہ دل میں آیا کہ اس بوڑھے کو مار کر اس کے کھانے کا صندوق سب کا سب لے لے۔ ایک صندوق کا پایا ہاتھ میں لیکر اُس کے پاس گیا، وہ بچارا سر زانو پر دھرے حیران بیٹھا تھا، مَیں نے پیچھے سے آکر اس کے سر میں ایسا مارا کہ سر پھٹ کر مغز کا گودا نکل پڑا، اور فی الفور جاں بحق تسلیم ہوا۔ اُس کا آذوقہ لیکر مَیں کھانے لگا۔ مدت تلک یہی میرا کام تھا کہ جو زندہ مُردے کے ساتھ آتا، اُسے میں مار ڈالتا اور کھانے کا اسباب لیکر بہ فراغت کھاتا۔

بعد کتنی مدت کے ایک مرتبہ ایک لڑکی تابوت کے ہمراہ آئی نہایت قبول صورت، میرے دل نے نہ چاہا کہ اُسے بھی ماروں۔ اُن نے مجھے دیکھا اور مارے ڈر کے بیہوش ہوگئی۔ مَیں اُس کا بھی آذوقہ اُٹھا کر اپنے پاس لے آیا،

لیکن اکیلا نہ کھاتا، جب بھوکھ لگتی کھانا اُس کے نزدیک لے جاتا اور ساتھ ملکر کھاتا۔ جب اُس عورت نے دیکھا کہ مجھے یہ شخص نہیں ستاتا، دل بدن اُس کی وحشت کم ہوئی۔ اور رام ہوتی چلی، میرے مکان میں آنے جانے لگی۔ ایک روز اُس کا احوال پوچھا کہ تو کون ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ مَیں پادشاہ کے وکیل مطلق کی بیٹی ہوں، اپنے چچا کے بیٹے سے منسوب ہوئی تھی، شبِ عروسی کے دن اُسے قولنج ہوا ایسا درد سے تڑپھنے لگا کہ ایک آن کی آن میں مر گیا مجھے اُس کے تابوت کے ساتھ لاکر یہاں چھوڑ گئے ہیں۔ تب اُس نے میرا احوال پوچھا میں نے بھی تمام و کمال بیان کیا اور کہا، خدا نے تجھے میری خاطر یہاں بھیجا ہے، وہ مسکرا کر چپکی ہو رہی۔

اُسی طرح کئی دن میں آپس میں محبّت زیادہ ہوگئی۔ مَیں نے اُسے ارکانِ مسلمانی کے سکھا کر کلمہ پڑھایا، اور مُتعہ کر کر صحبت کی، وہ بھی حاملہ ہوئی ایک بیٹا پیدا ہوا۔ قریب تین برس کے اِسی صورت سے گذری، جب لڑکے کا دودھ بڑھایا ایک روز بی بی سے کہا کہ یہاں کب تلک رہیں گے، اور کس طرح یہاں سے نکلیں گے؟ وہ بولی خدا نکالے تو نکلیں، نہیں تو ایک روز یونہیں مر جائیں گے۔ مجھے اُس کے کہنے پر اور اپنے رہنے پر کمال رقت آئی، روتے روتے سو گیا، ایک شخص کو خواب میں دیکھا کہ کہتا ہے پرنالے کی راہ سے نکلنا ہے، تو نکل۔ میں مارے خوشی کے چونک پڑا اور جورو کو کہا، کہ لوہے کی میخیں اور

سیجیں جو پرانے صندوقوں میں ہیں جمع کر کے لے آؤ، تو اُس کو کشادہ
کروں۔ غرض مَیں اُس موری کے مُنہ پر میخ رکھ کر پتھروں سے ایسا ٹھونکتا
کہ تھک جاتا۔ ایک برس کی محنت میں وہ سوراخ اتنا بڑا ہوا کہ آدمی نکل سکے

بعد اس کے مُردوں کی آستینوں میں اچھے اچھے جواہر چُنکر بھرے
اور ساتھ لیکر اُسی راہ سے ہم تینوں باہر نکلے۔ خدا کا شکر کیا اور بیٹے کو کاندھے
پر بٹھالیا، ایک مہینا ہوا ہے کہ سرِ راہ چھوڑ کر مارے ڈر کے جنگل پہاڑوں
کی راہ سے چلا آتا ہوں۔ جب گرسنگی ہوتی ہے گھاس پات کھاتا ہوں،
قوت بات کہنے کی مجھ میں نہیں۔ یہ میری حقیقت ہے جو تم نے سنی۔
بادشاہ سلامت! مَیں نے اُس کی حالت پر ترس کھایا اور حمام کروا کر اچھا
لباس پہنوایا اور اپنا نائب بنایا، اور میرے گھر میں ملکہ سے کئی لڑکے
پیدا ہوئے، لیکن خورد سالی میں مر مر گئے۔ ایک بیٹا پانچ برس کا ہو کر
موا، اُس کے غم میں ملکہ نے بھی وفات پائی۔ مجھے کمال غم ہوا اور وہ
ملک بغیر اُس کے کاٹنے لگا۔ دل اُداس ہو گیا، ارادہ عجم کا کیا۔
بادشاہ سے عرض کر کر خدمت شاہ بندری کی اُس جوان کو دلوادی،
اس عرصے میں بادشاہ بھی مر گیا۔ مَیں اُس وفادار کتّے کو اور سب مال
خزانہ جواہر ساتھ لیکر نیشاپور میں آر ہا۔ اس واسطے کہ میرے بھائیوں
کے احوال سے واقف نہ ہووے۔ مَیں خواجہ سگ پرست مشہور ہوا۔

اور اس بدنامی میں دُگنا محصول آج تک پادشاہِ ایران کی سرکار میں بھرتا ہوں۔

اتفاقاً یہ سوداگر بچہ وہاں گیا، اُس کے وسیلے سے جہاں پناہ کا قدم بوس کیا۔ مَیں نے پوچھا کیا یہ تمہارا فرزند نہیں؟ خواجہ نے جواب دیا قبلۂ عالم! یہ میرا بیٹا نہیں آپ ہی کی رعیت ہے، لیکن اب میرا مالک اور وارث جو کچھ کہئے سو یہی ہے۔ یہ سنکر سوداگر بچے سے مَیں نے پوچھا کہ تو کس تاجر کا لڑکا ہے، اور تیرے ماں باپ کہاں رہتے ہیں؟ اُس لڑکے نے زمین چومی اور جان کی اماں مانگی اور بولا، کہ یہ لونڈی سرکار کے وزیر کی بیٹی ہے، میرا باپ حضور کے عتاب میں بہ سبب اسی خواجہ کے لعلوں کے پڑا، اور حکم یوں ہوا کہ اگر ایک سال تک اُس کی بات کرسی نشین نہ ہوگی تو جان سے مارا جاویگا۔ میں نے سُنکر یہ بھیس بنایا اور اپنے تئیں نیشاپور پہنچایا۔ خدا نے خواجہ کو بہ معہ کتے اور لعلوں کے حضور میں حاضر کر دیا۔ آپ نے تمام احوال سُن لیا، امیدوار ہوں کہ میرے بوڑھے باپ کی مخلصی ہو۔

یہ بیان وزیر زادی سے سنکر خواجہ نے ایک آہ کی، اور بے اختیار گر پڑا۔ جب گلاب اُس پر چھڑکا گیا تب ہوش میں آیا، اور بولا کہ ہائے کم بختی! اتنی دُور سے یہ رنج و محنت کھینچ کر میں اس توقع پر آیا تھا کہ اِس

سوداگر بچے کو متبنیٰ کر کر اپنا فرزند کرونگا، اور اپنے مال و متاع کا اس کو ہبہ نامہ لکھدونگا، تو میرا نام رہیگا اور سارا عالم اسے خواجہ زادہ کہے گا۔ سو میرا خیال خام ہوا اور بالعکس کام ہوا۔ اِن نے عورت ہو کر مجھ مرد پیر کو خراب کیا، مَیں رنڈی کے چرتر میں پڑا۔ اب میری وہ کہاوت ہوئی گھر میں رہی نہ تیرتھ گئے، مونڈ منڈا فضیحت بھئے۔

القصہ مجھے اُس کی بے قراری اور نالہ وزاری پر رحم آیا۔ خواجہ کو نزدیک بُلایا اور کان میں مژدہ اسکے وصل کا سنایا کہ غمگین مت ہو، اُسی سے تیری شادی کر دیں گے، خدا چاہے تو اولاد تیری ہوگی، اور یہی تیری مالک ہوگی۔ اِس خوش خبری کے سننے سے فی الجملہ اُس کو تسلّی ہوئی، تب مَیں نے کہا کہ وزیر زادی کو محل میں لے جاؤ، اور وزیر کو پنڈت خانے سے لے آؤ، اور حمام میں نہلاؤ، اور خلعت سرفرازی کی پہناؤ، اور جلدی میرے پاس لاؤ۔ جس وقت وزیر آیا، لب فرش تک اُس کا استقبال فرمایا۔ اور اپنا بزرگ جان کر گلے لگایا اور نئے سر سے قلمدان وزارت کا عنایت فرمایا اور خواجہ کو بھی جاگیر و منصب دیا، اور ساعت سعید دیکھ کر وزیر زادی سے نکاح پڑھوا کر منسوب کیا۔

کئی سال میں دو بیٹے اور ایک بیٹی اُس کے گھر میں پیدا ہوئی۔ چنانچہ بڑا بیٹا ملک التجار ہے۔ اور چھوٹا ہماری سرکار کا مختار ہے۔ اے

درویشو! میں نے اس لیئے یہ نقل تمہارے سامھنے کی، کہ کل کی رات دو فقیروں کی سرگذشت میں نے سنی تھی، اب تم دونوں بھی جو باقی رہے ہو یہ سمجھو، کہ ہم اسی مکان میں بیٹھے ہیں اور مجھے اپنا خادم اور اس گھر کو اپنا تکیہ جانو بے وسواس اپنی اپنی سیر کا احوال کہو، اور چندے میرے پاس رہو۔ جب فقیروں نے پادشاہ کی طرف سے بہت خاطرداری دیکھی کہنے لگے، خیر جب تم نے گداؤں سے الفت کی، تو ہم دونوں بھی اپنا ماجرا بیان کرتے ہیں سنیئے۔

سَیر تیسرے درویش کی

تیسرا درویش کوٹ باندھ بیٹھا، اور اپنے سیر کا بیان اس طرح سے کرنے لگا۔

احوال اِس فقیر کا اے دوستاں سنو
یعنی جو مجھ پر بیتی ہے وہ داستاں سنو
جو کچھ کہ شاہِ عشق نے مجھ سے کیا سلوک
تفصیل وار کرتا ہوں اُس کا بیاں سنو

کہ یہ کمترین پادشاہ زادہ عجم کا ہے۔ میرے ولی نعمت وہاں کے پادشاہ تھے، اور سوائے میرے کوئی فرزند نہ رکھتے تھے۔ مَیں جوانی کے عالم میں مصاحبوں کے ساتھ چوپڑ گنجیفہ شطرنج تختہ نرد کھیلا کرتا، یا سوار ہوکر سیر و شکار میں مشغول رہتا۔ ایک دن کا یہ ماجرا ہے، کہ سواری تیار کروا کر اور سب یار آشناؤں کو لیکر میدان کی طرف نکلا۔ باز بہری جرّہ باشا سرخاب اور تیتروں پر اڑاتا ہوا دُور نکل گیا۔ عجب طرح کا ایک قطعہ بہار کا نظر آیا، کہ جیدھر نگاہ جاتی تھی کوسوں تلک سبز اور پھولوں سے لعل زمین نظر آتی تھی۔ یہ سماں دیکھکر گھوڑوں کی باگیں ڈال دیاں، اور قدم

قدم سیر کرتے ہوئے چلے جاتے تھے۔ ناگاہ اُس صحرا میں دیکھا کہ ایک کالا ہرن اُس پر زربفت کی جھول اور بھنور کلی مرصّع کی اور گھونگرو سونے کے زردوزی پٹے میں ٹکے ہوئے گلے میں پڑے خاطر جمع سے اُس میدان میں (کہ جہاں انسان کا دخل نہیں۔ اور پرندہ پر نہیں مارتا،) چرتا پھرتا ہے ہمارے گھوڑوں کے سم کی آہٹ پا کر چونکّا ہوا اور سر اٹھا کر دیکھا اور آہستہ آہستہ چلا۔

مجھے اُس کے دیکھنے سے یہ شوق ہوا کہ رفیقوں سے کہا کہ تم یہیں کھڑے رہو، میں اُسے جیتا پکڑونگا۔ خبردار تم قدم آگے نہ بڑھائیو، اور میرے پیچھے نہ آئیو، اور گھوڑا میری رانوں تلے ایسا پرند تھا کہ بارہا ہرنوں کے اوپر دوڑا کر اُن کی کرچھالوں کو بُھلا کر ہاتھوں سے پکڑ پکڑ لیئے تھے۔ اس کے عقب دوڑایا، وہ دیکھ کر چھلانگیں بھرنے لگا اور ہَوا ہوا۔ گھوڑا بھی باد سے باتیں کرتا تھا، لیکن اُس کی گرد کو نہ پہنچا۔ وہ رہوار بھی پسینے پسینے ہوگیا۔ اور میری بھی جیبھ مارے پیاس کے چٹخنے لگی پر کچھ بس نہ چلا۔ شام ہونے لگی، اور میں کیا جانوں کہاں سے کہاں نکل آیا؟ لاچار ہو کر اُسے بُھلاوا دیا اور تَرکش میں سے تیر نکال کر اور قربان سے کمان سنبھال کر چلّے میں جوڑ کر کشش کان تلک لا کر ران کو اُس کی تاک، اللہ اکبر کہکر مارا۔ بارے پہلا ہی تیر اس کے پانوں میں ترازو ہوا، تب لنگڑاتا ہوا پہاڑ کے

دامن کی سمت چلا۔ فقیر بھی گھوڑے پر سے اُتر پڑا، اور پا پیادہ اُس کے پیچھے لگا۔ اُس نے کوہ کا ارادہ کیا اور مَیں نے بھی اُس کا ساتھ دیا۔ کئی اُتار چڑھاؤ کے بعد ایک گنبد نظر آیا، جب پاس پہنچا ایک باغچہ اور ایک چشمہ دیکھا۔ وہ ہرن تو نظروں سے چھلاوا ہو گیا، مَیں نہایت تھکا تھا، ہاتھ پانوں دھونے لگا۔

ایک بارگی آواز رونے کی اُس بُرج کے اندر سے میرے کان میں آئی، جیسے کوئی کہتا ہے، کہ اے بچّے! جس نے تجھے تیر مارا میری آہ کا تیر اُس کے کلیجے میں لگیو، وہ اپنی جوانی سے پھل نہ پاوے، اور خدا اُس کو میرا سا دُکھیا بناوے! مَیں یہ سُنکر وہاں گیا، دیکھا تو ایک بزرگ ریش سفید اچھی پوشاک پہنے ایک مسند پر بیٹھا ہے، اور ہرن آگے لیٹا ہے، اُس کی جانگھ سے تیر کھینچتا ہے، اور بد دعا دیتا ہے۔ مَیں نے سلام کیا اور ہاتھ جوڑ کر کہا، کہ حضرت سلامت، یہ تقصیر نادانستہ اس غلام سے ہوئی، مَیں یہ نہ جانتا تھا، خدا کے واسطے معاف کرو۔ بولا کہ بے زبان کو تو نے ستایا ہے۔ اگر ان جان یہ حرکت تجھ سے ہوئی، اللہ معاف کرے گا۔ میں پاس جا بیٹھا اور تیر نکالنے میں شریک ہوا، بڑی دقت سے تیر کو نکالا، اور زخم میں مرہم بھر کر چھوڑ دیا، پھر ہاتھ دھو کر اُس پیر مرد نے کچھ حاضری جو اُس وقت موجود تھی مجھے کھلائی۔ میں نے کھا پی کر ایک چارپائی پر لمبی تانی۔

ماندگی کے سبب خوب پیٹ بھر کر سویا، اُس نیند میں آواز نوحہ و زاری کی کان میں آئی، آنکھیں ملکر جو دیکھتا ہوں تو اُس مکان میں نہ وہ بوڑھا ہے نہ کوئی اور ہے۔ اکیلا مَیں پلنگ پر لیٹا ہوں اور وہ دالان خالی پڑا ہے۔ چاروں طرف بھیانک ہو کر دیکھنے لگا، ایک کونے میں پردہ پڑا نظر آیا۔ وہاں جا کر اُسے اُٹھایا، دیکھا تو ایک تخت بچھا ہے اور اُس پر ایک پریزاد عورت برس چودہ ایک کی مہتاب کی سی صورت اور زُلفیں دونوں طرف چھوٹی ہوئیں ہنستا چہرہ فرنگی لباس پہنے ہوئے عجب ادا سے دیکھتی ہے اور بیٹھی ہے۔ اور وہ بزرگ اپنا سر اُس کے پانوں پر دھرے بے اختیار رو رہا ہے، اور ہوش حواس کھو رہا ہے۔ مَیں اُس پیر مرد کا یہ احوال اور اُس نازنین کا حُسن و جمال دیکھکر مُرجھا گیا، اور مُردے کی طرح بیجان ہو کر گر پڑا۔ وہ مرد بزرگ یہ میرا حال دیکھ کر شیشہ گلاب کا لے آیا اور مجھ پر چھڑکنے لگا۔ جب میں جیتا اُٹھ کر اُس معشوق کے مقابل جا کر سلام کیا، اُس نے ہرگز نہ ہاتھ اُٹھایا اور نہ ہونٹھ ہلایا۔ مَیں نے کہا اے گلبدن اتنا غرور کرنا اور جواب سلام کا نہ دینا کس مذہب میں درست ہے؟

کم بولنا ادا ہے ہر چند، پر نہ اتنا
مند جائے چشمِ عاشق، تو بھی وہ منہ نہ کھولے

واسطے اُس خدا کے جس نے تجھے بنایا ہے کچھ تو منہ سے بول۔

ہم بھی اتفاقاً یہاں آنکلے ہیں، مہمان کی خاطر ضرور ہے۔ مَیں نے بہتیری باتیں بنائیں لیکن کچھ کام نہ آئیں، وہ چپکی بت کی طرح بیٹھی سنا کی، تب میں نے بھی آگے بڑھکر ہاتھ پانوں پر چلایا۔ جب پانوں کو چھیڑا تو سخت معلوم ہوا۔ آخر یہ دریافت کیا کہ پتھر سے اس لعل کو تراشا ہے، اور آذر نے اِس بت کو بنایا ہے۔ تب اُس پیر مرد بت پرست سے پوچھا، کہ میں نے تیرے ہرن کی ٹانگ میں کھپرا مارا، تو نے اس عشق کی ناوک سے میرا کلیجہ چھید کر وار پار کیا، تیری دعا قبول ہوئی، اب اس کی کیفیت مفصل بیان کر کہ یہ طلسم کیوں بنایا ہے، اور تو نے بستی کو چھوڑ کر جنگل پہاڑ کیوں بسایا ہے؟ تجھ پر جو کچھ بیتا ہے مجھ سے کہہ۔

جب اُس کا بہت پیچھا لیا تب اُس نے جواب دیا، کہ اس بات نے مجھے تو خراب کیا، کیا تو بھی سنکر ہلاک ہوا چاہتا ہے؟ مَیں نے کہا، لو اب بہت مکر چکر کیا، مطلب کی بات کہو۔ نہیں تو مار ڈالوں گا۔ مجھے نہایت درپے دیکھکر بولا، اے جوان! حق تعالیٰ ہر ایک انسان کو عشق کی آنچ سے محفوظ رکھے، دیکھ تو اس عشق نے کیا کیا آفتیں برپا کی ہیں! عشق ہی کے مارے عورت خاوند کے ساتھ ستی ہوتی ہے، اور اپنی جان کھوتی ہے، اور فرہاد و مجنوں کا قصّہ سب کو معلوم ہے، تو اُس کے سننے سے کیا پھل پاویگا؟ ناحق گھر بار دولت دنیا چھوڑ چھاڑ کر نکل جاویگا؟ مَیں نے

جواب دیا، بس اب اپنی دوستی تہ کر رکھو، اس وقت مجھے اپنا دشمن سمجھو، اگر جان عزیز ہے تو صاف کہو۔ لاچار ہوکر آنسو بھر لایا اور کہنے لگا، کہ مجھ خانہ خراب کی یہ حقیقت ہے، کہ بندے کا نام نعمان سیاح ہے، میں بڑا سوداگر تھا۔ اس سن میں تجارت کے سبب ہفت اقلیم کی سَیر کی، اور سب پادشاہوں کی خدمت میں رسائی ہوئی۔

ایک بار یہ خیال جی میں آیا، کہ چاروں دانگ مُلک تو پھرا لیکن جزیرۂ فرنگ کی طرف نہ گیا، اور وہاں کے پادشاہ کو اور رعیت و سپاہ کو نہ دیکھا اور رسم و راہ وہاں کی کچھ نہ دریافت ہوئی۔ ایک دفعہ وہاں بھی چلا چاہیئے رفیقوں اور شفیقوں سے صلاح لیکر ارادہ مصمم کیا، اور تحفہ ہدایا جہاں تہاں کا جو وہاں کے لائق تھا لیا، اور ایک قافلہ سوداگروں کا اکٹھا کر کر جہاز پر سوار ہوکر روانہ ہوا۔ ہوا جو موافق پائی کئی مہینوں میں اس ملک میں جا داخل ہوا، شہر میں ڈیرا کیا۔ عجب شہر دیکھا کہ کوئی شہر اُس شہر کی خوبی کو نہیں پہنچتا ہر ایک بازار و کوچے میں پختہ سڑکیں بنی ہوئیں، اور چھڑکاؤ کیا ہوا، صفائی ایسی کہ ایک تنکا کہیں پڑا نظر نہ آیا کوڑے کا تو کیا ذکر ہے؛ اور عمارتیں رنگ بہ رنگ کی اور رات کو رستوں میں دو رستہ قدم بہ قدم روشنی، اور شہر کے باہر باغات کہ جن میں عجائب گل بوٹے اور میوے نظر آئے، کہ شاید سوائے بہشت کے کہیں اور نہ ہونگے۔ جو وہاں کی تعریف کروں سو بجا ہے۔

غرض سوداگروں کے آنے کا چرچا ہوا، ایک خواجہ سرا معتبر سوار ہوکر اور کئی خدمتگار ساتھ لیکر قافلے میں آیا اور بیوپاریوں سے پوچھا کہ تمہارا سردار کون سا ہے؟ سبھوں نے میری طرف اشارت کی، وہ محلّی میرے مکان میں آیا، میں تعظیم بجالایا، باہم سلام علیک ہوئی، اُس کو سوزنی پر بٹھایا، تکیئے کی تواضع کی۔ بعد اس کے مَیں نے پوچھا کہ صاحب کے تشریف لانے کا کیا باعث ہے؟ فرمائیے۔ جواب دیا کہ شہزادی نے سنا ہے کہ سوداگر آئے ہیں، اور بہت جنس لائے ہیں، لہٰذا مجھ کو حکم کیا کہ جاکر اُن کو حضور میں لے آؤ۔ پس تم جو کچھ اسباب لائق بادشاہوں کی سرکار کے ہو ساتھ لیکر چلو، اور سعادت آستانہ بوسی کی حاصل کرو۔

مَیں نے جواب دیا کہ آج تو ماندگی کے باعث قاصر ہوں، کل جان و مال سے حاضر ہوں، جو کچھ اس عاجز کے پاس موجود ہے نذر گذرانونگا۔ جو پسند آوے مال سرکار کا ہے۔ یہ وعدہ کرکر اور عطر و پان دیکر خواجہ کو رخصت کیا اور سب سوداگروں کو اپنے پاس بلاکر جو جو تحفہ جس کے پاس تھا لے لیکر جمع کیا، اور جو میرے گھر میں تھا وہ بھی لیا، اور صبح کے وقت دروازے پر بادشاہی محل کے حاضر ہوا۔ بارے دروان نے میری خبر عرض کی، حکم ہوا کہ حضور میں لاؤ، وہی خواجہ سرا نکلا اور میرا ہاتھ ہاتھ میں لیکر دوستی کی راہ سے باتیں کرتا ہوا لے چلا۔ پہلے خواص پرے سے ہوکر ایک مکان

عالی شان میں لے گیا۔ اے عزیز تو باور نہ کرے گا یہ عالم نظر آیا گویا پر کاٹ کر پریوں کو چھوڑ دیا ہے۔ جس طرف دیکھتا تھا نگاہ گڑ جاتی تھی، پانوں زمین سے اکھڑے جاتے تھے۔ بہ زور اپنے تئیں سنبھالتا ہوا روبرو پہنچا۔ جونھیں پادشاہزادی پہ نظر پڑی غش کی نوبت ہوئی، اور ہاتھ پانوں میں رعشہ ہوگیا۔

بہر صورت سلام کیا۔ دونوں طرف دست راست اور دست چپ صف بہ صف نازنینانِ پری چہرہ دست بستہ کھڑی تھیں۔ میں جو کچھ قسم جواہر اور پارچۂ پوشاکی اور تحفہ اپنے ساتھ لے گیا تھا، جب کئی کشتیاں حضور میں چُنی گئیں (از بسکہ سب جنس لایق پسند کے تھی) خوش ہو کر خانساماں کے حوالے ہوئے اور فرمایا، کہ قیمت اس کی بہ موجب فرد کے کل دی جائیگی۔ میں تسلیمات بجالایا اور دل میں خوش ہوا کہ اس بہانے سے بھلا کل بھی آنا ہوگا۔ جب رخصت ہو کر باہر آیا تو سودائی کی طرح کہتا کچھ تھا اور منہ سے کچھ نکلتا تھا۔ اسی طرح سرا میں آیا لیکن حواس بجا نہ تھے سب آشنا دوست پوچھنے لگے کہ تمہاری کیا حالت ہے؟ میں نے کہا اتنی آمد و رفت سے گرمی دماغ میں چڑھ گئی ہے۔

غرض وہ رات تلپھتے کاٹی، فجر کو پھر جا کر حاضر ہوا اور اُسی خواجہ کے ساتھ پھر محل میں پہنچا۔ وہی عالم جو کل دیکھا تھا دیکھا، پادشاہزادی نے

مجھے دیکھا اور ہر ایک کو اپنے اپنے کام پر رخصت کیا۔ جب پرچھا ہوا خلوت میں اُٹھ گئیں، اور مجھے طلب کیا۔ جب میں وہاں گیا بیٹھنے کا حکم کیا، مَیں آداب بجالا کر بیٹھا، فرمایا کہ یہاں جو تو آیا اور یہ اسباب لایا اُس میں منافع کتنا منظور ہے؛ مَیں نے عرض کی کہ آپ کے قدم دیکھنے کی بڑی خواہش تھی، سو خدا نے بہتر کی، اب مَیں نے سب کچھ بھر پایا، اور دونوں جہان کی سعادت حاصل ہوئی، اور قیمت جو کچھ فہرست میں ہے نصف کی خرید ہے، اور نصف نفع ہے۔ فرمایا نہیں، جو قیمت تو نے لکھی ہے وہ عنایت ہوگی، بلکہ اور بھی انعام دیا جائے گا، بشرطیکہ ایک کام تجھ سے ہو سکے تو حکم کروں۔

مَیں نے کہا کہ غلام کا جان و مال اگر سرکار کے کام آوے تو میں اپنے طالعوں کی خوبی سمجھوں، اور آنکھوں سے کروں۔ یہ سنکر قلمدان یاد فرمایا ایک شقہ لکھا اور موتیوں کی ڈلمیان میں رکھ کر ایک رومال شبنم کا اوپر لپیٹ کر میرے حوالے کیا، اور ایک انگوٹھی نشان کے واسطے اُنگلی سے اُتار دی اور کہا، کہ اس طرف کو ایک بڑا باغ ہے، دلکشا اُس کا نام ہے، وہاں تو جا کر ایک شخص کیخسرو نام داروغہ ہے۔ اُس کے ہاتھ میں یہ انگشتری دیجو، اور ہماری طرف سے دعا کہیو اور اس رقعہ کا جواب مانگیو لیکن جلد آئیو، اگر کھانا وہاں کھائیو تو پانی یہاں پیجو۔ اس کام کا انعام تجھے ایسا دونگی کہ تو دیکھے گا۔ مَیں رخصت ہوا اور پُوچھتا پُوچھتا چلا۔ قریب دو کوس کے

جب گیا وہ باغ نظر پڑا۔ جب پاس پہنچا ایک عزیز مسلح مجھ کو پکڑ کے دروازے میں باغ کے لے گیا۔ دیکھوں تو ایک جوان شیر کی سی صورت سونے کی کرسی پر زرہ داؤدی پہنے چار آئینہ باندھے فولادی خود سر پہ دھرے نہایت شان وشوکت سے بیٹھا ہے، اور پان سے جوان تیار ڈھال تلوار ہاتھ میں لیئے اور ترکش کمان باندھے مستعد پرا باندھے کھڑے ہیں۔

میں نے سلام، مجھے نزدیک بُلایا۔ مَیں نے وہ خاتم دی اور خوشامد کی باتیں کر کر وہ رومال دکھایا، اور شقے کے بھی لانے کا احوال کہا۔ اُس نے سنتے ہی انگلی دانتوں سے کاٹی، اور سر دُھن کر بولا کہ شاید تیری اجل تجھ کو لے آئی ہے، خیر باغ کے اندر جا۔ سرو کے درخت میں ایک آہنی پنجرہ لٹکتا ہے، اُس میں ایک جوان قید ہے، اُس کو یہ خط دیکر جواب لیکر جلدی پھر آ۔ میں شتاب باغ میں گھسا، باغ کیا تھا، گویا جیتے جی بہشت میں گیا ایک ایک چمن رنگ برنگ کا پھول رہا تھا، اور فوّارے چھوٹ رہے تھے جانور چہچہے مار رہے تھے۔ مَیں سیدھا چلا گیا اور اُس درخت میں وہ قفس دیکھا۔ اُس میں ایک جوان حسین نظر آیا۔ مَیں نے ادب سے سر نہوڑ آیا اور سلام کیا، اور وہ خریطہ سر بمہر پنجرے کی تیلیوں کی راہ سے دیا۔ وہ عزیز رقعہ کھول کر پڑھنے لگا اور مجھ سے مشتاق وار احوال ملکہ کا پوچھنے لگا۔ ابھی باتیں تمام نہ ہوئیں تھیں کہ ایک فوج زنگیوں کی نمود ہوئی

اور چاروں طرف سے مجھ پر آ ٹوٹی، اور بے تحاشا برچھی و تلوار مارنے لگی۔ ایک آدمی نہتھے کی بساط کیا؟ ایک دم میں چور زخمی کر دیا، مجھے کچھ اپنی سُدھ بدھ نہ رہی۔ پھر جو ہوش آیا اپنے تئیں چارپائی پر پایا کہ دو پیادے اُٹھائے لئے جاتے ہیں، اور آپس میں بتیاتے ہیں۔ ایک نے کہا اس مردے کی لوتھ کو میدان میں پھینک دو، کتّے کوّے کھائیں گے دوسرا بولا اگر بادشاہ تحقیق کرے اور یہ خبر پہنچے تو جیتا گڑوا دے اور بال بچوں کو کولھو میں پڑوا دے۔ کیا ہمیں اپنی جان بھاری پڑی ہے جو ایسی نامعقول حرکت کریں۔

مَیں نے یہ گفتگو سُن کر دونوں یاجوج ماجوج سے کہا کہ واسطے خدا کے مجھ پر رحم کرو، ابھی مجھ میں ایک رمق جان باقی ہے، جب مر جاؤنگا جو تمہارا جی چاہے گا سو کیجو۔ مردہ بدست زندہ، لیکن یہ تو کہو مجھ پر یہ کیا حقیقت بیتی، مجھے کیوں مارا، اور تم کون ہو؟ بھلا اتنا تو کہہ سناؤ۔ تب اُنھوں نے رحم کھا کر کہا کہ وہ جوان جو قفس میں بند ہے اِس بادشاہ کا بھتیجا ہے، اور پہلے اس کا باپ تخت نشین تھا۔ رحلت کے وقت یہ وصیت اپنے بھائی کو کی، کہ ابھی میرا بیٹا جو وارث اس سلطنت کا ہے لڑکا اور بے شعور ہے، کاربار بادشاہت کا خیر خواہی اور ہوشیاری سے تم کیا کیجو۔ جب یہ بالغ ہو اپنی بیٹی سے شادی اس کی کر دیجو، اور مختار تمام

مُلک اور خزانے کا کیجو۔

یہ کہکر اُنھوں نے وفات پائی، اور سلطنت کی نوبت چھوٹے بھائی پر آئی۔ اُس نے وصیت پر عمل نہ کیا، بلکہ دیوانہ اور سودائی مشہور کر کے پنجرے میں ڈال دیا، اور چوکی گاڑھی چاروں طرف باغ کے رکھی ہے کہ پرندہ پر نہیں مار سکتا، اور کئی مرتبے زہر ہلاہل دیا ہے، لیکن زندگی زبردست ہے اثر نہیں کیا۔ اب وہ شہزادی اور یہ شہزادہ دونوں عاشق معشوق بن رہے ہیں۔ وہ گھر میں تلپھے ہے، اور یہ قفس میں تڑپھے ہے، تیرے ہاتھ شوق کا نامہ اُس نے بھیجا، یہ خبر ہرکاروں نے مجلس بادشاہ کو پہنچائی، حبشیوں کا دستہ متعین ہوا، تیرا یہ احوال کیا اور اس جوان قیدی کے قتل کی وزیر سے تدبیر پوچھی۔ اُس نمک حرام نے ملکہ کو راضی کیا ہے کہ اُس بے گناہ کو بادشاہ کے حضور اپنے ہاتھ سے شہزادی مار ڈالے۔

مَیں نے کہا چلو مرتے مرتے یہ بھی تماشا دیکھ لیں۔ آخر راضی ہو کر وہ دونوں اور میں زخمی چھپکے ایک گوشے میں جا کر کھڑے ہوئے۔ دیکھا تو تخت پر بادشاہ بیٹھا ہے اور ملکہ کے ہاتھ میں ننگی تلوار ہے اور شہزادے کو پنجرے سے باہر نکال کر روبرو کھڑا کیا۔ ملکہ جلاد بنکر شمشیر برہنہ لئے ہوئے اپنے عاشق کو قتل کرنے کو آئی۔ جب نزدیک پہنچی تلوار پھینک دی اور گلے میں چمٹ گئی۔ تب وہ عاشق بولا کہ ایسے مرنے پر مَیں راضی ہوں۔

یہاں بھی تیری آرزو ہے وہاں بھی تیری تمنا رہے گی۔ ملکہ بولی کہ اس بہانے سے میں تیرے دیکھنے کو آئی تھی۔ پادشاہ یہ حرکت دیکھکر سخت برہم ہوا اور وزیر کو ڈانٹا کہ تو یہ تماشا مجھے دکھلانے کو لایا تھا؟ محلی ملکہ کو جدا کرکے محل میں لے گئے، اور وزیر نے خفا ہوکر تلوار اُٹھائی اور پادشاہزادے کے اوپر دوڑا کہ ایک ہی وار میں کام اُس بچارے کا تمام کیجے۔ جوں چاہتا ہے کہ تیغا چلاوے غیب سے ایک تیر ناگہانی اُس کی پیشانی پر بیٹھا کہ دوسار ہوگیا اور وہ گر پڑا۔

پادشاہ یہ واردات دیکھکر محل میں گھس گئے، جوان کو پھر قفس میں بند کرکر باغ میں لے گئے۔ میں بھی وہاں سے نکلا۔ راہ میں سے ایک آدمی مجھے بلاکر ملکہ کے حضور میں لے گیا۔ مجھے گھائل دیکھکر ایک جرّاح کو بُلوایا اور نہایت تقیّد سے فرمایا کہ اس جوان کو جلد چنگا کرکے غسل شفا کا دے۔ یہی تیرا مجرا ہے۔ اِس کے اوپر جتنی محنت تو کرے گا ویسا ہی انعام اور سرفرازی پاوے گا۔ غرض وہ جرّاح بموجب ارشاد ملکہ کے تگ ودَو کرکے ایک چلّے میں نہلا دُھلا مجھے حضور میں لے گیا۔ ملکہ نے پوچھا کہ اب تو کچھ کسر باقی نہیں رہی؟ میں نے کہا کہ آپ کی توجّہ سے اب ہٹا کٹا ہوں۔ تب ملکہ نے ایک خلعت اور بہت سے روپے جو فرمائے تھے بلکہ اُس سے بھی دوچند عطا کیے اور رخصت کیا۔

مَیں نے وہاں سے سب رفیق اور نوکر چاکروں کو لیکر کوچ کیا۔جب اِس مقام پر پہنچا سب کو کہا، تم اپنے وطن کو جاؤ، اور مَیں نے اس پہاڑ پر یہ مکان اور اس کی صورت بنا کر اپنا رہنا مقرر کیا، اور نوکروں اور غلاموں کو موافق ہر ایک کی قدر کے روپے دیکر آزاد کیا، اور یہ کہہ دیا کہ جب تلک میں جیتا رہوں میرے قوت کی خبر گیری تمہیں ضرور ہے۔ آگے مختار ہو۔اب وہی اپنی نمک حلالی سے میرے کھانے کی خبر لیتے ہیں اور میں بہ خاطر جمع اس بت کی پرستش کرتا ہوں، جب تلک جیتا ہوں میرا یہی کام ہے۔ یہ میری سرگذشت ہے جو تو نے سنی۔ یا فقرا ایں نے بہ مجرّد سننے اس قصے کے کفنی گلے میں ڈالی، اور فقیروں کا لباس کیا اور اشتیاق میں فرنگ کے ملک کے دیکھنے کے روانہ ہوا۔ کتنے ایک عرصے میں جنگل پہاڑوں کی سیر کرتا ہوا مجنوں اور فرہاد کی صورت بن گیا۔

آخر میرے شوق نے اس شہر تلک پہنچایا، گلی کوچے میں باؤلا سا پھرنے لگا، اکثر ملکہ کے محل کے آس پاس رہا کرتا، لیکن کوئی ڈھب ایسا نہ ہوتا جو وہاں تلک رسائی ہو۔ عجب حیرانی تھی کہ جس واسطے یہ محنت کشی کر کر گیا، وہ مطلب ہاتھ نہ آیا۔ایک دن بازار میں کھڑا تھا کہ ایک بارگی آدمی بھاگنے لگے، اور دوکاندار دوکانیں بند کر کے چلے گئے، یا وہ رونق تھی یا سُنسان ہوگیا۔ ایک طرف سے ایک جوان رستم کا سا کلّہ جبڑا

شیر کی، مانند گونجتا اور تلوار دو دستی جھاڑتا ہوا زرہ بکتر گلے میں اور ٹوپ جھلم کا سر پر اور طمنچے کی جوڑی کمر میں کیفی کی طرح بکتا جھکتا نظر آیا۔ اور اُس کے پیچھے دو غلام بنات کی پوشاک پہنے ایک تابوت مخمل کاشانی سے مڑھا ہوا سر پر لئے چلے آتے ہیں۔

مَیں نے یہ تماشا دیکھ کر ساتھ چلنے کا قصد کیا۔ جو کوئی آدمی میری نظر پڑتا مجھے منع کرتا، لیکن مَیں کب سنتا ہوں؟ رفتہ رفتہ وہ جوان مرد ایک عالی شان مکان میں چلا، مَیں بھی ساتھ ہوا، اُس نے پھرتے ہی چاہا کہ ایک ہاتھ مارے اور مجھے دو ٹکڑے کرے، میں نے اُسے قسم دی کہ مَیں بھی یہی چاہتا ہوں، مَیں نے اپنا خون معاف کیا، کسو طرح مجھے اِس زندگی کے عذاب سے چُھڑا دے کہ نہایت بہ تنگ آیا ہوں۔ مَیں جان بوجھکر تیرے سامھنے آیا ہوں، دیر مت کر۔ مجھے مرنے پر ثابت قدم دیکھکر خدا نے اُس کے دل میں رحم ڈالا، اور غصہ بھی ٹھنڈھا ہوا۔ بہت توجہ اور مہربانی سے پوچھا کہ تو کون ہے، اور کیوں اپنی زندگی سے بیزار ہوا ہے؟

مَیں نے کہا ذرا بیٹھیے تو کہوں، میرا قصہ بہت دور و دراز ہے، اور عشق کے پنجے میں گرفتار ہوں اس سبب سے لاچار ہوں۔ یہ سُنکر اُس نے اپنی کمر کھولی اور ہاتھ منہ دھو دھا کر کچھ ناشتا کیا، مجھے بھی باعث ہوا۔ جب فراغت کر کے بیٹھا بولا، کہہ تجھ پر کیا گذری؟ مَیں نے سب واردات

اُس پیر مرد کی اور ملکہ کی اور اپنے وہاں جانے کی کہہ سنائی۔ پہلے سُنکر
رویا اور یہ کہا کہ اس کم بخت نے کس کس کا گھر گھالا۔ لیکن بھلا تیرا
علاج میرے ہاتھ میں ہے۔ اغلب ہے کہ اس عاصی کے سبب سے تو
اپنی مراد کو پہنچے، اور تو اندیشہ نہ کر اور خاطر جمع رکھ۔ حجام کو فرمایا کہ اس کی
حجامت کر کے حمّام کروا دے۔ ایک جوڑا کپڑا اُس کے غلام نے لا کر پہنایا۔
تب مجھ سے کہنے لگا کہ یہ تابوت جو تو نے دیکھا اسی شہزادہ مرحوم کا ہے
جو قفس میں مقیّد تھا، اُس کو دوسرے وزیر نے آخر مکر سے مارا، اس کی تو
نجات ہوئی کہ مظلوم مارا گیا۔ مَیں اس کا کوکا ہوں، مَیں نے بھی اس وزیر
کو بہ ضرب شمشیر مارا، اور بادشاہ کے مارنے کا ارادہ کیا، بادشاہ گڑگڑایا اور
سوگند کھانے لگا کہ میں بے گناہ ہوں، مَیں نے اُسے نامرد جانکر چھوڑ دیا
تب سے میرا کام یہی ہے کہ ہر مہینے کی نوچندی جمعرات کو مَیں اس
تابوت کو اسی طرح شہر میں لیئے پھرتا ہوں اور اس کا ماتم کرتا ہوں۔

اُس کی زبانی یہ احوال سننے سے مجھے تسلی ہوئی کہ اگر یہ چاہیگا
تو میرا مقصد بر آویگا، خدا نے بڑا احسان کیا جو ایسے جنونی کو مجھ پر مہربان
کیا، سچ ہے خدا مہربان ہو تو کل مہربان۔ جب شام ہوئی اور آفتاب
غروب ہوا اُس جوان نے تابوت کو نکالا اور ایک غلام کے عوض وہ
تابوت میرے سر پر دھرا اور اپنے ساتھ لیکر چلا۔ فرمانے لگا کہ ملکہ کے نزدیک

جاتاہوں۔ تیری سفارش تا بہ مقدور کرونگا، توہرگز دم نہ ماریو، چپکا بیٹھا سنا کیجو۔ مَیں نے کہا جو کچھ صاحب فرماتے ہیں سوہی کرونگا، خدا تم کو سلامت رکھے جو میرے احوال پر ترس کھاتے ہو۔ اُس جوان نے قصد پادشاہی باغ کا کیا۔ جب اندر داخل ہوا ایک چبوترہ سنگ مرمر کا ہشت پہلو باغ کے صحن میں تھا، اوراس پر ایک نمگیرہ سفید بادلے کا موتیوں کی جھالر لگی ہوئی الماس کے اِستادوں پر کھڑا تھا۔ اور ایک مسند مُغرّق بچھی ہوئی تھی، گاؤتکیہ اور بغلی تکیئے زربفت کے لگے ہوئے، وہ تابوت وہاں رکھوایا اور ہم دونوں کو فرمایا کہ اس درخت کے پاس جاکر بیٹھو۔

بعد ایک ساعت کے مشعل کی روشنی نظر آئی، ملکہ آپ کئی خواصیں پس وپیش اہتمام کرتی ہوئیں تشریف لائیں۔ لیکن اداسی اور خفگی چہرے پر ظاہر تھی، آکر مسند پر بیٹھیں۔ یہ کوکا ادب سے دست بستہ کھڑا رہا، پھر ادب سے دُور فرش کے کنارے مؤدب بیٹھا۔ فاتحہ پڑھین اور کچھ باتیں کرنے لگا۔ مَیں کان لگائے سن رہا تھا۔ آخر اُس جوان نے کہا کہ ملکۂ جہاں سلامت! ملکِ عجم کا شہزادہ آپ کی خوبیاں اور محبوبیاں غائبانہ سنکر اپنی سلطنت کو برباد دے فقیر بن مانند ابراہیم ادہم کے تباہ ہو اور بڑی محنت کھینچ کریہاں تلک آپہنچا ہے۔ سائیں تیرے کارنے چھوڑا شہر بلخ، اوراس شہر میں بہت دنوں سے حیران پریشان پھرتا ہے۔ آخر وہ قصد مرنے کا کرکے میرے ساتھ

لگ چلا، مَیں نے تلوار سے ڈرایا اُس نے گردن آگے دھر دی، اور قسم دی کہ اَب مَیں یہی چاہتا ہوں دیر مت کر۔ غرض تمہارے عشق میں ثابت ہے، مَیں نے خوب آزمایا، سب طرح پورا پایا۔ اس سبب سے اس کا مذکور مَیں درمیان لایا، اگر حضور سے اُس کے احوال پر مسافر جانکر توجہ ہو، تو خدا ترسی اور حق شناسی سے دُور نہیں۔

یہ ذکر ملکہ نے سنکر فرمایا کہاں ہے؟ اگر شہزادہ ہے تو کیا مضائقہ؟ روبرو آوے۔ وہ کوکا وہاں سے اُٹھ کر آیا اور مجھے ساتھ لیکر گیا۔ مَیں ملکہ کے دیکھنے سے نہایت شاد ہوا، لیکن عقل و ہوش برباد ہوئے، عالم سکوت کا ہو گیا، یہ ہوا وُ نہ پڑا کہ کچھ کہوں۔ ایک دم میں ملکہ سدھاری اور کوکا اپنے مکان کو چلا۔ گھر آکر بولا کہ مَیں نے تیری سب حقیقت اول سے آخر تک ملکہ کو کہہ سُنائی، اور سفارش بھی کی، اب تو ہمیشہ رات کو بلا ناغہ جایا کر، اور عیش خوشی منایا کر۔ مَیں اُس کے قدم پر گر پڑا، اُس نے گلے لگا لیا۔ تمام دن گھڑیاں گنتا رہا، کہ کب سانجھ ہو جو مَیں جاؤں؟ جب رات ہوئی مَیں اُس جوان سے رخصت ہو کر چلا اور پائیں باغ میں ملکہ کے چبوترے پر تکیہ لگا کر جا بیٹھا۔

بعد ایک گھڑی کے ملکہ تنِ تنہا ایک خواص کو ساتھ لیکر آہستہ آہستہ آکر مسند پر بیٹھیں۔ خوش طالعی سے یہ دن میسّر ہوا۔ مَیں نے قدم بوس کیا،

اُنھوں نے میرا سر اُٹھالیا اور گلے سے لگالیا اور بولیں کہ اس فرصت کو غنیمت جان، اور میرا کہا مان، مجھے یہاں سے لے نکل، کسو اور مُلک کو چل۔ مَیں نے کہا چلیے۔ یہ کہکر ہم دونوں باغ کے باہر تو ہوئے، پر حیرت سے اور خوشی سے ہاتھ پانوں بھول گئے اور راہ بھول گئے اور ایک طرف کو چلے جاتے تھے، پر کچھ ٹھکانا نہیں پاتے تھے۔ ملکہ برہم ہوکر بولی کہ اب میں تھک گئی، تیرا مکان کہاں ہے؟ جلد چلکر پہنچ۔ نہیں تو کیا کیا چاہتا ہے؟ میرے پانوں میں پھپھولے پڑ گئے ہیں، رستے میں کہیں بیٹھ جاؤنگی۔

مَیں نے کہا کہ میرے غلام کی حویلی نزدیک ہے اب آپہنچے۔ خاطر جمع رکھو اور قدم اُٹھاؤ۔ جھوٹھ تو بولا پر دل میں حیران تھا کہ کہاں لیجاؤں؟ عین راہ پر ایک دروازہ مقفل نظر پڑا۔ جلدی سے قفل کو توڑ کر مکان کے بھیتر گئے، اچھی حویلی فرش بچھا ہوا شراب کے شیشے بھرے قرینے سے طاق میں دھرے، اور باورچی خانے میں نان کباب تیار تھے۔ ماندگی کمال ہو رہی تھی، ایک ایک گلابی شراب پرتگالی کی اُس گزک کے ساتھ لی، اور ساری رات باہم خوشی کی۔ جب اس چین سے صبح ہوئی شہر میں غل مچا کہ شہزادی غائب ہوئی۔ محلہ محلہ کوچہ کوچہ منادی پھرنے لگی۔ اور کُٹنیاں اور ہرکارے چھوٹے کہ جہاں سے ہاتھ آوے پیدا کریں، اور سب دروازوں پر شہر کے پادشاہی غلاموں کی چوکی آبیٹھی۔ گذربانوں کو حکم ہوا کہ بغیر پروانگی چیونٹی باہر

شہر کے نہ نکل سکے، جو کوئی سراغ ملکہ کا لاوے گا ہزار اشرفی اور خلعت انعام پاوے گا۔ تمام شہر میں کٹنیاں پھرنے اور گھر گھر میں گھسنے لگیں۔ مجھے جو کم بختی لگی دروازہ بند نہ کیا، ایک بڑھیا شیطان کی خالا (اُس کا خدا کرے منہ کالا) ہاتھ میں تسبیح لٹکائے برقع اوڑھے دروازہ کھلا پاکر ندھڑک چلی آئی اور سامھنے ملکہ کے کھڑی ہو کر ہاتھ اُٹھا کر دعا دینے لگی. کہ الٰہی تیری نتھ چوڑی سہاگ کی سلامت رہے! اور کماؤ کی پگڑی قائم رہے۔ میں غریب رنڈیا فقیرنی ہوں۔ ایک بیٹی میری ہے کہ وہ دُوجی سے پورے دنوں دردزہ میں مرتی ہے، اور مجھ کو اتنی وسعت نہیں کہ ادھی کا تیل چراغ میں جلاؤں۔ کھانے پینے کو تو کہاں سے لاؤں۔ اگر مر گئی تو گور کفن کیونکر کرونگی، اور جنی تو دائی جنائی کو کیا دونگی، اور جچا کو ستھوارا اچھوانی کہاں سے پلاؤنگی؟ آج دو دن ہوئے ہیں کہ بھوکھی پیاسی پڑی ہے، اے صاحبزادی اپنی خیر کچھ ٹکڑا پارچہ دلا تو اس کو پانی پینے کا ادھار ہو۔

ملکہ نے ترس کھا کر اپنے نزدیک بُلا کر چار نان اور کباب اور ایک انگوٹھی چھنگلیا سے اُتار کر حوالے کی کہ اس کو بیچ باچ کر گہنا پاتا بنا دیجو، اور خاطر جمع سے گذران کیجو اور کبھو آیا کیجو تیرا گھر ہے۔ اُس نے اپنے دل کا مدعا جس کی تلاش میں آئی تھی بہ جنس پایا، خوشی سے دعائیں دیتی

اور بلائیں لیتی دفع ہوئی۔ ڈیوڑھی میں نان کباب پھینک دیئے، مگر انگوٹھی
کو مٹھی میں لے لیا کہ پتا ملکہ کے ہاتھ کا میرے ہاتھ آیا۔ خدا اُس آفت سے
جو بچایا چاہے اُس مکان کا مالک جواں مرد سپاہی تازی گھوڑے پر چڑھا
ہوا نیزہ ہاتھ میں لیے شکار بند سے ایک ہرن لٹکائے آپہنچا۔ اپنی حویلی کا
تالا ٹوٹا اور کواڑ کھلے پائے، اُس دلاّلہ کو نکلتے دیکھا، مارے غصہ کے ایک
ہاتھ سے اُسکے جھونٹے پکڑ کر لٹکا لیا اور گھر میں آیا۔ اُس کے دونوں پاٗوں
میں رسی باندھ کر ایک درخت کی ٹہنی میں لٹکایا، سر تلے پانوٗں اوپر کئے
ایک دم میں تڑپھ تڑپھ کر مرگئی۔ اُس مرد کی صورت دیکھ کر یہ ہیبت
غالب ہوئی کہ ہوائیاں منہ پر اُڑنے لگیں اور مارے ڈر کے کلیجہ کانپنے
لگا۔ اُس عزیز نے ہم دونوں کو بد حواس دیکھ کر تسلّی دی کہ بڑی نادانی
تم نے کی، ایسا کام کیا اور دروازہ کھول دیا۔

ملکہ نے مسکرا کر فرمایا کہ شاہزادہ اپنے غلام کی حویلی کہہ کر مجھے لے
آیا، اور مجھ کو پھُسلایا۔ اُس نے التماس کیا کہ شہزادے نے بیان واقعی
کیا۔ جتنی خلق اللہ ہے پادشاہوں کی لونڈی غلام ہیں۔ انھیں کی برکت
اور فیض سے سب کی پرورش اور نباہ ہے۔ یہ غلام بے دام و درم زر
خرید تمہارا ہے، لیکن بھید چھپانا عقل کا مقتضا ہے۔ اے شہزادے تمہارا
اور ملکہ کا اس غریب خانے میں توجہ فرمانا اور تشریف لانا میری سعادت

دونوں جہان کی ہے، اور اپنے فدوی کو سرفراز کیا۔ میں نثار ہونے کو
تیار ہوں، کسو صورت میں جان و مال سے دریغ نہ کرونگا۔ آپ شوق سے
آرام فرمائیے، اب کوڑی بھر خطرہ نہیں، یہ مُردار کٹنی اگر سلامت جاتی تو
آفت لاتی، اب جب تلک مزاج شریف چاہیئے بیٹھے رہیئے اور جو کچھ
درکار ہو اس خانہ زاد کو کہیئے سب حاضر کرے گا، اور پادشاہ تو کیا چیز ہے!
تمہاری خبر فرشتوں کو بھی نہ ہوگی۔ اس جوان مرد نے ایسی ایسی باتیں تسلّی
کی کہیں کہ ٹک خاطر جمع ہوئی۔ تب مَیں نے کہا شاباش تم بڑے مرد ہو،
اس مروت کا عوض ہم سے بھی جب ہو سکے گا تب ظہور میں آوے گا،
تمہارا نام کیا ہے؟ اُس نے کہا کہ غلام کا اسم بہزاد خاں ہے۔ غرض چھ
مہینے تک جتنی شرط خدمت کی تھی بہ جان و دل بجالایا، خوب آرام
سے گذری۔

ایک دن مجھے اپنا ملک اور ماباپ یاد آئے، اس لیئے نہایت متفکر
بیٹھا تھا۔ میرا چہرہ ملین دیکھ کر بہزاد خاں روبرو ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہوا اور کہنے
لگا، کہ اس فدوی سے اگر کچھ تقصیر حرف برداری میں واقع ہوئی ہو تو
ارشاد ہو۔ مَیں نے کہا از برائے خدا یہ کیا مذکور ہے! تم نے ایسا سلوک
کیا کہ اس شہر میں ایسے آرام سے رہے جیسے اپنی ماں کے پیٹ میں کوئی
رہتا ہے، نہیں تو یہ ایسی حرکت ہم سے ہوئی تھی کہ تنکا تنکا ہمارا دشمن تھا

ایسا دوست ہمارا کون تھا کہ ذرا دم لیتے، خدا تمھیں خوش رکھے بڑے
مرد ہو تب اُس نے کہا اگر یہاں سے دل برداشتہ ہوا ہو، تو جہاں حکم ہو
وہاں خیر و عافیت سے پہنچا دوں۔ فقیر بولا کہ اگر اپنے وطن تک پہنچوں تو
والدین کو دیکھوں، میری تو یہ صورت ہوئی، خدا جانے اُن کی کیا حالت
ہوئی ہوگی۔ مَیں جس واسطے جلاوطن ہوا تھا میری تو آرزو برآئی۔ اَب
اُن کی بھی قدمبوسی واجب ہے، میری خبر اُن کو کچھ نہیں کہ مُوا یا جیتا
ہے، اُن کے دل پر کیا قلق گذرتا ہوگا! وہ جواں مرد بولا کہ بہت مبارک
ہے، چلیئے۔ یہ کہہ کے ایک راس گھوڑا تر کی سَو کوس چلنے والا اور ایک
گھوڑی جلد جس کے پر نہیں کٹے تھے لیکن شایستہ ملکہ کی خاطر لایا، اور ہم
دونوں کو سوار کروایا، پھر زرہ بکتر پہن سلاح باندھ اوپچی بن اپنے مرکب
پر چڑھ بیٹھا اور کہنے لگا، غلام آگے ہو لیتا ہے صاحب خاطر جمع سے
گھوڑے دبائے ہوئے چلے آویں۔

جب شہر کے دروازے پر آیا ایک نعرہ مارا اور تبر سے قفل کو توڑا
اور نگہبانوں کو ڈانٹ ڈپٹ کر للکارا کہ، بڑ چودو! اپنے خاوند کو جا کر کہو
کہ بہزاد خاں ملکۂ مہرنگار اور شہزادۂ کامگار کو جو تمہارا داماد ہے ہانکے
پکارے لیئے جاتا ہے، اگر مردی کا کچھ نشہ ہے تو باہر نکلو اور ملکہ کو چھین
لو، یہ نہ کہیو کہ چپ چاپ لے گیا، نہیں تو قلعہ میں بیٹھے آرام کیا کرو۔

یہ خبر بادشاہ کو جلد جا پہنچی، وزیر اور میر بخشی کو حکم ہوا اُن تینوں بد ذات مفسدوں کو باندھ کر لاؤ، یا اُن کے سر کاٹ کر حضور میں پہنچاؤ۔ ایک دم کے بعد غٹ فوج کا نمود ہوا، اور تمام زمین و آسمان گرد باد ہو گیا۔ بہزاد خاں نے ملکہ کو اور اِس فقیر کو ایک دریں پُل کے کہ بارہ پُلی اور جونپور کے پُل کے برابر تھا کھڑا کیا اور آپ گھوڑے کو تنگیا کر اُس فوج کی طرف پھرا، اور شیر کے مانند گونج کر مرکب کو ڈپٹ کر فوج کے درمیان گھسا۔ تمام لشکر کائی سا پھٹ گیا، اور یہ دونوں سرداروں تلک جا پہنچا دونوں کے سر کاٹ لیئے۔ جب سردار مارے گئے لشکر تتر بتر ہو گیا، وہ کہاوت ہے، سر سے سر واہ جب بیل پھوٹی رائی رائی ہو گئی۔ وونہیں آپ بادشاہ کتنی فوج بکتر پوشوں کی ساتھ لیکر کمک کو آئے، اُن کی بھی لڑائی اُس یکّا جوان نے مار دی شکست فاش کھائی۔

بادشاہ پس پا ہوئے، سچ ہے فتح داد الٰہی ہے، لیکن بہزاد خاں نے ایسی جواں مردی کہ شاید رستم سے بھی نہ ہو سکتی۔ جب بہزاد خاں نے دیکھا کہ مطلع صاف ہوا اب کون باقی رہا ہے جو ہمارا پیچھا کریگا، بے وسواس ہو کر اور خاطر جمع کر جہاں ہم کھڑے تھے آیا، اور ملکہ کو اور مجھ کو ساتھ لیکر چلا۔ سفر کی عمر کوتاہ ہوتی ہے، تھوڑے عرصے میں اپنے ملک کی سرحد میں جا پہنچے۔ ایک عرضی صحیح سلامت آنے کی بادشاہ کے حضور میں

(جو قبلہ گاہ مجھ فقیر کے تھے) لکھ کر روانہ کی۔ جہاں پناہ پڑھکر شاد ہوئے،
دوگانہ شکر کا ادا کیا، جیسے سوکھے دھان میں پانی پڑا خوش ہوکر سب امیروں
کو جلَو میں لیکر اِس عاجز کے استقبال کی خاطر لبِ دریا آکر کھڑے ہوئے۔
اور نواڑوں کے واسطے میر بحر کو حکم ہوا۔ میں نے دوسرے کنارے پر سواری
پادشاہ کی کھڑی دیکھی، قدم بوسی کی آرزو میں گھوڑے کو دریا میں ڈال دیا
ہیلہ مار کر حضور میں حاضر ہوا، مجھے مارے اشتیاق کے کلیجے سے لگالیا۔

اب ایک اور آفت ناگہانی پیش آئی۔ کہ جس گھوڑے پر میں سوار تھا
شاید وہ بچّہ اُسی مادیان کا تھا جس پر ملکہ سوار تھی، یا جنسیت کے باعث
میرے مرکب کو دیکھکر گھوڑی نے بھی جلدی کر کر اپنے تئیں ملکہ سمیت میرے
پیچھے دریا میں گرایا، اور پیرنے لگی۔ ملکہ نے گھبرا کے باگ کھینچی وہ منہ کی نرم تھی
اُلٹ گئی، ملکہ غوطے کھاکر بمعہ گھوڑی دریا میں ڈوب گئی کہ پھر اُن دونوں کا
نشان نظر نہ آیا۔ بہزاد خاں نے یہ حالت دیکھکر اپنے تئیں گھوڑے سمیت
ملکہ کی مدد کی خاطر دریا میں پہنچایا، وہ بھی اُس بھنور میں آگیا پھر نکل نہ سکا، بہتیرے
ہاتھ پانوں مارے کچھ بس نہ چلا ڈوب گیا۔ جہاں پناہ نے یہ واردات دیکھ کر
مہاجال منگوا کر پھنکوایا اور ملاحوں اور غوطہ خوروں کو فرمایا۔ اُنھوں نے سارا
دریا چھان مارا تھاہ کی مٹی لے لے آئے، پر وے دونوں ہاتھ نہ آئے۔ یا فقرا
یہ حادثہ ایسا ہوا کہ میں سودائی اور جنونی ہوگیا، اور فقیر بن کر یہی کہتا پھرتا تھا،

اِن نینوں کا یہی بسیکھ وہ بھی دیکھا یہ بھی دیکھ۔ اگر ملکہ کہیں غائب ہو جاتی یا مرجاتی تو دل کو تسلّی آتی، پھر تلاش کو نکلتا یا صبر کرتا، لیکن جب نظروں کے روبرو غرق ہوگئی تو کچھ بس نہ چلا۔ آخر جی میں یہی لہر آئی کہ دریا میں ڈوب جاؤں، شاید اپنے محبوب کو مر کر پاؤں۔

ایک روز رات کو اُسی دریا میں پیٹھا، اور ڈوبنے کا ارادہ کر کر گلے تک پانی میں گیا۔ چاہتا ہوں کہ آگے پانوں رکھوں اور غوطہ کھاؤں، وہی سوار برقعہ پوش جنھوں نے تم کو بشارت دی ہے آپہنچے۔ میرا ہاتھ پکڑ لیا اور دلاسا دیا کہ خاطر جمع رکھ، ملکہ اور بہزاد خاں جیتے ہیں، تو اپنی جان ناحق کیوں کھوتا ہے؟ دنیا میں ایسا بھی ہوتا ہے، خدا کی درگاہ سے مایوس مت ہو، اگر جیتا رہیگا تو تیری ملاقات ان دونوں سے ایک نہ ایک روز ہو رہیگی۔ اب تو روم کی طرف جا۔ اور بھی دو درویش دلریش وہاں گئے ہیں، اُن سے تو جب ملے گا اپنی مراد کو پہنچے گا۔ یا فقرا! بموجب حکم اپنے ہادی کے مَیں بھی خدمت شریف میں آکر حاضر ہوا ہوں، اُمید قوی ہے کہ ہر ایک اپنے اپنے مطلب کو پہنچے۔ اس ٹکڑ گدا کا یہ احوال تھا جو تمام کمال کہہ سُنایا۔

سَیر چوتھے درویش کی

چوتھا فقیر اپنے سَیر کی حقیقت رو رو کر اِس طرح دُہرانے لگا۔

قصّہ ہماری بے سر و پائی کا اب سنو
ٹک اپنا دھیان رکھ کے مرا حال سب سنو
کس واسطے میں آیا ہوں یہاں تک تباہ ہو
سارا بیان کرتا ہوں، اس کا سبب سنو

یا مرشد اللہ! ذرا متوجہ ہو۔ یہ فقیر جو اِس حالت میں گرفتار ہے، چین کے بادشاہ کا بیٹا ہے۔ ناز و نعمت سے پرورش پائی، اور بہ خوبی تربیت ہوا۔ زمانے کے بھلے بُرے سے کچھ واقف نہ تھا، جانتا تھا کہ یونہیں ہمیشہ نبھےگی۔ عین بے فکری میں یہ حادثہ روبکار ہوا قبلۂ عالم جو والد اس یتیم کے تھے، اُنھوں نے رحلت فرمائی۔ جاں کندنی کے وقت اپنے چھوٹے بھائی کو (جو میرے چچا ہیں) بُلایا اور فرمایا، کہ ہم نے تو سب مال ملک چھوڑ کر ارادہ کوچ کا کیا، لیکن یہ وصیت میری تم بجا لائیو۔ اور بزرگی کو کام فرمائیو۔ جب تلک شہزادہ جو مالک اس تخت و چھتر کا ہے جوان ہو، اور شعور سنبھالے اور اپنا گھر دیکھے بھالے، تم اس کی نیابت کیجو اور سپاہ و رعیت کو خراب

نہ ہونے دیجو۔ جب وہ بالغ ہو اُس کو سب کچھ سمجھا بجھا کر تخت حوالے کرنا۔ اور روشن اختر جو تمہاری بیٹی ہے اُس سے شادی کر کے تم سلطنت سے کنارہ پکڑنا۔ اِس سلوک سے پادشاہت ہمارے خاندان میں قائم رہیگی، کچھ خلل نہ آوے گا۔ یہ کہکر آپ تو جاں بحق تسلیم ہوئے، چچا بادشاہ ہوا اور بندوبست ملک کا کرنے لگا۔ مجھے حکم کیا کہ زنانے محل میں رہا کرے، جب تک جوان نہ ہو باہر نہ نکلے۔ یہ فقیر چودہ برس کی عمر تک بیگمات اور خواصوں میں پلا کیا، اور کھیلا کودا کیا۔ چچا کی بیٹی سے شادی کی خبر سُن کر شاد تھا، اور اس امید پر بے فکر رہتا اور دل میں کہتا کہ اب کوئی دن میں بادشاہت بھی ہاتھ لگے گی اور کتخدائی بھی ہوگی، دنیا بہ اُمید قائم ہے۔ ایک حبشی مبارک نام کہ والد مرحوم کی خدمت میں تربیت ہوا تھا اور اس کا بڑا اعتبار تھا اور صاحب شعور اور نمک حلال تھا، مَیں اکثر اس کے نزدیک جا بیٹھتا وہ بھی مجھے بہت پیار کرتا اور میری جوانی دیکھ کر خوش ہوتا اور کہتا کہ الحمدللہ اے شاہزادے! اب تم جوان ہوئے۔ انشاءاللہ تعالیٰ عنقریب تمہارا عمو ظلِّ سُبحانی کی نصیحت پر عمل کرے گا۔ اپنی بیٹی اور تمہارے والد کا تخت تمہیں دے گا۔

ایک روز یہ اتفاق ہوا کہ ایک ادنا سہیلی نے بیگناہ میرے تئیں ایسا کھینچ طمانچہ مارا کہ میرے گال پر پانچوں انگلیوں کا نشان اُکھڑ آیا۔ مَیں روتا ہوا

مبارک کے پاس گیا، اُن نے مجھے گلے سے لگا لیا اور آنسو آستین سے پونچھے اور کہا، کہ چلو آج تمھیں بادشاہ پاس لیچلوں، شاید دیکھکر مہربان ہو اور لایق سمجھکر تمہارا حق تمھیں دے۔ اُسی وقت چچا کے حضور میں لے گیا، چچا نے دربار میں نہایت شفقت کی، اور پوچھا کہ کیوں دلگیر ہو اور آج یہاں کیونکر آئے؟ مبارک بولا کچھ عرض کرنے آئے ہیں، یہ سُنکر خود بخود کہنے لگا کہ اب میاں کا بیاہ کر دیتے ہیں، مبارک نے کہا بہت مبارک ہے۔ وونھیں نجومی اور رمالوں کو روبرو طلب کیا، اور اوپری دل سے پوچھا کہ اس سال کونسا مہینا اور کون سا دن اور گھڑی مہورت مبارک ہے کہ سرانجام شادی کا کروں؟ انھوں نے مرضی پاکر گن گناکر عرض کی کہ قبلۂ عالم! یہ برس سارا نحس ہے، کسی چاند میں کوئی تاریخ سعد نہیں ٹھہرتی، اگر یہ سال تمام بخیر و عافیت کٹے تو آیندہ کار خیر کے لئے بہتر ہے۔

بادشاہ نے مبارک کی طرف دیکھا، اور کہا شاہزادے کو محل میں لے جا، خدا چاہے تو اس سال کے گذرنے سے اس کی امانت اُس کے حوالے کردونگا، خاطر جمع رکھے اور پڑھے لکھے۔ مبارک نے سلام کیا اور مجھے ساتھ لیا، محل میں پہنچا دیا۔ دو تین دن کے بعد مَیں مبارک کے پاس گیا مجھے دیکھتے ہی رونے لگا، مَیں حیران ہوا اور پوچھا کہ دادا! خیر تو ہے تمہارے رونے کا کیا باعث ہے؟ تب وہ خیر خواہ (کہ مجھے دل و جان سے چاہتا تھا)

بولا کہ مَیں اُس روز تمہیں اُس ظالم کے پاس لے گیا، کاشکے اگر یہ جانتا تو نہ لیجاتا۔ مَیں نے گھبرا کر کہا میرے جانے میں کیا ایسی قباحت ہوئی؟ کہو تو صحیح۔ تب اُس نے کہا کہ سب امیر وزیر ارکان دولت چھوٹے بڑے تمہارے باپ کے وقت کے تمہیں دیکھ کر خوش ہوئے اور خدا کا شکر کرنے لگے، کہ اب ہمارا صاحبزادہ جوان ہوا اور سلطنت کے لایق ہوا۔ اب کوئی دن میں حق حقدار کو ملے گا تب ہماری قدر دانی کرے گا اور خانہ زاد موروثیوں کی قدر سمجھے گا۔ یہ خبر اُس بے ایمان کو پہنچی، اُس کی چھاتی پر سانپ پھر گیا مجھے خلوت میں بلا کر کہا، اے مبارک! اب ایسا کام کر کہ شہزادے کو کسو فریب سے مار ڈال۔ اور اس کا خطرہ میرے جی سے نکال جو میری خاطر جمع ہو۔ تب سے میں بے حواس ہو رہا ہوں، کہ تیرا چچا تیری جان کا دشمن ہوا جو نہیں مبارک سے یہ خبر نامبارک میں نے سنی، بغیر مارے مر گیا اور جان کے ڈر سے اُس کے پانوں پر گر پڑا کہ واسطے خدا کے مَیں سلطنت سے گذرا کسو طرح میرا جی بچے۔ اس غلام باوفا نے میرا سر اُٹھا کر چھاتی سے لگا لیا اور جواب دیا کہ کچھ خطرہ نہیں ایک تدبیر مجھے سوجھی ہے، اگر راست آئی تو کچھ پروا نہیں، زندگی ہے تو سب کچھ ہے۔

اغلب ہے کہ اس فکر سے تیری جان بھی بچے، اور اپنے مطلب سے کامیاب ہو۔ یہ بھروسا دیکر مجھے ساتھ لیکر اُس جگہ جہاں بادشاہ مغفور یعنی

والد اس فقیر کے سوتے بیٹھتے تھے گیا، اور میری بہت خاطر جمع کی۔ وہاں ایک کرسی بچھی تھی، ایک طرف مجھے کہا اور ایک طرف آپ پکڑ کر صندلی کو سرکایا اور کرسی کے تلے کا فرش اُٹھایا، اور زمین کچھ کھودنے لگا۔ ایکبارگی ایک کھڑکی نمود ہوئی کہ زنجیر اور قفل اُس میں لگا ہے۔ مجھے بُلایا، میں اپنے دل میں مقرر یہ سمجھا کہ میرے ذبح کرنے اور گاڑ دینے کو یہ گڑھا اس نے کھودا ہے۔ موت آنکھوں کے آگے پھر گئی، لاچار چپکے چپکے کلمہ پڑھتا ہوا نزدیک گیا دیکھتا ہوں تو اُس دریچے کے اندر عمارت ہے اور چار مکان ہیں، ہر ایک دالان میں دس دس خُمیں سونے کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی لٹکتی ہیں۔ اور ہر ایک گولی کے منہ پر ایک سونے کی اینٹ اور ایک بندر جڑاؤ کا بنا ہوا بیٹھا ہے۔ اُنتالیس گولیاں چاروں مکان میں گنیں اور ایک خم کو دیکھا کہ مونھا مونھ اشرفیاں بھری ہیں، اُس پر نہ میمون ہے نہ خشت ہے اور ایک حوض جواہر سے لبالب بھرا ہوا دیکھا، میں نے مبارک سے پوچھا کہ اے دادا! یہ کیا طلسم ہے اور کس کا مکان ہے، اور یہ کس کام کے ہیں؟ بولا کہ یہ بوزنے جو دیکھتے ہو اُن کا یہ ماجرا ہے کہ تمہارے باپ نے جوانی کے وقت سے ملک صادق (جو بادشاہ جنوں کا ہے) اُس کے ساتھ دوستی اور آمد و رفت پیدا کی تھی۔

چنانچہ ہر سال میں ایک دفعہ کئی طرح کی تحفہ خوشبوئیں اور اِس ملک

کی سوغاتیں لیجاتے، اور ایک مہینے کے قریب اس کی خدمت میں رہتے۔ جب رخصت ہوتے تو ملک صادق ایک بندر زمرد کا دیتا، ہمارا پادشاہ اُسے لاکر اس تہہ خانے میں رکھتا۔ اس بات سے سوائے میرے کوئی دوسرا مُطّلع نہ تھا۔ ایک مرتبہ غلام نے عرض کی کہ جہاں پناہ! لاکھوں روپے کے تحفے لے جاتے ہیں، اور وہاں سے ایک بوزنہ پتھر کا مُردہ آپ لے آتے ہیں، اس کا آخر فائدہ کیا ہے؟ جواب میری اس بات کا مسکرا کر فرمایا، خبردار کہیں ظاہر نہ کیجو، خبر شرط ہے۔ یہ ایک ایک میمون بیجان جو تو دیکھتا ہے ہر ایک کے ہزار دیو زبردست تابع اور فرمانبردار ہیں، لیکن جب تلک میرے پاس چالیسوں بندر پورے جمع نہ ہوویں تب تک یہ سب نکمے ہیں کچھ کام نہ آوینگے۔ سو ایک بندر کی کمی تھی کہ اُسی برس پادشاہ نے وفات پائی۔

اِتنی محنت کچھ نیک نہ لگی اُس کا فائدہ ظاہر نہ ہوا، اے شاہزادے تیری یہ حالت بے کسی کی دیکھ کر مجھے یاد آیا اور یہ جی میں ٹھہرایا، کسو طرح تجھ کو ملک صادق کے پاس لے چلوں اور تیرے چچا کا ظلم بیان کروں، غالب ہے کہ وہ دوستی تمہارے باپ کی یاد کر کر ایک بوزنہ جو باقی ہے تجھے دے تب اُن کی مدد سے تیرا ملک تیرے ہاتھ آوے اور چین ماچین کی سلطنت تو بہ خاطر جمع کرے، اور بالفعل اس حرکت سے تیری جان بچتی ہے، اگر اور کچھ نہ ہوا تو اس ظالم کے ہاتھ سے سوائے اس تدبیر کے اور کوئی صورت مخلصی کی

نظر نہیں آتی۔ مَیں نے اُس کی زبانی یہ سب کیفیت سُن کر کہا کہ دادا جان! اب تو میری جان کا مختار ہے، جو میرے حق میں بھلا ہو سو کر۔ میری تسلّی کر کے آپ عطر اور بخور اور جو کچھ وہاں کے لے جانے کی خاطر مناسب جانا خرید کرنے بازار میں گیا۔

دوسرے دن میرے اس کافر چچا کے پاس (جو بجائے ابوجہل کے تھا) گیا اور کہا جہاں پناہ! شہزادے کے مار ڈالنے کی ایک صورت میں نے دل میں ٹھہرائی ہے، اگر حکم ہو تو عرض کروں۔ وہ کم بخت خوش ہو کر بولا وہ کیا تدبیر ہے؟ تب مبارک نے کہا کہ اس کے مار ڈالنے میں سب طرح آپ کی بدنامی ہے، مگر میں اسے باہر جنگل میں لیجا کر ٹھکانے لگاؤں اور گاڑ داب کر چلا آؤں، ہرگز کوئی محرم نہ ہوگا کہ کیا ہوا۔ یہ بندش مبارک سے سنکر بولا کہ بہت مبارک۔ مَیں یہ چاہتا ہوں کہ وہ سلامت نہ رہے، اُس کا دغدغہ میرے دل میں ہے، اگر مجھے اِس فکر سے تو چھڑاویگا تو اس خدمت کے عوض بہت کچھ پاویگا، جہاں تیرا جی چاہے لیجا کے کھپا دے اور مجھے یہ خوشخبری لادے۔

مبارک نے بادشاہ کی طرف سے اپنی دل جمعی کر کے مجھے ساتھ لیا، اور وے تحفے لیکر آدھی رات کو شہر سے کوچ کیا اور اُتّر کی سمت چلا۔ ایک مہینے تلک پیہم چلا گیا۔ ایک روز رات کو چلے جاتے تھے جو مبارک

بولا کہ شکر خدا کا اب منزل مقصود کو پہنچے۔ مَیں نے سُنکر کہا کہ دادا! یہ تو نے کیا کہا؟ کہنے لگا اے شہزادے! جنّوں کا لشکر کیا نہیں دیکھتا؟ مَیں نے کہا مجھے تیرے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا۔ مبارک نے ایک سرمہ دانی نکال کر سلیمانی سرمہ کی سلائیاں میری دونوں آنکھوں میں پھیر دیں۔ وونہیں جنوں کی خلقت اور لشکر کے تمبو قنات نظر آنے لگے لیکن سب خوشرو اور خوش لباس مبارک کو پہچان کر ہر ایک آشنائی کی راہ سے گلے ملتا اور مزاحیں کرتا۔

آخر جاتے جاتے بادشاہی سراچوں کے نزدیک گئے اور بارگاہ میں داخل ہوئے، دیکھتا ہوں تو روشنی قرینے سے روشن ہے، اور صندلیاں طرح بہ طرح کی دورویہ بچھی ہیں، اور عالم فاضل درویش اور امیر وزیر میر بخشی دیوان اُن پر بیٹھے ہیں۔ اور یساول گذربردار احدی چیلے ہاتھ باندھے کھڑے ہیں، اور درمیان میں ایک تخت مرصّع کا بچھا ہے اُس پر ملک صادق تاج اور چار قُب موتیوں کی پہنے ہوئے مسند پر تکیئے لگائے بڑی شان وشوکت سے بیٹھا ہے۔ مَیں نے نزدیک جاکر سلام کیا، مہربانگی سے بیٹھنے کا حکم کیا پھر کھانے کا چرچا ہوا۔ بعد فراغت کے دسترخوان بڑھایا گیا، تب مبارک کی طرف متوجہ ہو کر احوال میرا پوچھا۔ مبارک نے کہا کہ اب اِن کے باپ کی جگہ پر چچا ان کا بادشاہت کرتا ہے، اور ان کا دشمن جانی ہوا ہے، اس لئے میں انھیں وہاں سے لے بھاگ کر آپ کی خدمت میں لایا ہوں کہ یتیم ہیں

اور سلطنت ان کا حق ہے، لیکن بغیر مربّی کسو سے کچھ نہیں ہو سکتا۔ حضور کی دستگیری کے باعث اِس مظلوم کی پرورش ہوتی ہے۔ ان کے باپ کی خدمت کا حق یاد کر کے ان کی مدد فرمائیے اور وہ چالیسواں بندر عنایت کیجیے جو چالیسوں پورے ہوں، اور یہ اپنے حق کو پہنچ کر تمہارے جان و مال کو دعا دیں، سوائے صاحب کی پناہ کے کوئی ان کا ٹھکانا نظر نہیں آتا۔

یہ تمام کیفیت سنکر صادق نے تامّل کر کے کہا کہ واقعی حقوق خدمت اور دوستی بادشاہ مغفور کے ہمارے اوپر بہت تھے اور یہ بچارا تباہ ہو کر اپنی سلطنت موروثی چھوڑ کر جان بچانے کے واسطے یہاں تلک آیا ہے، اور ہمارے دامنِ دولت میں پناہ لی ہے۔ تا مقدور کسو طرح ہم سے کمی نہ ہوگی اور در گذر نہ کروں گا، لیکن ایک کام ہمارا ہے اگر وہ اس سے ہو سکا اور خیانت نہ کی اور بخوبی انجام دیا اور اس امتحان میں پورا اترا تو میں قول قرار کرتا ہوں کہ زیادہ بادشاہ سے سلوک کروں گا اور جو یہ چاہے گا سو دونگا۔ میں نے ہاتھ باندھ کر التماس کیا کہ اِس فدوی سے تا بہ مقدور جو خدمت سرکار کی ہو سکے گی بسر و چشم بجالاویگا اور اس کو خوبی و دیانت داری اور ہوشیاری سے کرے گا، اور اپنی سعادت دونوں جہان کی سمجھے گا۔ فرمایا کہ تو ابھی لڑکا ہے اس واسطے بار بار تاکید کرتا ہوں، مبادا خیانت کرے اور آفت میں پڑے۔ میں نے کہا خدا بادشاہ کے اقبال سے آسان کرے گا اور میں حتی المقدو

کوشش کرونگا اور امانت حضور تک لے آؤنگا۔

یہ سُن کر ملکِ صادق نے مجھ کو قریب بلایا اور کاغذ دستکی سے نکال کر میرے تئیں دکھلایا اور کہا، یہ جس شخص کی شبیہ ہے اُسے جہاں سے جانے تلاش کر کے میری خاطر پیدا کر کے لا، اور جس گھڑی تو اُس کا نام ونشان پاوے اور سامھنے جاوے، میری طرف سے بہت اشتیاق ظاہر کیجو۔ اگر یہ خدمت تجھ سے سرانجام ہوئی تو جتنی توقع تجھے منظور ہے اُس سے زیادہ غور پرداخت کی جائیگی، والاّ نہ جیسا کریگا ویسا پاویگا۔ مَیں نے اُس کاغذ کو جو دیکھا ایک تصویر نظر پڑی کہ غش سا آنے لگا، بزور مارے ڈر کے اپنے تئیں سنبھالا اور کہا، بہت خوب میں رخصت ہوتا ہوں، اگر خدا کو کو میرا بھلا کرنا ہے تو بموجب حکم حضور کے مجھ سے عمل میں آویگا۔ یہ کہکر مبارک کو ہمراہ لیکر جنگل کی راہ لی۔ گانوٗ گانوٗ بستی بستی شہر شہر ملک مُلک پھرنے لگا، اور ہر ایک سے اس کا نام ونشان تحقیق کرنے۔ کسو نے نہ کہا کہ ہاں مَیں جانتا ہوں یا کسی سے مذکور سُنا ہے۔ سات برس تک اسی عالم میں حیرانی و پریشانی سہتا ہوا ایک نگر میں وارد ہوا، عمارت عالی اور آباد لیکن وہاں کا ہر ایک متنفس اسم اعظم پڑھتا تھا اور خدا کی عبادت بندگی کرتا تھا۔

ایک اندھا ہندوستانی فقیر بھیک مانگتا نظر آیا لیکن کسو نے ایک کوڑی

یا ایک نوالہ نہ دیا مجھے تعجب آیا اور اُس کے اوپر رحم کھایا، جیب میں سے ایک اشرفی نکال کر اُس کے ہاتھ دی، وہ لیکر بولا کہ اے داتا! خدا تیرا بھلا کرے، تو شاید مسافر ہے، اس شہر کا باشندہ نہیں۔ مَیں نے کہا فی الواقع سات برس سے میں تباہ ہوا ہوں، جس کام کو نکلا ہوں اُس کا سراغ نہیں ملتا، آج اس بلدے میں آ پہنچا ہوں، وہ بوڑھا دعائیں دیکر چلا، مَیں اُس کے پیچھے لگ لیا، باہر شہر کے ایک مکان عالی شان نظر آیا۔ وہ اُس کے اندر گیا، میں بھی چلا، دیکھا تو جا بجا عمارت گر پڑی ہے اور بے مرمت ہو رہی ہے۔

مَیں نے دل میں کہا کہ یہ محل لائق پادشاہوں کے ہے، جس وقت تیاری اس کی ہوگی کیا ہی مکان دل چسپ بنا ہوگا! اور اب تو ویرانی سے کیا صورت بَن رہی ہے! پر معلوم نہیں کہ اُجاڑ کیوں پڑا ہے، اور یہ نابینا اِس محل میں کیوں بستا ہے۔ وہ کور لاٹھی ٹیکتا ہوا چلا جاتا تھا کہ ایک آواز آئی جیسے کوئی کہتا ہے کہ اے باپ! خیر تو ہے، آج سویرے کیوں پھرے آتے ہو؟ پیر مرد نے سُنکر جواب دیا کہ بیٹی! خدا نے ایک جوان مسافر کو میرے احوال پر مہربان کیا۔

اُس نے ایک مہر مجھ کو دی۔ بہت دنوں سے پیٹ بھر کر اچھا کھانا نہ کھایا تھا، سو گوشت مصالح گھی تیل آٹا لون مول لیا اور تیری خاطر کپڑا جو

ضرور تھا خرید کیا اب اسکو قطع کر، اور سی کر پہن، اور کھانا پکا تو کھا پی کے اُس سخی کے حق میں دعا دیں۔ اگرچہ مطلب اُس کے دل کا معلوم نہیں، پر خدا دانا بینا ہے، ہم بے کسوں کی دعا قبول کرے۔ مَیں نے یہ احوال اُس کی فاقہ کشی کا جو سُنا بے اختیار جی میں آیا کہ بیس اشرفیاں اور اس کو دوں، لیکن آواز کی طرف دھیان جو گیا تو ایک عورت دیکھی کہ ٹھیک وہ تصویر اُسی معشوق کی تھی۔ تصویر کو نکال کر مقابل کیا، سرِ مو تفاوت نہ دیکھا۔ ایک نعرہ دل سے نکلا اور بے ہوش ہوا۔ مبارک میرے تئیں بغل میں لیکر بیٹھا اور پنکھا کرنے لگا۔ مجھ میں ذرا سا ہوش آیا، اُسی کی طرف تاک رہا تھا جو مبارک نے پوچھا کہ تم کو کیا ہوگیا؟ ابھی منہ سے جواب نہیں نکلا، وہ نازنین بولی کہ اے جوان! خدا سے ڈر اور بگانی ستری پر نگاہ مت کر، حیا اور شرم سب کو ضرور ہے۔

اس لیاقت سے گفتگو کی کہ مَیں اُس کی صورت اور سیرت پر محو ہو گیا، مبارک میری خاطرداری بہت سی کرنے لگا، لیکن دل کی حالت کی اس کو کیا خبر تھی؟ لاچار ہو کر مَیں پکارا کہ اے خدا کے بندو اور اس مکان کے رہنے والو! میں غریب مسافر ہوں، اگر اپنے پاس مجھے بلاؤ اور رہنے کو جگہ دو۔ تو بڑی بات ہے۔ اُس اندھے نے نزدیک بلایا اور آواز پہچان کر گلے لگایا، اور جہاں وہ گلبدن بیٹھی تھی، اُس مکان میں لے گیا۔ وہ ایک

کونے میں چھپ گئی ۔ اُس بوڑھے نے مجھ سے پوچھا کہ اپنا ماجرا کہہ ، کہ کیوں گھر بار چھوڑ کر اکیلا پڑا پھرتا ہے ، اور تجھے کس کی تلاش ہے ؟ مَیں نے ملک صادق کا نام نہ لیا ، اور وہاں کا کچھ ذکر مذکور نہ کیا ، اس طور سے کہا ، کہ یہ بے کس شہزادہ چین و ماچین کا ہے ، چنانچہ میرے ولی نعمت ہنوز بادشاہ ہیں ۔ ایک سوداگر سے لاکھوں روپے دیکر یہ تصویر مول لی تھی ، اُس کے دیکھنے سے سب ہوش آرام جاتا رہا ، اور فقیر کا بھیس کر کر تمام دنیا چھان ماری ، اب یہاں میرا مطلب ملا ہے سو تمہارا اختیار ہے ۔

یہ سُنکر اندھے نے ایک آہ ماری اور بولا ، اے عزیز ! میری لڑکی بڑی مصیبت میں گرفتار ہے ، کسو بشر کی مجال نہیں کہ اس سے نکاح کرے اور پھل پاوے ۔ مَیں نے کہا کہ امیدوار ہوں کہ مفصل بیان کرو ۔ تب اُس مردِ عجمی نے اپنا ماجرا اِس طور سے ظاہر کیا ، کہ سُن اے پادشاہزادے ! مَیں رئیس اور اکابر اس کم بخت شہر کا ہوں ۔ میرے بزرگ نام آور اور عالی خاندان تھے حق تعالیٰ نے یہ بیٹی مجھے عنایت کی ، جب بالغ ہوئی تو اس کی خوبصورتی اور نزاکت اور سلیقے کا شور ہوا ، اور سارے مُلک میں مشہور ہوا کہ فلانے کے گھر میں ایسی لڑکی ہے کہ اُس کے حُسن کے مقابل حور پری شرمندہ ہے ، انسان کا تو کیا منہ ہے کہ برابری کرے ؟ یہ تعریف اس شہر کے شہزادے نے سُنی ۔ غائبانہ بغیر دیکھے بھالے عاشق

ہوا، کھانا پینا چھوڑ دیا، اٹھوائی کھٹوائی لیکر پڑا۔

آخر بادشاہ کو یہ بات معلوم ہوئی، میرے تئیں رات کو خلوت میں بُلایا اور یہ مذکور درمیان میں لایا، اور مجھے باتوں میں پھُسلایا حتیٰ کہ نسبت ناتا کرنے میں راضی کیا۔ میں بھی سمجھا کہ جب بیٹی گھر میں پیدا ہوئی تو کسو نہ کسو سے بیاہا ہی چاہیئے، پس اِس سے کیا بہتر ہے کہ پادشاہزادے سے منسوب کر دوں؟ اس میں پادشاہ بھی منت وار ہوتا ہے۔ مَیں قبول کر کے رخصت ہوا، اُسی دن سے دونوں طرف تیاری بیاہ کی ہونے لگی۔ ایک روز اچھی ساعت میں قاضی مفتی عالم فاضل اکابر سب جمع ہوئے نکاح باندھا گیا اور مہر معیّن ہوا۔ دُلھن کو بڑی دھوم دھام سے لے گئے، سب رسم رسومات کر کے فارغ ہوئے۔ نوشہ نے رات کو جب قصد جماع کا کیا، اس مکان میں ایک شور غل ایسا ہوا کہ جو باہر لوگ چوکی میں تھے حیران ہوئے، دروازہ کوٹھری کا کھول کر چاہا دیکھیں کہ یہ کیا آفت ہے اندر سے ایسا بند تھا کہ کواڑ کھول نہ سکے۔ ایک دم میں وہ رونے کی آواز بھی کم ہوئی، پٹ کی چول اُکھاڑ کر دیکھا تو دولھا سر کٹا ہوا پڑا تڑپتا ہے، اور دُلھن کے منہ سے کف چلا جاتا ہے، اور اسی مٹی لہو میں لتھڑی ہوئی بے حواس پڑی لوٹتی ہے۔

یہ قیامت دیکھ کر سب کے ہوش جاتے رہے، ایسی خوشی میں یہ

غم ظاہر ہوا - بادشاہ کو خبر پہنچی - سر پیٹتا ہوا دوڑا - تمام ارکان سلطنت
کے جمع ہوئے - پر کسو کی عقل کام نہیں کرتی - کہ اس احوال کو دریافت
کرے - نہایت کو بادشاہ نے اُس قلق کی حالت میں حکم کیا کہ اس کم بخت
ڈھونڈ بیری دُلھن کا بھی سر کاٹ ڈالو - یہ بات بادشاہ کی زبان سے
جو نہیں نکلی، پھر ویسا ہی ہنگامہ برپا ہوا - بادشاہ ڈرا اور اپنی جان کے
خطرے سے نکل بھاگا - اور فرمایا کہ اسے محل سے باہر نکال دو - خواصوں
نے اِس لڑکی کو میرے گھر میں پہنچا دیا - یہ چرچا دنیا میں مشہور ہوا، جن نے
سُنا حیران ہوا اور شہزادے کے مارے جانے کے سبب سے خود بادشاہ
اور جتنے باشندے اس شہر کے ہیں میرے دشمنِ جانی ہوئے۔

جب ماتم داری سے فراغت ہوئی اور چہلم ہو چکا، بادشاہ نے ارکانِ
دولت سے صلاح پوچھی - کہ اب کیا کیا چاہیئے؛ سبھوں نے کہا اور تو کچھ ہو نہیں
سکتا، پر ظاہر میں دل کی تسلی اور صبر کے واسطے اُس لڑکی کو اُس کے باپ
سمیت مروا ڈالیئے، اور گھر بار ضبط کر لیجیئے - جب میری یہ سزا مقرر کی کوتوال
کو حکم ہوا، اُس نے آکر چاروں طرف سے میری حویلی کو گھیر لیا، اور نرسنگا
دروازے پر بجایا، اور چاہا کہ اندر گھسیں اور بادشاہ کا حکم بجا لاویں - غیب سے
اینٹ پتھر ایسے برسنے لگے کہ تمام فوج تاب نہ لا سکی، اپنا سر منہ بچا کر جیدھر
تدھر بھاگی، اور ایک آوازِ مہیب بادشاہ نے محل میں اپنے کانوں سُنی،

کہ کیوں کم بختی آئی ہے کیا شیطان لگا ہے، بھلا چاہتا ہے تو اُس نازنین کے احوال کا متعرض نہ ہو، نہیں تو جو کچھ تیرے بیٹے نے اُس سے شادی کر کر دیکھا، تو بھی اُس کی دشمنی سے دیکھے گا، اب اگر اُن کو ستاوے گا تو سزا پاوے گا۔

بادشاہ کو مارے دہشت کے تپ چڑھی، وونہیں حکم کیا کہ ان بدبختوں سے کوئی مزاحم نہ ہو کچھ کہو نہ سنو، حویلی میں پڑا رہنے دو، زور ظلم ان پر نہ کرو۔ اس دن سے عامل باو بتاس جا نکر دعا تعویذ اور سیانے جنتر منتر کرتے ہیں اور سب باشندے اس شہر کے اسم اعظم اور قرآن مجید پڑھتے ہیں۔ مدت سے یہ تماشا ہو رہا ہے، لیکن اب تک کچھ اسرار معلوم نہیں ہوتا، اور مجھے بھی ہرگز اطلاع نہیں، مگر اس لڑکی سے ایک بار پوچھا کہ تم نے اپنی آنکھوں سے کیا دیکھا تھا؟ یہ بولی کہ اور تو کچھ میں نہیں جانتی، لیکن یہ نظر نہیں آیا کہ جس وقت میرے خاوند نے قصد مباشرت کا کیا، جھت پھٹ کر ایک تخت مرصع کا نکلا، اس پر ایک جوان خوبصورت شاہانہ لباس پہنے بیٹھا تھا اور ساتھ بہت سے آدمی اہتمام کرتے ہوئے اُس مکان میں آئے، اور شہزادے کے قتل کے مستعد ہوئے۔ وہ شخص سردار میرے نزدیک آیا اور بولا کیوں جانی! اب ہم سے کہاں بھاگو گی؟ اُن کی صورتیں آدمی کی سی تھیں، لیکن پانوں بکریوں کے سے نظر آئے۔ میرا کلیجہ دھڑکنے لگا

اور خوف سے غش میں آگئی، پھر مجھے کچھ سُدھ نہیں کہ آخر کیا ہوا۔

تب سے میرا یہ احوال ہے کہ اِس پھوٹے مکان میں ہم دونوں جی پڑے رہتے ہیں۔ بادشاہ کے غصّے کے باعث اپنے رفیق سب جدا ہو گئے اور مَیں گدائی کرنے جو نکلتا ہوں، تو کوئی کوڑی نہیں دیتا۔ بلکہ دوکان پر کھڑے رہنے کے روادار نہیں، اس کم بخت لڑکی کے بدن پر لتّا نہیں کہ سر چھپاوے اور کھانے کو میسّر نہیں جو پیٹ بھر کھاوے۔ خدا سے یہ چاہتا ہوں کہ موت ہماری آوے یا زمین پھاٹے اور یہ ناشدنی سماوے، اِس جینے سے مرنا بھلا ہے۔ خدا نے شاید ہمارے ہی واسطے تجھے بھیجا ہے، جو تو نے رحم کھا کر ایک مہر دی، کھانا بھی مزیدار پکا کر کھایا اور بیٹی کی خاطر کپڑا بھی بنایا۔ خدا کی درگاہ میں شکر کیا اور تجھے دعا دی، اگر اس پر آسیب جن یا پری کا نہ ہوتا تو تیری خدمت میں لونڈی کی جگہ دیتا اور اپنی سعادت جانتا۔ یہ احوال اس عاجز کا ہے، تو اُس کے درپے مت ہو اور اس قصد سے درگذر۔

یہ سب ماجرا سنکر مَیں نے بہت منت وزاری کی، کہ مجھے اپنی فرزندی میں قبول کر، جو میری قسمت میں بدا ہو گا سو ہو گا۔ وہ پیر مرد ہرگز راضی نہ ہوا۔ شام جب ہوئی اُس سے رخصت ہو کر سرا میں آیا۔ مبارک نے کہا کہ شہزادے! مبارک ہو، خدا نے اسباب تو درست کیا ہے، بارے یہ

محنت اکارت نہ گئی۔ مَیں نے کہا، آج کتنی خوشامد کی، پر وہ اندھا بے ایمان راضی نہیں ہوتا، خدا جانے دیویگا یا نہیں۔ پر میرے دل کی یہ حالت تھی کہ رات کاٹنی مشکل ہوئی کہ کب صبح ہو تو پھر جا کر حاضر ہوں، کبھو یہ خیال آتا تھا، اگر وہ مہربان ہو اور قبول کرے، تو مبارک ملک صادق کی خاطر لے جائیگا۔ پھر کہتا بھلا ہاتھ تو آوے، مبارک کو مَنا وناکر میں عیش کرونگا۔ پھر جی میں یہ خطرہ آتا کہ اگر مبارک بھی قبول کرے، تو جنوں کے ہاتھ سے وہی نوبت میری ہوگی جو بادشاہزادے کی ہوئی، اور اس شہر کا پادشاہ کب چاہے گا کہ اُس کا بیٹا مارا جائے اور دوسرا خوشی منائے۔

تمام رات نیند اُچاٹ ہوگئی اور اسی منصوبے کے اُدھیڑبن میں کٹی، جب روز روشن ہوا میں چلا۔ چوک میں سے اچھے اچھے تھان پوشاکی اور گوٹا کناری اور میوہ خشک و تر خرید کرکے اس بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ نہایت خوش ہوکر بولا کہ سب کو اپنی جان سے زیادہ کچھ عزیز نہیں، پر اگر میری جان بھی تیرے کام آوے تو دریغ نہ کروں اور اپنی بیٹی ابھی تیرے حوالے کروں، لیکن یہی خوف آتا ہے کہ اس حرکت سے تیری جان کو خطرہ نہ ہو، کہ یہ داغ لعنت کا میرے اوپر تا قیامت رہے۔ مَیں نے کہا اب اِس بستی میں بیکس واقع ہوں، اور تم میرے دین دنیا کے باپ ہو، مَیں اس آرزو میں مدّت سے کیا کیا تباہی اور پریشانی کھینچتا ہوا اور کیسے

کیسے صدمے اُٹھاتا ہوا یہاں تک آیا، اور مطلب کا بھی سراغ پایا، خدا نے تمھیں بھی مہربان کیا جو بیاہ دینے پر رضامند ہوئے۔ لیکن میرے واسطے آگا پیچھا کرتے ہو۔ ذرا منصف ہو کر غور فرماؤ، تو عشق کی تلوار سے سر بچانا اور اپنی جان کو چھپانا کس مذہب میں درست ہے؟ ہرچہ بادا باد، میں نے سب طرح اپنے تئیں برباد دیا ہے۔ معشوق کے وصال کو میں زندگی سمجھتا ہوں۔ اپنے مرنے جینے کی مجھے کچھ پرواہ نہیں، بلکہ اگر ناامید ہونگا تو بن اجل مر جاؤنگا، اور تمہارا قیامت میں دامن گیر ہونگا۔

غرض اس گفت وشنید اور ہاں نانہ میں قریب ایک مہینے کے خوف ورجا میں گذرا، ہر روز اُس بزرگ کی خدمت میں دوڑا جاتا، اور خوشامد برآمد کیا کرتا۔ اتفاقاً وہ بوڑھا کاہلہ ہوا، میں اُس کی بیمار داری میں حاضر رہا، ہمیشہ قارورہ حکیم پاس لے جاتا، جو نسخہ لکھ دیتا اسی ترکیب سے بنا کر پلاتا اور شولا اور غذا اپنے ہاتھ سے پکا کر کوئی نوالا کھلاتا۔ ایک دن مہربان ہو کر کہنے لگا، اے جوان! تو بڑا ضدی ہے، میں نے ہرچند ساری قباحتیں کہہ سنائیں، اور منع کرتا ہوں کہ اس کام سے باز آ۔ جی ہے تو جہان ہے، پر خواہ مخواہ کوئے گرا چاہتا ہے۔ اچھا آج اپنی لڑکی سے تیرا مذکور کرونگا، دیکھوں وہ کیا کہتی ہے۔ یا فقرا اللہ! یہ خوشخبری سُنکر میں ایسا پھولا کہ کپڑوں میں نہ سمایا، آداب بجالایا اور کہا کہ اب آپ نے میرے جینے کی

فکر کی۔ رخصت ہو کر مکان پر آیا اور تمام شب مُبارک سے یہی ذکر مذکور رہا
کہاں کی نیند اور کہاں کی بھوکھ؟ صبح کو نور کے وقت پھر جا کر موجود ہوا۔
سلام کیا۔ فرمانے لگا کہ لو اپنی بیٹی ہم نے تم کو دی خدا مبارک کرے،
تم دونوں کو خدا کی حفظ و امان میں سونپا، جب تلک میرے دم میں
دم ہے میری آنکھوں کے سامھنے رہو، جب میری آنکھ مند جائیگی جو
تمہارے جی میں آویگا سو کیجو مختار ہو۔

کتنے دن پیچھے وہ مرد بزرگ جاں بحق تسلیم ہوا، رو پیٹ کر تجہیز تکفین
کیا۔ بعد تیجے کے اُس نازنین کو مبارک ڈولے کر کر کاروان سرا میں لے
آیا، اور مجھ سے کہا کہ یہ امانت ملک صادق کی ہے۔ خبردار خیانت نہ کیجو
اور یہ محنت مشقت برباد نہ دیجو۔ مَیں نے کہا اے کاکا! ملک صادق
یہاں کہاں ہے، دل نہیں مانتا، میں کیونکر صبر کروں؟ جو کچھ ہو سو ہو،
جیوں یا مروں، اب تو عیش کر لوں۔ مبارک نے دق ہو کر ڈانٹا کہ لڑکپن
نہ کرو، ابھی ایک دم میں کچھ کا کچھ ہو جاتا ہے۔ ملک صادق کو دور جانتے ہو
جو اُس کا فرمانا نہیں مانتے ہو؟ اُس نے چلتے وقت پہلے ہی اُونچ نیچ
سب سمجھا دی ہے، اگر اُس کے کہنے پر رہو گے اور صحیح سلامت اُس
کو وہاں تک لے چلو گے تو وہ بھی پادشاہ ہے، شاید تمہاری محنت پر توجّہ
کر کے تھوں کو بخش دے تو کیا اچھی بات ہووے، بیت کی بیت رہے

اور میت کا میت ہاتھ لگے۔

بارے اُس کے ڈرانے اور سمجھانے سے میں حیران ہو کر چپکا ہو رہا دو سانڈنیاں خریدکیں، اور کجاوُں پر سوار ہو کر ملک، صادق کے مُلک کی راہ لی۔ چلتے چلتے ایک میدان میں آواز غل شور کی آنے لگی۔ مبارک نے کہا شکر خدا کا ہماری محنت نیک لگی، یہ لشکر جنّوں کا آپہنچا، بارے مبارک نے اُن سے مِل جل کر پوچھا کہ کہاں کا ارادہ کیا ہے؟ وہ بولے کہ بادشاہ نے تمہارے استقبال کے واسطے ہمیں تعینات کیا ہے۔ اب تمہارے فرمانبردار ہیں، اگر کہو تو ایک دم میں روبرو لے چلیں۔ مبارک نے کہا دیکھو کس کس محنتوں سے خدا نے بادشاہ کے حضور میں ہمیں سرخ رو کیا، اب جلدی کیا ضرور ہے؟ اگر خدانخواستہ کچھ خلل ہوجاوے، تو ہماری محنت اکارت ہو اور جہاں پناہ کی غضبی میں پڑیں۔ سبھوں نے کہا کہ اس کے تم مختار ہو، جس طرح جی چاہے چلو۔ اگرچہ سب طرح کا آرام تھا، پر رات دن چلنے سے کام تھا۔

جب نزدیک جا پہنچے میں مبارک کو سوتا دیکھ کر اُس نازنین کے قدموں پر سر رکھ کر اپنے دل کی بیقراری اور ملک صادق کے سبب سے لاچاری نہایت منت وزاری سے کہنے لگا، کہ جس روز سے تمہاری تصویر دیکھی ہے خواب وخورش اور آرام مَیں نے اپنے اوپر حرام کیا ہے۔ اب

جو خدا نے یہ دن دکھایا تو محض بیگانہ ہو رہا ہوں۔ فرمانے لگی کہ میرا بھی دل تمہاری طرف مائل ہے، کہ تم نے میری خاطر کیا کیا ہرج مرج اُٹھایا اور کس کس مشقتوں سے لے آئے ہو۔ خدا کو یاد کرا اور مجھے بھول نہ جائیو۔ دیکھو تو پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے۔ یہ کہکر ایسی بے اختیار ڈاڑھ مار کر روئی کہ ہچکی لگ گئی۔ ادھر میرا یہ حال، اُدھر اُس کا وہ احوال۔ اِس میں مبارک کی نیند ٹوٹ گئی، وہ ہم دونوں مشتاقوں کا رونا دیکھ کر رونے لگا اور بولا، خاطر جمع رکھو۔ ایک روغن میرے پاس ہے اُس گلبدن کے بدن میں مَل دونگا، اُس کی بُو سے ملکِ صادق کا جی ہٹ جائے گا، غالب ہے کہ تمھیں کو بخش دے۔

مبارک سے یہ تدبیر سُنکر دل کو ڈھارس ہو گئی، اُس کے گلے سے لگ کر لاڑ کیا اور کہا، اے دادا اب تو میرے باپ کی جگہ ہے۔ تیرے باعث میری جان بچی۔ اَب بھی ایسا کام کر جس میں میری زندگانی ہو نہیں تو اِس غم میں مرجاؤنگا۔ اُس نے ڈھیر سی تسلّی دی۔ جب روز روشن ہوا آواز جنّوں کی معلوم ہونے لگی، دیکھا تو کئی خواص ملک صادق کے آئے ہیں اور دوسری پاؤ بھاری ہمارے لئے لائے ہیں اور ایک چوڈول موتیوں کی توڑ پڑی ہوئی اُن کے ساتھ ہے۔ مُبارک نے اُس نازنین کو وہ تیل مَل دیا اور پوشاک پہنا بناؤ کروا کر ملکِ صادق کے پاس لیچلا۔ بادشاہ

نے دیکھکر مجھے بہت سرفراز کیا اور عزت وحرمت سے بٹھایا اور فرمانے
لگا کہ تجھ سے مَیں ایسا سلوک کرونگا کہ کسونے آج تک کسو سے نہ کیا ہو گا
بادشاہت تو تیرے باپ کی موجود ہے، علاوہ اب تو میرے بیٹے کی جگہ ہوا
یے توجہ کی باتیں کر رہا تھا، اتنے میں وہ نازنین بھی روبرو آئی، اُس روغن
کی بُو سے یک بہ یک دماغ پراگندہ ہوا اور حال بے حال ہوگیا۔ تاب اُس
باس کی نہ لا سکا، اُٹھ کر باہر چلا گیا اور ہم دونوں کو بُلوایا اور مبارک کی طرف
متوجہ ہوکر فرمایا کہ کیوں جی! خوب شرط بجالائے۔

مَیں نے خبردار کر دیا تھا کہ اگر خیانت کروگے تو خفگی میں پڑوگے۔ یہ
بُو کیسی ہے، اب دیکھو تمہارا کیا حال کرتا ہوں۔ بہت جز بز ہوا، مبارک
نے مارے ڈر کے اپنا ازار بند کھول کر دکھا دیا۔ کہ پادشاہ سلامت! جب
حضور کے حکم سے اُس کام کے ہم متعین ہوئے تھے، غلام نے پہلے ہی
اپنی علامت کاٹ کر ڈبیا میں بند کر کے سر بہ مہر سرکار کے خزانچی کے سپرد
کردی تھی، اور مرہم سلیمانی لگا کر روانہ ہوا تھا۔ مبارک سے یہ جواب سنکر
تب میری طرف آنکھیں نکال کے گھورا اور کہنے لگا، تو یہ تیرا کام ہے! اور
تَیش میں آکر منہ سے بُرا بھلا بکنے لگا۔ اُس وقت اُس کے بت کہاؤ سے یوں
معلوم ہوتا تھا کہ شاید جان سے مجھے مروا ڈالے گا۔ جب مَیں نے اُس کے
بُشرے سے یہ دریافت کیا، اپنے جی سے ہاتھ دھو کر اور جان کھو کر سر غلاف

مبارک کی کمر سے کھینچ کر ملک صادق کی توند میں ماری۔ چھری کے لگتے ہی نہڑا اور جھو نما، میں نے حیران ہو کر جانا کہ مقرر مر گیا۔ پھر اپنے دل میں خیال کیا کہ زخم تو ایسا کاری نہیں لگا، یہ کیا سبب ہوا؟ میں کھڑا دیکھتا تھا کہ وہ زمین پر لوٹ لاٹ گیند کی صورت بن کر آسمان کی طرف اُڑ چلا۔ ایسا بلند ہوا کہ آخر نظروں سے غائب ہو گیا۔ پھر ایک پل کے بعد بجلی کی طرح کڑکتا اور غصّے میں کچھ بے معنی بکتا ہوا نیچے آیا۔ اور مجھے ایک لات ماری کہ میں تیورا کر چاروں شانے چت گر پڑا اور جی ڈوب گیا۔ خدا جانے کتنی دیر میں ہوش آیا، آنکھیں کھول کر جو دیکھا تو ایک ایسے جنگل میں پڑا ہوں کہ جہاں سوائے کیکڑ اور ٹینٹی اور جھڑبیری کے درختوں کے کچھ اور نظر نہیں آتا، اب اس گھڑی عقل کچھ کام نہیں کرتی کہ کیا کروں اور کہاں جاؤں! نا امیدی سے ایک آہ بھر کر ایک طرف کی راہ لی، اگر کہیں کوئی آدمی کی صورت نظر پڑتی تو ملک صادق کا نام پوچھتا۔ وہ دیوانہ جانکر جواب دیتا کہ ہم نے تو اس کا نام بھی نہیں سُنا۔

ایک روز پہاڑ پر جا کر میں نے یہی ارادہ کیا کہ اپنے تئیں گرا کر ضائع کروں، جوں مستعد گرنے کا ہوا وہی سوار صاحبِ ذوالفقار برقع پوش آ پہنچا اور بولا۔ کہ کیوں تو اپنی جان کھوتا ہے؟ آدمی پر دُکھ درد سب ہوتا ہے۔ اب تیرے بُرے دن گئے اور بھلے دن آئے، جلد روم کو جا، تین

شخص ایسے ہی آگے گئے ہیں، اُن سے ملاقات کر اور وہاں کے سلطان سے مل تم پانچوں کا مطلب ایک ہی جگہ ملے گا۔ اِس فقیر کی سَیر کا یہ ماجرا ہے جو عرض کیا۔ بارے بشارت سے اپنے مولا مشکلکشا کی مرشدوں کی حضور میں آ پہنچا ہوں، اور پادشاہ ظل اللہ کی بھی ملازمت حاصل ہوئی۔ چاہیئے کہ اب سب کی خاطر جمع ہو۔

یے باتیں چار درویش اور پادشاہ آزاد بخت میں ہو رہیں تھیں، کہ اتنے میں ایک محلی پادشاہ کے محل میں سے دوڑا ہوا آیا اور مبارکباد کی تسلیمیں پادشاہ کے حضور بجالایا اور عرض کی، کہ اس وقت شاہزادہ پیدا ہوا کہ آفتاب و مہتاب اُس کے حُسن کے روبرو شرمندہ ہیں۔ پادشاہ نے متعجب ہو کر پوچھا کہ ظاہر میں تو کسو کو حمل نہ تھا، یہ آفتاب کس کے برجِ حمل سے نمود ہوا؟ اُس نے التماس کیا کہ ماہ رو خواص جو بہت دنوں سے غضب پادشاہی میں پڑی تھی، بیکسوں کی مانند ایک کونے میں رہتی تھی اور مارے ڈر کے اُس کے نزدیک کوئی نہ جاتا نہ احوال پوچھتا تھا۔ اُس پر یہ فضلِ الٰہی ہوا کہ چاند سا بیٹا اُس کے پیٹ سے پیدا ہوا۔

پادشاہ کو ایسی خوشی حاصل ہوئی کہ شاید شادی مرگ ہو جائے۔ چاروں فقیر نے بھی دعا دی، کہ بھلا بابا! تیرا گھر آباد رہے اور اُس کا قدم مبارک ہو، تیرے سائے کے تلے بوڑھا بڑا ہو۔ پادشاہ نے کہا یہ تمہارے

قدم کی برکت ہے۔ واِلّا نہ تو اپنے سان وگمان میں بھی یہ بات نہ تھی۔ اجازت ہو تو جاکر دیکھوں۔ درویشوں نے کہا، بسم اللہ سدھاریئے۔ بادشاہ محل میں تشریف لے گئے۔ شہزادے کو گود میں لیا اور شکر پروردگار کی جناب میں کیا۔ کلیجہ ٹھنڈا ہوا۔ وونھیں چھاتی سے لگائے ہوئے لاکر فقیروں کے قدموں پر ڈالا۔ درویشوں نے دعائیں پڑھکر جھاڑ پھونک دیا۔ بادشاہ نے جشن کی تیاری کی، دوہری نوبتیں جھڑنے لگیں، خزانے کا منہ کھول دیا، داد ودہش سے ایک کوڑی کے محتاج کو لکھ پتی کر دیا۔ ارکانِ دولت جتنے تھے سب کو دو چند جاگیر و منصب کے فرمان ہوگئے۔ جتنا لشکر تھا، اُنھیں پانچ برس کی طلب انعام ہوئی۔ مشائخ اور اکابر کو مدد معاش اور التمغا عنایت ہوا۔ بے نواؤں کے بیتے اور ٹکر گداؤں کے چپلے اشرفی اور روپیوں کی کھچڑی سے بھر دیئے، اور تین برس کا خزانہ رعیت کو معاف کیا، کہ جو کچھ بوویں جوتیں دونوں حصے اپنے گھروں میں اُٹھا لیجائیں۔

تمام شہر میں ہزاری بزاری کے گھروں میں جہاں دیکھو وہاں تھئی تھئی ناچ ہو رہا ہے۔ مارے خوشی کے ہر ایک ادنا اعلا بادشاہِ وقت بن بیٹھا۔ عین شادی میں ایک بارگی اندرونِ محل سے رونے پیٹنے کا غُل اُٹھا۔ خواصیں اور ترکنیاں اور اُردا بیگنیاں اور محلی خوجے سر میں خاک ڈالتے ہوئے باہر نکل آئے اور بادشاہ سے کہا، کہ جس وقت شہزادے کو

نہلا دُھلا کر دائی کی گود میں دیا ایک ابر کا ٹکڑا آیا اور دائی کو گھیر لیا۔ بعد ایک دم کے دیکھیں تو انگا بے ہوش پڑی ہے، اور شہزادہ غائب ہوگیا۔ یہ کیا قیامت ٹوٹی! بادشاہ یہ تعجبات سنکر حیران ہو رہا، اور تمام مُلک میں داویلا پڑی۔ دو دن تلک کسو کے گھر ہانڈی نہ چڑھی، شہزادے کا غم کھاتے اور اپنا لہو پیتے تھے۔

غرض زندگانی سے لاچار تھے جو اس طرح جیتے تھے، جب تیسرا دن ہوا، وہی بادل پھر آیا اور ایک پنگھوڑا جڑاؤ موتیوں کی توڑ پڑی ہوئی لایا۔ اُسے محل میں رکھ کر آپ ہوا ہوا۔ لوگوں نے شہزادے کو اس میں انگوٹھا چوستے ہوئے پایا بادشاہ بیگم نے جلدی بلائیں لیکر ہاتھوں میں اُٹھا کر چھاتی سے لگا لیا۔ دیکھا تو کرتا آبِ رواں کا موتیوں کا در دامن ٹکا ہوا گلے میں ہے، اور اُس پر شلوکا تمامی کا پہنا تا ہے، اور ہاتھ پانؤں میں کھڑوے مرصع کے اور گلے میں ہیکل نورتن کی پڑی ہے، اور جھنجھنا چُسنی چٹے بٹے جڑاؤ دھرے ہیں۔ سب مارے خوشی کے واری پھیری ہونے لگیں۔ اور دعائیں دینے لگیں کہ تیری ماکا پیٹ ٹھنڈا رہے، اور تو بوڑھا آڑھا ہو۔

بادشاہ نے ایک بڑا محل نیا تعمیر کروا کر اور فرش بچھوا اُس میں درویشوں کو رکھا۔ جب سلطنت کے کام سے فراغت ہوتی تب آن بیٹھتے اور سب طرح سے خدمت اور خبر گیری کرتے، لیکن ہر چاند کی نوچندی

جُمعرات کو وہی پارۂ ابر آتا، اور شہزادے کو لے جاتا۔ بعد دو دن کے تحفہ کھلونے اور سوغاتیں ہر ایک ملک کی اور ہر ایک قسم کی شہزادے کے ساتھ لے آتا جن کے دیکھنے سے عقل انسان کی حیران ہو جاتی۔ اِسی قاعدے سے بادشاہزادے نے خیریت سے ساتویں برس میں پانوٗں دیا۔ عین سالگرہ کے روز بادشاہ آزاد بخت نے فقیروں سے کہا، کہ سائیں اللہ! کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ شہزادے کو کون لیجاتا ہے، اور پھر دے جاتا ہے، بڑا تعجب ہے، دیکھیئے انجام اس کا کیا ہوتا ہے۔ درویشوں نے کہا ایک کام کرو، ایک شقہ شوقیہ اس مضمون کا لکھکر شہزادے کے گہوارے میں رکھ دو، کہ تمہاری مہربانگی اور محبّت دیکھ کر اپنا بھی دل مشتاق ملاقات کا ہوا ہے۔ اگر دوستی کی راہ سے اپنے احوال کی اطلاع دیجیئے تو خاطر جمع ہو اور حیرانی بالکل دفع ہو۔ بادشاہ نے موافق صلاح درویشوں کے افشانی کاغذ پر ایک رقعہ اِسی عبارت کا ترقیم کیا اور مہدِ زرّیں میں رکھ دیا۔

شہزادہ بموجب قاعدۂ قدیم کے غائب ہوا، جب شام ہوئی آزاد بخت درویشوں کے بستروں پر آکر بیٹھے اور کلمہ کلام ہونے لگا۔ ایک کاغذ لپٹا ہوا بادشاہ کے پاس آپڑا، کھول کر پڑھا، تو جواب اُسی شقّے کا تھا، یہی دو سطریں لکھی تھیں، کہ ہمیں بھی اپنا مشتاق جانیئے، سواری کے لئے تخت جاتا ہے، اِس وقت اگر تشریف لایئے تو بہتر ہے، باہم ملاقات ہو سب اسباب

عیش و طرب کا مہیا ہے، صاحب ہی کی جگہ خالی ہے۔ بادشاہ آزاد بخت درویشوں کو ہمراہ لیکر تخت پر بیٹھے، وہ تخت حضرت سلیمان کے تخت کے مانند ہوا پر چلا۔ رفتہ رفتہ ایسے مکان پر جا اُترے کہ عمارت عالی شان اور تیاری کا سامان نظر آتا ہے۔ لیکن یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہاں کوئی ہے یا نہیں۔ اتنے میں کسو نے ایک ایک سلائی سلیمانی سرمے کی ان پانچوں کی آنکھوں میں پھیر دی۔ دو دو بوندیں آنسو کی ٹپک پڑیں، پریوں کا اکھاڑا دیکھا کہ استقبال کی خاطر گلاب پاشیں لیئے ہوئے اور رنگ بہ رنگ کے جوڑے پہنے ہوئے کھڑا ہے۔

آزاد بخت آگے چلے تو دو رویہ ہزاروں پری زاد مؤدب کھڑے ہیں اور صدر میں ایک تخت زمرد کا دھرا ہے۔ اُس پر ملکِ شہپال شاہ رُخ کا بیٹا تکیئے لگائے بڑے تزک سے بیٹھا ہے اور ایک پری زاد لڑکی روبرو بیٹھی شہزادہ بختیار کے ساتھ کھیل رہی ہے، اور دونوں بغل میں کرسیاں اور صندلیاں قرینے سے بچھی ہیں، اُن پر عمدہ پری زاد بیٹھے ہیں۔ ملکِ شہپال بادشاہ کو دیکھتے ہی سرو قد اُٹھا اور تخت سے اُتر کر بغلگیر ہوا اور ہاتھ میں ہاتھ پکڑے اپنے برابر تخت پر لاکر بٹھایا اور بڑے تپاک اور گرم جوشی سے باہم گفتگو ہونے لگی۔ تمام روز ہنسی خوشی کھانے اور میوے اور خوشبوؤں کی ضیافت رہی، اور راگ و رنگ سنا کیئے۔ دوسرے دن جب پھر دونوں

پادشاہ جمع ہوئے، شہبال نے پادشاہ سے درویشوں کے ساتھ لانے کی کیفیت پوچھی۔

بادشاہ نے چاروں بے نواؤں کا ماجرا جو سنا تھا مفصل بیان کیا اور سفارش کی اور مدد چاہی۔ کہ انھوں نے اتنی محنت اور مصیبت کھینچی ہے۔ آپ صاحب کی توجہ سے اگر اپنے اپنے مقصد کو پہنچیں تو ثواب عظیم ہے، اور یہ مخلص بھی تمام عمر شکر گذار رہیگا۔ آپ کی نظرِ توجہ سے اُن سب کا بیڑا پار ہوتا ہے۔ ملک شہبال نے سنکر کہا بسر و چشم۔ مَیں تمھارے فرمانے سے قاصر نہیں۔ یہ کہکر نگاہِ گرم سے دیووں اور پریوں کی طرف دیکھا، اور بڑے بڑے جن جو جہاں سردار تھے ان کو نامے لکھے، کہ اس فرمان کے دیکھتے ہی اپنے تئیں حضور پرنور میں حاضر کرو۔ اگر کسی کے آنے میں توقف ہوگا تو اپنی سزا پاوے گا، اور پکڑا ہوا آوے گا اور آدم زاد خواہ عورت خواہ مرد جس کے پاس ہو اُسے اپنے ساتھ لیئے آوے۔ اگر کوئی پوشیدہ کر رکھے گا اور ثانی الحال ظاہر ہوگا، تو اُس کا زن و بچہ کولھو میں پیڑا جائے گا اور اس کا نام و نشان باقی نہ رہے گا۔

یہ حکمنامہ لیکر دیو چاروں طرف متعین ہوئے۔ یہاں دونوں بادشاہوں میں صحبت گرم ہوئی اور باتیں اختلاط کی ہونے لگیں۔ اُس میں ملک شہبال درویشوں سے مخاطب ہوکر بولا۔ کہ اپنے تئیں بھی بڑی آرزو لڑکے ہونے

کی تھی، اور دل میں یہ عہد کیا تھا کہ اگر خدا بیٹا دے یا بیٹی تو اُس کی شادی بنی آدم کے بادشاہ کے یہاں جو لڑکا پیدا ہوگا اُس سے کرونگا۔ اِس نیت کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ بادشاہ بیگم پیٹ سے ہیں۔ بارے دن اور گھڑیاں اور مہینے گنتے گنتے پورے دن ہوئے، اور یہ لڑکی پیدا ہوئی موافق وعدے کے تلاش کرنے کے واسطے عالم جنیات کو مَیں نے حکم کیا، چاروانگ دنیا میں جستجو کرو، جس بادشاہ یا شہنشاہ کے یہاں فرزند پیدا ہوا ہو اُس کو بہ جنس احتیاط سے جلد اُٹھا کرلے آؤ۔ وہ ھیں بہ موجب فرمان کے پریزاد چاروں سمت پراگندہ ہوئے، بعد دیر کے اِس شہزادے کو میرے پاس لے آئے۔

میں نے شکر خدا کا کیا اور اپنی گود میں لے لیا، اپنی بیٹی سے زیادہ اُس کی محبت میرے دل میں پیدا ہوئی۔ جی نہیں چاہتا کہ ایک دم نظروں سے جُدا کروں، لیکن اس خاطر بھیج دیتا ہوں، کہ اگر اُس کے ماباپ نہ دیکھیں گے تو ان کا کیا احوال ہوگا۔ لہذا ہر مہینے میں ایک بار منگا لیتا ہوں، کئی دن اپنے نزدیک رکھ کر پھر بھیج دیتا ہوں۔ انشاء اللہ تعالیٰ اب ہمارے تمہارے ملاقات ہوئی اُس کی کتخدائی کر دیتا ہوں، موت حیات سب کو لگی پڑی ہے۔ بھلا جیتے جی اِن کا سہرا دیکھ لیں۔

پادشاہ آزاد بخت یے باتیں ملک شہپال کی سنکر اور اُسکی خوبیاں

دیکھ کر نہایت محظوظ ہوئے اور بولے، پہلے ہم کو شہزادے کے غائب ہو جانے
اور پھر آنے سے عجب عجب طرح کے خطرے دل میں آتے تھے، لیکن اب
صاحب کی گفتگو سے تسلی ہوئی۔ یہ بیٹا اب تمہارا ہے، جس میں تمہاری
خوشی ہو سو کیجے۔ غرض دونوں پادشاہوں کی صحبت مانند شکر شیر کے
رہتی اور عیش کرتے۔ دس پانچ دن کے عرصے میں بڑے بڑے پادشاہ
گلستانِ ارم کے اور کوہستان کے اور جزیروں کے (جن کے طلب کی
خاطر لوگ تعینات ہوئے تھے) سب آکر حضور میں حاضر ہوئے۔ پہلے
ملک صادق سے فرمایا کہ تیرے پاس جو آدم زاد ہے حاضر کر۔ اس نے نپٹ
غم و غصہ کھا کر لاچار اس گلعذار کو حاضر کیا، اور ولایت عمّان کے بادشاہ سے
شہزادی جنّ کی (جس کے واسطے شہزادہ ملک نیمروز کا گاؤسوار ہو کر سودائی
بنا تھا) مانگی۔ اُس نے بھی بہت سی عذر معذرت کر کے حاضر کی۔ جب بادشاہ
فرنگ کی بیٹی اور بہزاد خاں کو طلب کیا سب منکر پاک ہوئے، اور حضرت
سلیمان کی قسم کھانے لگے۔

آخر دریائے قلزم کے پادشاہ سے جب پوچھنے کی نوبت آئی، تو وہ
سر نیچا کر کے چپ ہو رہا۔ ملک شہپال نے اس کی خاطر کی، اور قسم دی
اور امیدوار سرفرازی کا کیا اور کچھ دھونس دھڑکا بھی دیا۔ تب وہ بھی
ہاتھ جوڑ کر عرض کرنے لگا۔ کہ پادشاہ سلامت! حقیقت یہ ہے کہ جب بادشاہ

اپنے بیٹے کے استقبال کی خاطر دریا پر آیا اور شہزادے نے مارے جلدی کے گھوڑا دریا میں ڈالا۔ اتفاقاً میں اُس روز سیر و شکار کی خاطر نکلا تھا۔ اُس جگہ میرا گذر ہوا، سواری کھڑی کر کے یہ تماشا دیکھ رہا تھا۔ اِس میں شہزادی کو بھی گھوڑی دریا میں لے گئی۔ میری نگاہ جو اُس پر پڑی، دل بے اختیار ہوا، پری زادوں کو حکم کیا کہ شہزادی کو مع گھوڑی لے آؤ۔ اُس کے پیچھے بہزاد خاں نے گھوڑا پھینکا، جب وہ بھی غوطے کھانے لگا اُس کی دلاوری اور مردانگی پسند آئی، اُس کو بھی ہاتھوں ہاتھ پکڑ لیا۔ اُن دونوں کو لیکر میں نے سواری پھیری۔ سو وے دونوں صحیح سلامت میرے پاس موجود ہیں۔

یہ احوال کہکر دونوں کو روبرو بلایا، اور سلطان شام کی شہزادی کی تلاش بہت کی، اور سبھوں سے بہ سختی و ملایمت استفسار کیا، لیکن کسو نے حامی نہ بھری اور نہ نام و نشان بتایا۔ تب ملک شہبال نے فرمایا کہ کوئی بادشاہ یا سردار غیر حاضر بھی ہے یا سب آچکے؟ جنّوں نے عرض کی کہ جہاں پناہ! سب حضور میں آئے ہیں مگر ایک مسلسل جادو جس نے کوہ قاف کے پردے میں ایک قلعہ جادو کے علم سے بنایا ہے، وہ اپنے غرور سے نہیں آیا ہے، اور ہم غلاموں کو طاقت نہیں جو بزور اس کو پکڑ لادیں۔ وہ بڑا قلب مکان ہے، اور وہ خود بھی بڑا شیطان ہے۔

یہ سُنکر ملک شہبال کو طیش آیا اور لڑاکی فوج جنّوں اور عفریتوں اور پریزادوں کی تعینات کی اور فرمایا، اگر راستی میں اُس شہزادی کو ساتھ لیکر حاضر ہو فبہا، واِلّا نہ اُس کو زیر و زبر کر کے مُشکیں باندھ کر لے آؤ، اور اُس کے گڑھ اور ملک کو نیست نابود کر کے گدہے کا ہل پھروا دو۔ وونہیں حکم ہوتے ہی ایسی کتنی فوج روانہ ہوئی کہ ایک آدھ دن کے عرصے میں ویسے جوش خروش والے سرکش کو حلقہ بگوش کر کے پکڑ لائے اور حضور میں دست بستہ کھڑا کیا۔ ملک شہبال نے ہر چند سرزنش کر کے پوچھا لیکن اُس مغرور نے سوائے ناںھ کے ہاں نہ کی۔ نہایت کو غصے ہو کر فرمایا کہ اِس مردود کے بند بند جدا کرو۔ اور کھال کھینچ کر بھُس بھرو، اور پری زاد کے لشکر کو تعین کیا کہ کوہ قاف میں جا کر ڈھونڈھ ڈھانڈھ کر پیدا کرو۔ وہ لشکر متعینہ شہزادی کو بھی تلاش کر کے لے آیا، اور حضور میں پہنچایا۔ اُن سب اسیروں نے اور چاروں فقیروں نے ملک شہبال کا حکم اور انصاف دیکھ کر دعائیں دیں اور شاد ہوئے۔ بادشاہ آزاد بخت بھی بہت خوش ہوا۔ تب ملک شہبال نے فرمایا کہ مردوں کو دیوان خاص میں اور عورتوں کو بادشاہی محل میں داخل کرو، اور شہر میں آئینہ بندی کا حکم کرو اور شادی کی تیاری جلدی ہو۔ گویا حکم کی دیر تھی

ایک روز نیک ساعت اور مبارک مہورت دیکھ کر شہزادۂ بختیار کا

عقد اپنی بیٹی روشن اختر سے باندھا، اور خواجہ زادۂ یمن کو دمشق کی شہزادی سے بیاہا، اور ملک فارس کے شہزادے کا نکاح بصرے کی شہزادی سے کردیا، اور عجم کے بادشاہزادے کو فرنگ کی ملکہ سے منسوب کیا، اور نیمروز کے بادشاہ کی بیٹی کو بہزاد خاں کو دیا، اور شہزادۂ نیمروز کو جن کی شہزادی حوالے کی، اور چین کے شہزادے کو اس پیر مرد عجمی کی بیٹی سے (جو ملک صادق کے قبضے میں تھی) کتخدا کیا۔ ہر ایک نامراد بہ دولت ملک شہپال کے اپنے اپنے مقصد اور مراد کو پہنچا۔ بعد اُس کے چالیس دن تلک جشن فرمایا اور عیش و عشرت میں رات دن مشغول رہے۔

آخر ملک شہپال نے ہر ایک بادشاہ زادے کو تحفے اور سوغاتیں اور مال اسباب دے دے کر اپنے اپنے وطن کو رخصت کیا۔ سب بہ خوشی و خاطر جمعی روانہ ہوئے، اور بہ خیر و عافیت جا پہنچے، اور بادشاہت کرنے لگے۔ مگر ایک بہزاد خاں اور خواجہ زادہ یمن کا اپنی خوشی سے بادشاہ آزاد بخت کی رفاقت میں رہے۔ آخر یمن کے خواجہ زادہ کو خانساماں اور بہزاد خاں کو میر بخشی شہزادۂ صاحب اقبال یعنی بختیار کی فوج کا کیا۔ جب تلک جیتے رہے عیش کرتے رہے۔ الٰہی! جس طرح یہ چاروں درویش اور پانچواں بادشاہ آزاد بخت اپنی مراد کو پہنچے، اسی طرح ہر ایک نامراد کا مقصد دلی اپنے کرم اور فضل سے برلا، بہ طفیل پنجتن پاک، دوازدہ امام

چہاردہ معصوم (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کے، آمین یا اللہ العلمین۔

خاتمۂ کتاب میں

جب یہ کتاب فضلِ الٰہی سے اختتام کو پہنچی، جی میں آیا کہ اس کا نام بھی ایسا رکھوں کہ اُسی میں تاریخ نکلے۔ جب حساب کیا تو بارہ سو پندرہ ہجری کے آخر سال میں کہنا شروع کیا تھا۔ باعث عدم فرصت کے بارہ سو سترہ سن کی ابتدا میں انجام ہوئی۔ اِس فکر میں تھا کہ دل نے کہا **باغ و بہار** اچھا نام ہے، کہ ہم نام و ہم تاریخ اس میں نکلتی ہے، تب مَیں نے یہی نام رکھا۔ جو کوئی اس کو پڑھے گا گویا باغ کی سیر کرے گا، بلکہ باغ کو آفت خزاں کی بھی ہے، اور اس کو نہیں، یہ ہمیشہ سرسبز رہیگا۔

مرتّب ہوا جب یہ **باغ و بہار** ۔۔۔ تھی سن بارہ سو سترہ درشمار
کرو سَیر اَب اس کی تم رات دن ۔۔۔ کہ ہے نام و تاریخ **باغ و بہار**
خزاں کا نہیں اِس میں آسیب کچھ ۔۔۔ ہمیشہ تروتازہ ہے یہ بہار
مرے خونِ دل سے یہ سیراب ہے ۔۔۔ اور لختِ جگر کے ہیں سب برگ و بار
مجھے بھول جاویں گے سب بعدِ مرگ ۔۔۔ رہے گا مگر یہ سخن یادگار
اِسے جو پڑھے یاد مجھ کو کرے ۔۔۔ یہی قاریوں سے مرا ہے قرار

خطا گر کہیں ہو تو رکھیو معاف   کہ پھولوں میں پوشیدہ رہتا ہے خار

ہے انساں مرکب ز سہو و خطا   یہ چُوکے گا ہر چند ہو ہوشیار

مَیں اِس کے سوا چاہتا کچھ نہیں   یہی ہے دعا میری اے کردگار

تری یاد میں مَیں رہوں دمبدم   کٹے اِس طرح میرا لیل و نہار

نہ پرسش کی سختی ہو مجھ پر کبھو   نہ شب گور کی اور نہ روزِ شمار

تو کَونین میں لطف پر لطف رکھ   خُدایا بحقِ رسولِ کبار

فرہنگِ الفاظ

اُبرا لاکرنا حمایت کرنا
اُتچھلنا اُنڈیلنا
ادقچہ بالاپوش، پلنگ پوش وغیرہ،
اِڑانا ایڑی میں ڈالنا، پانوٗمیں پہننا،
اِنوٹھی انوکھی،
اُگت بڑھنا، پیدا ہونا اُبج
باریدار ملازم جو باری لیکر کام کرتا ہے، باری والا
باعث ہونا ترغیب دینا صلا کرنا، دعوت دینا
باوٗبتاس آسیب، سایہ
بت کہاوٗ بات چیت
بتیانا باتیں کرنا
بُجھرا کوزہ، آبخورہ
برواری باربرداری
بستر لباس
بندی آرائش کی چیز کمر یا سر میں
بندیوان قیدی

بہلیا (بہیلیا) خدمتگار تیر کمان کے ساتھ، شکاری خدمتگار۔
بہنا (ہوا کا) ہوا کا چلنا
بیرن بھائی۔
بھچنیا ایک قسم کی آتشبازی
بھگتیا ناچنے والا، نچنیا
بھگنا بھائی
بھونڈپیری، منحوس قدم، سبز قدم
بھوہی کہار، حمال
بھیدو بھیدی، رازدار
بھینٹ ملاقات۔ مٹھ بھیڑ
پال چھوٹا خیمہ
پرتگ سوار کا سامان جو ایک گھوڑے

یا بیل پر لاد کرلے جاسکیں۔

پرچھا صاف ہوجانا، جیسے آسمان یا فضا کا بعد بارش، یا تاریکی کا رفع ہونا، بٹیر یا ہوم کا چھٹ جانا۔

پٹیلی ایک چھوٹے پیندے کی کشتی،

پکھروٹا سنہری ورق جسمیں پان لپیٹ دیا جاتا ہے،

پلشت بدذات، بیسوا وغیرہ

بلوار سامان لے جانے کی کشتی

پن بھتّا اُبالے ہوئے چاولوں یا خشکے کو پانی میں بھگو کر رکھنا اور اُس کا پانی پینا۔

پِنڈت خانہ، محبس، قید خانہ

پنڈھلانا پھسلانا،

پنسوی ایک چھوٹی کشتی

پنگھولا پنگوڑا،

پوکھر جوہڑ، تالاب،

پیٹی صندوقچہ،

پیکھنا پُتلیوں کا تماشا، نقل (دل لگی)

پھانکڑا لچا لفنگا،

پھڑ جوے کھیلنے کی جگہ

پھُسا ہندا گھناونا بدبودار، نفرت انگیز،

پھینٹھری پیڑی

پھینچنا مروڑ کر پانی نکالنا (بھیگے ہوئے کپڑے سے)

ترپولیا مکان یا دروازہ جس کے سامنے تین محرابیں ہوں، مکان جس کے تین دروازے ہوں۔

تلپھنا تڑپنا،

تگّش ترکش

تکینی چھوٹا تکیہ

تنکی ایک قسم کی بہت پتلی خستہ روٹی (آٹا پانی اور تھوڑی سی شکر ملا کر پکاتے ہیں)

تہ پوش عورت کا پائجامہ (ساری کے نیچے کا)

تیہا غصہ، غضب

تھلکنا دھڑکنا

ٹُنڈیاں کسنا یا باندھنا، مُشکیں کسنا،

ٹُنگیانا ایڑ لگانا،

ٹھیپ آگ کا ٹھیکرا، وہ ٹھیکرا جس میں فقیر آگ رکھتے ہیں۔

ٹینٹی کریل کا پھل

ثابت خانی، سپاہی خدمتگار

جاہی ایک قسم کی آتشبازی

جس شہرت، نام

جوگنی درگا (کالی) کی خادمہ، ایک جادوگرنی، چڑیل وغیرہ "جوگنی کو پیٹھ دیکر وہاں سے کوچ کیا" یعنی کوئی سعد روز مقرر کرکے روانہ ہوا)

جونسرا بھونرا، تہ خانہ، الگ مکان

جوہی ایک قسم کی آتشبازی

جھلابور چمکیلا، فوق البھڑک، مرصع،

جیھٹر پانی سے بھرے ہوئے گھڑوں کا ایک اوپر رکھا ہوا

چارقب ایک قسم کا لباس، قب صدری کا سا

چارگُردے کے گھوڑے۔ بڑے دم خم کے (گھوڑے)

چاؤچوز چاؤچوچلا، نازونعمت،

چٹابٹا بچوں کا ایک کھلونا

چُٹلا چٹیا

چُماق عہدے کا نشان، لوہے یا لکڑی کا عصا، ڈنڈا،

چملا بھیک کا برتن، یا پیالہ

چوجُگی نہایت قدیم

چوگوشہ مستطیل سینی یا کشتی

چوگھرا پاندان یا عطر وغیرہ رکھنے کا ڈبا جس میں چار خانے ہوتے ہیں۔

چوڈول ہوادار، تام جھام

چُھپھا شوخ رنگ

چھوٹ چمک دمک

حاضری ماحضر

خاص بردار، مسلح ملازم (بندوق بردار)

خورد خام کرنا، ٹکڑے ٹکڑے کرنا، چورا چورا کرنا،

خوزادہ شریف نوجوان (خواجہ زادہ)

داوا کھلائی (مرو)
داؤدی ایک قسم کی آتشبازی جو گل داؤدی کے پیڑ سے مشابہ ہوتی ہے۔
درماہا مشاہرہ، تنخواہ، ماہانہ
دِساکرنا سفر کرنا سفر پر روانہ ہونا، (دِسا: سمت)
دستکی پاکٹ بک، چھوٹی سی جیبی کتاب جو یادداشت وغیرہ لکھنے کے کام آتی ہے
دل چلانا جرأت کرنا
دلدابیش گیر، سہری کے سامنے کا پردہ
دُلمیاں بٹوا
دوسار آرپار
دیوارگیری، دیواروں پر لگانے کا کپڑا
دھاپ اتنا فاصلہ جو آدمی سانس لیے بغیر دوڑ سکے
دِھرا مندر
دھونس دھڑکا، رعب، دباؤ، دھمکی،
ڈُریانا ڈوری یا باگ لگانا (گھوڑے کے)
ڈنڈا ڈنڈے بردار، ملازم

ڈھلیت ڈھال باندھے ملازم، سپاہی خدمتگار
رخصتی رخصت کے وقت جو چیز دی جائے
رنڈی عورت
روغن جوش، ایک قسم کا کھانا
رومالی سر پر اوڑھنے کا رومال
روتا ڈیوڑھی کا ملازم، مکان میں عورتوں کا ملازم
روہٹ رونق، سرخ رنگت (چہرے کی)
زار بزار زار زار
سار سا، مانند (جیسے تجھ سار)
ساق عروس، ایک قسم کی مٹھائی
ستارہ ایک قسم کی آتشبازی
سراوہ سردار
سری پاؤ سراپا، خلعت
سیلی کمر کا پٹکا
شاطر قاصد، ہرکارہ،
شتا چرتر، بیسوا،
شلیتا تھیلا۔

صبح خیزا۔ چور اُچکا، جو صبح سویرے لوگوں کے اٹھنے سے پہلے چوری چکاری کرتا ہے۔

صافی نامہ۔ صداقت نامہ، تصدیق، صفائی نامہ،

طلب تنخواہ

عہدہ عہدے کا نشان جیسے عصا وغیرہ

غٹ ہجوم

غیبانی بدذات، بے حیا عورت

قربان کمان کا خانہ

قورچی افسر توشہ خانہ یا سلاح خانہ

کاہلا بیمار، علیل،

کرچھال چوکڑی

کرسی نشین ہونا۔ موافق ہونا، ٹھیک بیٹھنا، درست ہونا۔

کریال۔ پرندے کا بےفکری سے پروں کا چونچ سے [illegible]

کریال میں غلیلا لگا۔ عیش میں خلل پڑنا، مصیبت [illegible]

کلبھوال۔ کلوں، سانولا،

کُندلا خیمے کی ایک قسم

کوٹ باندھکر بیٹھنا، پوتھی مار کر بیٹھنا، آرام سے بیٹھنا۔

کوکو پلاؤ انڈے کا پلاؤ (کوکو = تلا ہوا انڈا)

کیفی مست، نشے میں

کینچلی ڈالنا۔ کینچلی بدلنا،

کھپرا تیر

کھلوری گلوری

گاڑھی چوکی، سخت چوکی یا پہرا

گج موتی بیش قیمت موتی، کہتے ہیں کہ یہ موتی ہاتھی کی مستک میں سے نکلتا ہے، اسی لئے اسے گج موتی کہتے ہیں۔

گُرگا ادنیٰ خدمتگار، ادنیٰ کام کرنے والا، ذلیل آدمی،

گزُری سرِ راہ کی دوکان، سڑک پر چیزیں لیکر بیچنے کے لئے بیٹھنا

گمت سنگت

گوشِ پیچ دستار کا طرّہ یا دستار میں آرائش کی کوئی چیز

گھر سینا گھر میں گھسے رہنا
گھموری سخت گرمی
لچکا سیر و تفریح کی کشتی
لبنوت لمبی کشتی
لنگ طرف، ضلع
لنگری پرات آٹا گوندھنے کی
مان مہت عزت و احترام
مٹیا حمّال
محلی زنانے مکان کا ملازم، خواجہ سرا
مرچھانا غش آنا
مروارید ایک قسم کی آتشبازی
ملین غمگین، ملول
منت وار، احسانمند، ممنون
منگل کوٹی، ایک قسم کا قالین جو منگل کوٹ میں بنتا تھا
مورپنکھی سیر و تفریح کی کشتی، جس کے سامنے مور کی شکل بنی ہوتی ہے۔
ملیتا پیالہ، رکابی، (خاصکر فقیروں کی)

نانِ نعمت، ایک قسم کی نفیس روٹی،
نجھانا غور سے دیکھنا
نخرے تلّے، ناز نخرے
نسقچی فوجی افسر، اردلی افسر
نکٹ نزدیک
ننگیانا لوٹ کھسوٹ کر ننگا کر دینا، زبردستی سب کچھ رکھوا لینا
نول کرایہ
نیڑے نزدیک، زیر سایہ،
ہٹھ پھول (ہت پھول) ایک قسم کی آتشبازی
ہزاری بزاری، خاص و عام، ادنیٰ و اعلےٰ،
وضیع و شریف،
(لفظی معنی، فوجی و بازاری)
ہل بلانا ہڑبڑانا،
ہیتیم غلام، نوکر چاکر،